بایگانی مدیریت تحقیقات و برنامه ریزی
مرکز آموزش
شماره ثبت: ۳۶۶
تاریخ ثبت:
۲۰۲۱ ۹

شیعہ

احکام و عقائد کے آئینہ میں

مصنف

سید امیر محمد کاظمی قزوینی

انتشارات انصاریان

قم۔خیابان شهدا۔ص۔پ ۱۸۷۔تلفن ۲۱۷۴۴

نام کتاب ـــــــــــ شیعہ اپنے احکام وعقائد کے آئینہ میں

مصنف ـــــــــــ سیّد امیر محمد کاظمی قزوینی

ترجمہ ـــــــــــ جمعی از مترجمین

کتابت ـــــــــــ علی حیدر وصغیر حسن

تیراژ ـــــــــــ تین ہزار ۳۰۰۰

ناشر ـــــــــــ انتشارات انصاریان ـــ قم

تاریخ ـــــــــــ ۱۳۷۱ ہجری شمسی

چاپ ـــــــــــ بہمن قم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں
لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان
اصلاح کرو،

حجرات آیت (۱۰)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور
آپس میں تفرقہ پردازی نہ کرو اور اللہ کی
نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ ایک دوسرے
کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں
میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت
کے سبب بھائی بھائی بن گئے۔

آل عمران آیت ۱۰۳

قطع رحم نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، آپس میں
حسد سے کام نہ لو ، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ
کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی
سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق کرے ۔

رسول ؐ

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ اس کی آنکھ اور آئینہ
ہے وہ اس کے ساتھ خیانت اور فریب کاری سے کام
نہیں لیتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے جھٹلاتا
ہے، نہ اس کی غیبت کرتا ہے، تم جنت میں اس وقت تک
داخل نہیں ہو سکتے کہ جب تک مومن نہیں بن جاتے اور
اس تک مومن نہیں بن سکتے جب تک تم ایک دوسرے
سے محبت نہیں کرو گے، کیا تمھاری رہنمائی میں اس چیز
کی طرف کروں کہ جس کی انجام دہی سے تمھارے درمیان
محبت پیدا ہو جائے ۔۔۔ آپس میں سلام کیا کرو ۔

حدیث شریف

بسمہ تعالیٰ

گفتنی

جس زمانہ میں ہم آپ زندگی گذار رہے ہیں یہ بہت ہی اہم زمانہ ہے ہر ایک مکتب فکر ارتقا کی دوڑ میں ایک دوسرے پہ سبقت لے جانے کی کوشش میں منہمک ہے جداگانہ طور پر ہر ایک کی آخری خواہش یہ ہے کہ وہ پوری دنیا کو فتح کر کے اپنے افکار و نظریات کا پرچم لہرا دے اور سارے انسانوں کی گردن میں اپنے دستورات کا قلادہ ڈالدے یہ فکر سب کی نظروں میں مبہم بنی ہوئی ہے۔ اس کو سر کرنے کیلئے دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے اس کی نشاندہی کیلئے نہ ہی میرے پاس وقت ہے اور نہ ہی اقتضائے زمانہ! لیکن جس بات کی طرف اشارہ کردینا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیائے اسلام کے خلاف آج ساری دنیا نے محاذ آرائی کرلی ہے اور اندرون خانہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جتنی جلد ہو سکے اسلام کے عقائد کا رسوخ مسلمانوں کے دلوں سے ختم کردیا جائے چنانچہ مختلف طریقوں سے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے نئے نئے حربے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ ایک طرف مسلمان نوجوانوں کو یہ کہکر اسلامی عقائد و احکام سے بدظن کیا جا رہا ہے کہ یہ ہزاروں سال پہلے کی فکر ہے "آج دنیا ترقی کر چکی ہے" اب اس میں کوئی دم خم نہیں رہ گیا ہے۔

دوسری طرف گندم نما جو فروش، اسلام کے لباس میں ملبوس مشرک تمام عقائد واحکام کو بدعت قرار دینے میں لگے ہیں اور سادہ لوح افراد کے دلوں میں یہ بات اتار رہے ہیں کہ تم سچے مسلمان اس وقت بن سکتے ہو جب اسلام کی اکثر چیزوں کا

انکار کردو!!!

کہیں مذہب تشیع کے اعتقادات کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور مسلمانوں کو ان سے متنفر کیا جارہا ہے ایسے زیغ ومزیغ ماحول میں شیعوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے عقائد واحکام کو جدید اسلوب سے پیش کریں اور نسل نو کو گمراہی سے بچائیں اور یہ کتاب اس کے لئے بہت ہی موزوں ہے ۔

صاحبان علم ومطالعہ سے گذارش ہے کہ اگر ترجمہ میں کوئی غلطی نظر آئے تو اسے دامن عفو میں جگہ دیں اور مترجین کو بھی مطلع فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں

مترجمین

مقدمہ

قارئین پر مخفی نہ رہے کہ جو کچھ اس کتاب کے ابواب وفصول میں فقہ کے بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہے وہ مجتہدین کے استنباط کی بنا پر ہے جو شریعت میں مقررہ دلیلوں کے سمجھنے سے وجود میں آتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ یہ اختلاف مجتہدین کے استنباط کردہ مسائل پر عمل کرنے سے منع ، نہیں کرتا ہے کیونکہ ان کے ـــــ اور ان مقلدین کے حق میں یہی حکم خدا ہے خصوصاً جب ان کی رسائی امام معصوم تک ممکن نہ ہو اور زمانۂ غیبت میں ان سے بالمشافہ احکام اخذ نہ کر سکتے ہوں اس لئے کہ مجتہد مصیب کے لئے دو اجر اور مخطی کیلئے ایک اجر ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں حدیث میں نص وارد ہوئی ہے اسی بنیاد پر امامؑ نے اپنے شیعوں کو عادل مجتہدین کیطرف رجوع کرنیکا حکم دیا ہے :

"واقع ہونے والے حوادث میں تم ہماری حدیث بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں حجت خدا ہوں "

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

"فقہا میں سے جو اپنے نفس کو (آلودگیوں سے) بچانے والا ، دین کا محافظ خواہشات کا مخالف اور اپنے مولا کا مطیع ہو لوگوں کو اسکی تقلید کرنا چاہیئے "

اپنے شیعوں کیلیے امام کا یہ فرمان زمانۂ غیبت سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ائمہ کے زمانہ سے بھی متعلق ہے بعض جاہل افراد یہی تصور کرتے ہیں کہ زمانہ غیبت ہی میں تقلید ہو سکتی ہے اور یہ تو رسولؐ کے اس حکم سے آشکار ہے جو آپؐ نے انہیں دیا تھا چنانچہ شاعر کہتا ہے :

"لوگوں میں انکا قول وحدیث مشہور ہو گیا ہے ہمارے جد (رسولؐ) نے جبرئیل

سے اور جبرئیل نے خدا سے روایت کی ہے "

پھر جو لوگ اپنی تالیفات و مقالات میں شیعوں (کی کتابوں) سے حدیث نقل کرنا چاہتے ہیں انہیں انکی تعبیر اور احتجاج کے اسلوب میں غور کرنا چاہیئے کیونکہ بہت سے لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ شیعوں پر ان حدیثوں کے ذریعہ احتجاج کرتے ہیں جنھیں شیعہ جانتے بھی نہیں ان کی طرف ہر رکیک و پوچ بات کی نسبت دیتے ہیں خواہ ان کے ہاں موجود ہو یا نہ ہو ہم اس بات کی مزید وضاحت کردیں کہ کل حدیثیں جو ان (شیعوں) کی کتابوں میں مرقوم ہیں وہ صحیح نہیں ہیں کہ جن سے احتجاج صحیح ہو سکے (کیونکہ احادیث میں صحیح، ضعیف، قوی، حسن اور موثق و شاذ، متروک اور مخالف کا ہونا اسلامی مذاہب کے لحاظ سے ضروری ہے) بلکہ ہر ایک مذہب کی کتابوں میں ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں کہ جو ان کے ضروریات کے خلاف ہوتی ہیں اس لئے ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یا کبھی تاویل کی جاتی ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ موضوع ہے شیعوں کی بعض کتابوں میں ایسی چیزیں بھی مرقوم ہیں جن سے ۱۳ اماموں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے لیکن اس کی نفی خود وہی کتابیں اور دوسری تمام مسلمانوں کی کتابیں متواتر قطعی حدیثوں سے کر دیتی ہیں کیونکہ ان میں ۱۲ اماموں کے سلسلہ میں نص موجود ہے، ان کی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی ہے اور جب ہم نے ۱۳ اماموں والی حدیث کو ملاحظہ کیا تو اسمیں بیان کرنے والا "ابو جارود شیطان البحر" نظر آیا جو جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں میں سے ایک ہے ایسے لوگوں کے بارے میں ائمہ نے فرمایا ہے بیشک لوگ دل کھول کر ہماری طرف جھوٹی باتوں کی نسبت دیتے ہیں اور ان کا یہ قول بھی انکی شہادت دے رہا ہے ہم میں سے ہر ایک پر جھوٹ باندھا جائیگا اس مضمون کی اور بہت سی حدیثیں ہیں یہاں تک کہ ان کی حدیثوں میں بارہ ہزار جھوٹی حدیثیں شامل کر دی گئی ہیں اس لئے شیعہ ہر حدیث پر عمل نہیں کرتے جو ان کی کتابوں میں مروی

ہوتی ہے اور نہ ہی اسے تسلیم کرتے ہیں بعض ایسی ہیں جنھیں مولفین نے حکایت کے طور پر نقل کر دیا ہے ان پر نقد و تبصرہ جرح و تعدیل نہیں کی مثل مدینۃ المعاجز، بحار الانوار وغیرہ بلکہ شیعہ تو اس حدیث پر اعتماد نہیں کرتے ہیں جو انکی معتبر کتابوں میں نقل کر دی گئی ہے جس حدیث کیطرف وہ رجوع کرتے ہیں اس کے لئے ترازو ان کا عمل ہے اگر چہ وہ حدیث ضعیف السند ہی کیوں نہ ہو لیکن ایک صحیح السند اس کے صحیح ہونیکی گواہی دے رہی ہو یہانتک کہ شیعوں کے درمیان یہ بات مشہور ہوگئی ہے اگر حدیث بھی ہے اور انکے علماء نے اس سے اعراض کیا ہے باوجود اس کے انہوں نے اسے دیکھا اور سنا ہے تو وہ انکے نزدیک ضعیف ہے اور وہ ہر اس صحیح حدیث کو بھی رد کرتے ہیں جو کتاب خدا یا سنت معلومہ کے خلاف ہوتی ہے یا ضرورت عقل یا ثابت اجماع کے خلاف ہوتی ہے پس اس زمانہ کے اہل سنت سے خصوصاً ذہین و ذی علم طبقہ سے کہ وہ نئے دور سے گذر رہے ہیں امید کی جاتی ہے کہ وہ شیعوں سے متعلق اپنی تالیفات میں اس اصل کی رعایت کریں اور بیدار مغزی کے ساتھ اس گروہ (شیعہ) کا جائزہ لیں اس کے خصوصیات کا گہرائی سے علم حاصل کریں اسکے بعد جو دل چاہے تحریر کریں ہر منصف مزاج تحقیق کرنے والے پر فرض ہے کہ وہ پہلے اس حدیث کی کہ جس سے وہ شیعوں پر حجت قائم کرنا چاہتا ہے اس طرح چھان بین کرلے کہ شیعہ علماء کے سامنے اسے پیش کرے پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شیعہ اس پر عمل پیرا ہیں تو اسے حق ہے کہ وہ اس سے احتجاج کرے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ متروک حدیث کو حجت بنا کر پیش کرے اس کتاب میں مسلمان۔ شیعہ امامیہ کا ایک معمولی خاکہ اور عکس ملاحظہ فرمائیں گے جسکو ہم ان کے سامنے اس لئے پیش کر رہے ہیں تاکہ انہیں یہ معلوم ہو کہ حقیقت تمہارے زعم کے ماوراء ہے جس شخص تک یہ کتاب پہنچے گی مجھے اس سے امید ہے کہ وہ اول سے آخر تک پوری کتاب کا مطالعہ چشم بصیرت سے کریگا تاکہ اس پر حق و

حقیقت آشکار ہو جائے۔

اور اگر اس میں منافات سامنے آئے تو اس کی طرف میری رہنمائی کریں اس کے لئے ہم آپ کے شکر گذار ہوں گے۔

وباللہ نستعین وعلیہ نتوکل۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

● ● ●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف مصنف

الحمد للہ علیٰ الآئہٖ و لہ الشکر علیٰ نعمائہٖ و افضل صلوٰتہٖ و تحیاتہٖ علیٰ سید رسلہٖ و خاتم انبیائہٖ محمد و علیٰ آلہ الطاہرین خلفائہٖ و اوصیائہٖ علیٰ اصحابہ الذین نصروہ فی حیاتہ و تمسکو بثقلیہ، بعد وفاتہٖ و بعد :-

مسلمانوں کی ترقی اور ان کی تہذیب و ثقافت کی وسعت کیلئے اتحاد ناگزیر ہے اور ایک دوسرے سے محبت ضروری، اور امت کا ایک پرچم کے نیچے جمع ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح، ان کی مشکلات و ضروریات کو برطرف کرنا، اصلاح کرنا، گمراہ افراد کی ہدایت کرنا، تجاوز و استبداد کے خلاف اقدام کرنا، جاہلوں کو تعلیم دینا بھی ضروری ہے لیکن اگر خواہشات مختلف و جداگانہ، ایک دوسرے سے دشمنی، پارٹی بازی ہو کہ جو امت کی عظمت کی تباہی کا سبب اور لوگ غفلت و شہوت رانی میں غرق اپنی عزت و سربلندی سے روگرداں ہونگے تو وہ اس صورت میں ذلیل و رسوا ہو کر نابود ہو جائینگے اور ان کی یہ کہانی آنے والوں کیلئے عبرت بن جائے گی ان چیزوں سے قرآن نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے :

"خبردار اس عورت کے مانند نہ ہو جاؤ کہ جس نے اپنے مضبوط دھاگہ کاتنے کے بعد پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا" (نحل آیت ۹۲)

دوسری جگہ زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

"دیکھو، آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے" (انفال آیت ۴۶)
امت کب تک بیداری کے ٹکڑے کرتی رہے گی عقلمندی کا بیوقوفی سے کب تک مقابلہ کرتی رہے گی

کیا مسلمان دن رات کتاب خدا کی تلاوت نہیں کرتے ہیں ؟ اس کا قول سنتے ہیں کہ جو انہیں اس بات سے روکتی ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کا قصہ قرآن میں بیان ہوا ہے :

" ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جو فرقوں میں بٹ گئے پراگندہ ہو گئے اور واضح دلیل آجانے کے بعد بھی اختلاف میں پڑ گئے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے" (آل عمران آیت ۱۰۵)

دوسری جگہ خداوند عالم کا ارشاد ہے :

" جن لوگوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے" (سورہ انعام آیت ۱۵۹)

کیا اس کی واضح دلالت اس بات پر نہیں ہے کہ رسولؐ ہم میں سے نہیں ہیں اور نہ ہم سے جدا ہیں جب ہم دین میں تفرقہ ڈالیں گے اور ٹکڑوں میں بٹ جائیں گے جیسے ہم سے پہلی والی امتوں نے کیا تھا۔ آج کے مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کے منادی کی ندا کو نہیں سنتے ہیں اور نہ اس کی باتوں پر کان دھرتے ہیں کیا اسکی باتوں کو سننے میں ان کی عزت کا راز مضمر نہیں ہے اور اسکی باتوں میں غور و فکر کرنے میں ان کی سعادت نہیں ہے کیا ہم تہذیب و علم کے زمانہ اور ذہانت و فطانت کے دور سے نہیں گذر رہے ہیں ؟ کیا زمانۂ تدلیس و تلبیس اور دھوکا دہی ختم نہیں ہوا ہے ؟ دنیا علم و عرفان کے نور سے منور ہو گئی پس امت کیوں انسانی وظائف کی انجام دہی کے لئے تیار نہیں ہوتی ہے کیوں زبان و قلم کو حرکت نہیں دیتی ہے کہ جس سے بغض و عصبیت کا از سر خاتمہ اور

ان کے افکار سے حمیت جاہلیت زائل ہو جائے اور ان کے دماغ سے اس کا اثر مٹ جائے اور پھر تمام لوگوں کو وحدت کی دعوت دی جائے سنی شیعہ اتحاد پر زور دیا جائے انہیں ایک چشمہ پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے کہ جس سے میدان معرکہ میں ایک عظیم الشان لشکر تیار ہو جائیگا کہ جس کے سرداروں کی تلواروں کی جھنکار سے فضا گونج اٹھے، شر کے بار آور ہونے سے قبل اکی جڑیں کٹ جائیں گی، اور انہیں اس چیز سے بچایا جائے جو ان کی صفوف میں انتشار، جماعت میں تفرقہ نظام میں خلل ڈالتی ہے اور ان کی کرامت کو طوفانی ہوائیں برباد کرتی ہیں اور چاروں طرف سے آندھیاں مٹ کر ان کی طرف سے آتی ہیں شیعہ سنی بھائیوں کی حالت پر بہت افسوس ہے یہ ان کی آپس کی دشمنی انہیں رنج و غم میں مبتلا کرتی ہے ان کی حفاظت کو پاش پاش کرتی ہے یہ ان کی محبت میں کدورت بدنوں میں جدائی اور ان کی ہڈی کو ریزہ ریزہ کرتی ہے کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے قلم طمع میں چلتے ہیں اور ان سے اپنے شیعہ بھائیوں کے قلوب کو زخمی کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو پارٹی بازی کی بنیاد پر حرکت میں آتے ہیں اور دوسری پارٹی والوں کے کلیجوں کو برما دیتے ہیں کسی پر شہوت طاری ہے جو اس کی ہر خواہش کو مباح کر دیتی ہے اور انہیں کے ساتھ ساتھ وہ چیز بھی ہے جو حبل خدا کو قطع کر دیتی ہے اور مومنین کی صفوف میں تفرقہ ڈالتی ہے جبکہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کا تعلق، ایک مبدا، ایک عقیدہ ایک دین اسلام ہے دین کے اصول میں سے کسی کے بارے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے درمیان نزاع کی وہی کیفیت ہے جو مجتہدین کے درمیان فروع دین کے استنباط میں ادلۂ اربعہ کو سمجھنے میں اختلاف کی بنا پر رونما ہوتی ہے اور اس نزاع کا اقتضا شدید جنگ اور سخت لڑائی نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے علمی مباحث اور دینی مسائل کے مباحثہ میں تلواریں کھینچ جائیں اور آداب مناظر میں ایک دوسرے پر سب و شتم اصول بن جاتے ہیں، اے امت محمدؐ کہ جو اپنے

دینی اور شخصی لحاظ سے بعظمت ہے اوراے جمہور المسلمین تم سب جانتے ہو کہ تمھیں اتحاد کی دعوت دی ۔
گئی ہے کیونکہ تمھارے یہ ظروف عصبیت کے ظروف ہیں اور تمھاری باگ ڈور مخدوش ہے تمھیں آج
متحد ہونے کی زیادہ ضرورت ہے اور قوت جمع کرنے کی احتیاج ہے اور کینہ توزیوں کو دفن کرنے
کی اور خزانوں کو نکالنے کی ضرورت ہے ، سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک صف میں کھڑے
ہو جاؤ کہ جس سے تمھارے ایک دوسرے کے مورچے مضبوط ہو جائیں گے فریقین کے لئے اس
خصومت کو ہوا دینے میں مصلحت نہیں ہے کہ جس کے شعلوں کی لپٹ آسمان تک پہونچتی ہے یہ
تمام جنگیں اور جو چیز تمھیں اس طرف کھینچ لائی ہے وہ کیا ہے ؟ اگر ہم تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ
کریں اور ہم ان عقائد و آرا کی تحقیق میں کامیاب ہو جائیں کہ جن کے سبب ایک دوسرے کو قتل کرتے
ہیں تو معلوم ہوگا کہ اسمیں اختلاف فقط مسئلہ خلافت ہے آپ جانتے ہیں مسئلہ خلافت کیا ہے ؟
امت کے درمیان اس میں سب سے بڑا اختلاف ہے اور شدید ترین جنگ کا باعث ہے جسکو
اس قسم کے قلم ہوا دیتے ہیں اور امت کے درمیان جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور چیخ چلاہٹ
اور شور و غوغا بلند ہو جاتا ہے اور نوبت کشت و خون تک پہونچتی ہے اور امت کی روح مقدس
پراگندہ ہو جاتی ہے اگر فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کی دلیلوں میں غور کرے اور حقیقت و
صواب کو سمجھنے کی کوشش کرے بغض رکھنے والوں کی نظر سے نہ دیکھے کہ جس کا کام ہی شر پھیلانا ہوتا
ہے بلکہ محض حق کو روشن کرنے اور خصومت کی گتھی سلجھانے اور اس کے شعلوں کو خاموش کرنیکی سعی
کریگا تو دیکھنے والوں پر صحیح آشکار ہو جائیگی ۔

یقیناً میں نے اپنی استطاعت کے مطابق فریقین کی دلیلوں سے اس مسئلہ کا علاج تلاش
کرنے کی کوشش کی ہے انہیں صحیح طریقہ سے سمجھئے اور ہر قسم کی خلش سے پاک ہو کر آپ میرے

ساتھ آئیں تاکہ سب کے طریقہ سے میں حق تک پہنچ سکوں یعنی جن چیزوں کو فریقین نے صحیح تسلیم کیا ہے ان کی وضاحت کرسکوں اس مسئلہ کو میں چھیڑ رہا ہوں شاید مسلمان اس پر یقین کریں گے اور انکے نفوس مطمئن ہوجائیں گے مجھے امید ہے کہ اس سے میں بعض مسلمانوں کے دلوں سے تردد کو نکال کر پھینکدونگا اور اس کے ذریعہ مذاہب کے درمیان والی علیحدگی کو وحدت میں بدل دونگا اللہ سے دعا ہے کہ اس عقائد کے مجموعہ سے برادران اہل سنت راضی ہوجائینگے جیسا کہ میں ہر آزاد فکر ذہین و زیرک، عصبیت سے پاک افراد کے سامنے بیان کرتا ہوں، خیانت سے الگ ہوکر اور آزادی کے ساتھ بغیر گونگی تقلید کے اور زندگی کو اس کے نئے طریقوں کے ساتھ اس درد کے علاج میں میری مدد کریں گے کہ جس سے امت کا اتحاد پاش پاش اور اس کے نظام میں خلل انداز ہے تاکہ ہم آنکھوں سے پردہ ہٹاکر اور صحیح طرح سے زندگی کو اس کے خد و خال کے لحاظ سے دیکھ سکیں اور پھر پرچم اسلام کے سایہ میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلیں" ہم ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جائیں ایک دوسرے کی پشت پناہی کریں ایک دوسرے کو مضبوط بنائیں، حقیقت کو تسلیم کریں تاکہ ہمارے نفوس اس سے راضی ہوجائیں اور نیک خواہش کی طرف بڑھنے لگیں،

...اب قارئین محترم میں آپ کے سامنے شیعہ اور ان کے عقائد و احکام کو واضح طور پر پیش کرتا ہوں کہ جو نبیؐ اور ان کے اہل بیتؑ واصحاب سے ماخوذ ہیں جن سے ہمارے برادران اہل سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں جو مجمل طور پر آپ کو ان عقائد و احکام سے آگاہ کریں گی اور جو شیعوں کی طرف غلط امور کی نسبت سے بعض ذہنوں میں تردد پیدا ہوگیا تھا اسے دور کریں گی خداوند عالم سے مدد طلب کرتے ہوئے اور توفیق و ہدایت کی امید کرتے ہوئے آغاز کرتا ہوں بہت سے لوگوں نے شیعوں کی کتابوں کو لکھا ہے اور جو کچھ ان کی طرف نسبت دی ہے، دی ہے جبکہ ان کے پاس اس سلسلہ میں

کوئی دلیل نہیں ہے لکھنے والے شیعوں کے اخبار سے اصلًا بے خبر ہیں، انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ دشمنوں کا پروپیگنڈہ ہے جس کی وجہ سے لوگ مومنین سے بدظن ہوتے اور برا کہتے ہیں اسطرح سے مسلمانوں کے اتحاد کو پامال کرتے ہیں اور ان میں تفرقہ پیدا کر دیتے ہیں، انہوں نے اپنی طمع میں دین خدا کو ذبح کر دیا اور اس کے مخلص بندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا خدا کا حکم بدل ڈالا اسکے دین کو حقیر سمجھا اور تمام عیوب والزام شیعیان آلِ محمدؐ کے سر تھوپ دیئے جبکہ شیعوں کے ان الزمات سے بری ہونے کی گواہی زمین پر جنات اور آسمان کے ملائکہ دے رہے ہیں اس لئے واجب ہے کہ حقیقت سے پردہ ہٹایا جائے اور اس حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کی جائے جوامت کے حقوق کو ہڑپ کر گیا ہے اور امت کو دشمنوں کے حملوں کا نشانہ بنائے ہوئے ہے حق کی مدد کرتے ہوئے غافل جاہلوں کی تنبیہ کرتے ہوئے اس کی حقیقت کو پیش کیا جارہا ہے تاکہ ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد اہل سنت کے قلمی حملوں کی حقیقت واضح ہو جائے۔

اگر وہ اپنی زبان کو تھوڑا نرم کریں تو پھر دیکھئے شیعہ ان سے کتنی ہمدردی اور محبت سے پیش آتے ہیں اور انکی کتنی رعایت کرتے ہیں، کتنی انکی محافظت کرتے ہیں لیکن وہ جو کچھ کیا کرتے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے وہ کن آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ بعض مطلب پرست بغض وتعصب کی وبا میں گرفتار۔ افراد کو جن کا کام تفریق اور اتحاد کو پاش پاش کرنا ہے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کی آگ کو بھڑکانا ہی کہیں ان پر دیواریں گرادی جاتی ہیں کہیں بے دردی سے آتشین میزائیل ان پر برسائے جاتے ہیں اور کوئی صلح وسلامتی کرانے والا نہیں ملتا افسوس صد افسوس . . .

ماضی اور موجودہ زمانہ میں شیعوں نے اہل سنت کی حفاظت کو ترک نہیں کیا ہر مہم میں انکے ساتھ ساتھ رہے جب مخلصین نے انھیں دعوت دی انہوں نے لبیک کہا اور جب بھی خطرہ کے آثار

نمودار ہوئے تو شیعہ سینہ سپر ہوئے اور کیوں نہ ہو شیعوں میں بیدار مغز افراد بڑے اصلاح کرنے والے ہیں کہ جنھوں نے دین کے ستونوں کو مضبوط کیا ہے اور اس کی بنیاد کو محکم بنایا ہے اس کے ارکان کو استوار رکھا ہے اس کے قواعد کو بلند کیا ہے اس کے آثار کو زندہ رکھا ہے اگر یہ نہ ہوتے تو آثار نبوت مٹ گئے ہوتے،

آثار نبوت کی بقا شیعوں کے وجود سے :۔ ہمارے قول کی صداقت کے بارے میں آپ کے لئے نقاد حدیث حافظ کبیر امام جرح و تعدیل ذہبی کی گواہی کافی ہے وہ اپنی کتاب میزان الاعتدال کی جلد ایک" صہ ۴ باب الف میں ابان بن تغلب صحابی امام صادقؑ کی سوانح حیات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں ابان بن تغلب کی اہل سنت کی ایک جماعت نے توثیق کی ہے انہیں توثیق کرنیوالوں میں امام احمد بن حنبل ابن معین اور ابن ابی حاتم ہیں ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے :

"بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت صغریٰ جیسے غلو یا تشیع جسمیں غلو و تحرف نہ ہو اور یہ بات تو اکثر تابعین و تبع تابعین میں ہے مع ذالک وہ دیندار صاحب صدق و ورع ہیں اگر انکی حدیث کو رد کیا جائے تو آثار نبوت مٹ جائیں اور یہ کھلا ہوا مفسدہ ہے"

حقیقت کو چھپایا نہیں جاسکتا ہے اگر چھپائی جائیگی تو وہ خود واضح ہو جائیگی اہل سنت کے اکثر علماء نے فقہ و اصول، حدیث میں علمائے شیعہ سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت نے نے فقہ و حدیث کا درس امام جعفر بن محمد الصادق سے حاصل کیا ہے ـــــ امام احمد بن حنبل نے علم و حدیث کا درس محمد بن فضیل بن غزوان سے لیا ہے کہ جو شیعہ تھے اور ان کی شیعت پر سمعانی نے کتاب الانساب میں نص کی ہے اور ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب کی جلد ۷ صہ ۳۳۸ پر لسان المیزان کی جلد ۵ سے اور ذہبی نے میزان الاعتدال کی جلد ۳ صہ ۱۲۲ باب المیم میں

نقل کیا ہے محمد بن اسماعیل بخاری کے اساتذہ اسماعیل بن آبان ازدی کوفی خالد بن مخلد قطوانی ۔
ابو ہشیم کوفی اور عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کوفی تھے اور یہ سب شیعہ تھے جیسا کہ سمعانی نے انساب میں اور ذہبی نے میزان الاعتدال کی جلد ۱، ص۹۹ و ص۳ و جلد ۲ ص۱۷۰ پر تحریر کیا ہے اور ابن قتیبہ نے کتاب المعارف کی جلد ۲ کے ص۲۰۶ اور ابن سعد نے طبقات جلد ۶ ص۲۸۳ پر نقل کیا ہے اور ترمذی ابوداؤد، ابوعروبہ ابن خزیمہ کا استاد اسماعیل بن موسیٰ فزاری کوفی تھا اور یہ بھی شیعہ تھا جیسا کہ ان کی شیعت پر ذہبی نے میزان الاعتدال جلد ۱، ص۱۱۷ باب الف میں نص کی ہے علما ابن صالح صدقہ بن مثنیٰ اور حکیم بن جبیر نے عمیرۃ بن تمیمی تیم اللہ سے علم حدیث حاصل کیا اور یہ بھی شیعہ تھے جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال کی جلد ۱، ص۱۹۵ باب الجیم میں تحریر کیا ہے
امام ثوری، مالک بن مغول عبداللہ نمیر اور اس طبقے کے اور ایک گروہ نے حارث بن حصیرہ ازدی ابونعمان کوفی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور یہ بھی شیعہ تھے چنانچہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد ۱، باب الحا ص۲ کے آخر میں دو سطروں سے قبل تحریر کیا ہے
مسلم ابوداؤد بغوی اور ان کے طبقے اور بہت سے افراد نے عبداللہ عمر بن محمد بن ابان بن صالح بن عمیر قرشی کوفی الملقب بہ مشکدانہ سے کسب فیض کیا اور یہ بھی شیعہ تھے جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال ج ۲ ص۹۵ پر تحریر کیا ہے شیعہ علم حدیث کے ایسے اور بہت سے نقاد ہیں جن کی طرف اہل سنت نے رجوع کیا ہے انکی شمارش کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے اس آگہی کے بعد اب آپ میرے ساتھ آیئے تاکہ آپ کے سامنے شیعوں کے عقائد و احکام کو پیش کروں چند فصلوں میں میں آپ کے سامنے واضح دلیل اور مختصر بیان میں یہ چیزیں پیش کرونگا ۔

پہلی فصل

شیعت کی اصل اور اسکے معنی

لغت کے لحاظ سے شیعہ کسی کے پیرو کار اور اس کے مددگار کو کہتے ہیں لیکن اب یہ نام دوستان علیؑ اور اہل بیت کے چاہنے والوں سے مخصوص ہوگیا ہے ، یہی وجہ ہے کہ جب لوگ کسی کو شخص شیعہ کہتے ہیں تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ شخص علیؑ کا محب ہے قرآن مجید نے سورہ صافات کی آیت ۸۳ "وَاِنَّ مِن شِیعَتِہٖ لَاِبرَاھِیمَ" اور یقیناً نوح ہی کے شیعوں (پیروکار) میں سے ابراہیم بھی تھے اور جناب موسیٰ بن عمران کا قصہ نقل کرتے ہوئے خدائے متعال سورہ قصص کی پندرہویں آیت میں فرماتا ہے "ھٰذَا مِن شِیعَتِہٖ وَھٰذَا مِن عَدُوِّہٖ" یہ میرے شیعوں (دوستوں) میں سے ہے اور اس کا تعلق میرے دشمنوں میں سے ہے شیخ ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی اپنی کتاب الفرق والمقالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصل فرقے چار ہی ہیں ان میں سے ایک فرقہ شیعہ بھی ہے شیعہ علی کا فرقہ ہے اور آنحضرت کے زمانے میں بھی علیؑ کے دوستوں جیسے مقداد ابن اسود کندی، سلمان فارسی، ابوذر، جندب بن جنادہ اور عمار یاسر وغیرہ کو شیعہ کہا جاتا تھا امت محمدی میں سب سے پہلے، انہیں افراد کو شیعہ کہا گیا ہے اگرچہ یہ نام "شیعہ" قدیم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں قرآن کہتا ہے' — اشاعرہ کے راس و رئیس محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب ملل و نحل کے ص۱۰۷ پر تحریر فرماتے ہیں شیعہ علی کے چاہنے والوں کو کہتے ہیں یہ لوگ (شیعہ) نص قرآن اور وصیت نبی سے حضرت علیؑ کو (بلافصل) ، امام و خلیفہ مانتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ خلافت کا استحقاق فقط حضرت علیؑ اور انکی طیب و طاہر اولاد کو ہے ان کے علاوہ اگر کوئی خلیفہ ہوا ہے تو وہ تعدی یا تقیہ کے لحاظ سے بنا ہے

عظیم لغات قاموس کی نص کے مطابق حضرت علیؑ کا اتباع کرنے والے شیعہ ہیں وہ نص قرآن اور وصیت نبی کے تحت حضرت علیؑ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ آپ کے بعد حسنؑ و حسینؑ اور اولاد امام حسینؑ میں سے ۹ دیگر افراد خلیفہ ہونگے پس وہ اپنی اعتقادی اور عملی زندگی کا سلسلہ انہیں (بارہ اماموں) پر منقطع کرتے ہیں جیسا کہ نبیؐ کو مخاطب کرکے خداوند عالم فرماتا ہے:

"(رسول) آپ ان سے کہدیجئے کہ میں تم سے قرابتداروں کی محبت کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا"، (سورۂ شوریٰ آیت ۲۳)

ابن حجر نے اپنی صواعق مطبوعہ ۱۳۷۵ھ کے ص ۱۶۰ پر اس آیت کو اہل بیت نبویؐ کے فضائل کے سلسلہ میں نقل کیا ہے احمد طبرانی ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے رسولؐ سے دریافت کیا آپؐ کے قرابتداروں میں وہ کون لوگ ہیں جنکی محبت ہم پر فرض کی گئی ہے آپ نے فرمایا علیؑ فاطمہؑ اور ان کے دونوں بیٹے اور تفسیر ابن حاتم کہ جو معتبر ہے اور ائمہ اہل سنت کی جماعت نے اس کے معتبر ہونے پر نص کی ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنہ کے ص ۴ پر اور بغوی کہ جو اہل سنت کے نزدیک محیی سنت ہیں انہوں نے اس آیت کے سلسلہ میں اپنی تفسیر میں سعید بن جبیر و عمر بن شعیب سے نقل کیا ہے کہ آیت میں "مودۃ القربیٰ" سے مراد علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کی محبت مراد ہے اور آیت تطہیر بھی انہیں کی شان میں نازل ہوئی ہے ابن صباغ مکی مالکی فصول المہمہ کے ص ۱۲۲ پر ابن حجر ہیثمی صواعق کے ص ۱۵۹ پر فضائل اہل بیتؑ کے بارے میں ابن عباس سے نقل فرماتے ہیں کہ جب آیت بریۃ "ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ"، نازل ہوئی تو رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا خیر البریۃ تم اور تمہارے شیعہ ہیں کہ تم اور تمہارے شیعہ روز قیامت خدا سے راضی اور وہ تم سے راضی ہوگا اور تمھارے دشمنوں پر

خدا غضبناک ہوگا ،

اس حدیث کی واضح دلالت اس بات پر ہے کہ نام شیعہ زمانۂ نبیؐ ہی میں شہرت پاگیا تھا اور پیروان علیؑ سے مخصوص ہوگیا تھا اور سب سے پہلے علیؑ کی اتباع کرنے والوں کو نبیؐ نے شیعہ کہا ہے اور یہ بیج رسولؐ نے بویا اسکے بعد آج تک یہ سلسلہ جاری ہے ابن حجر اپنی صواعق کے ص۱۵۹ گیارہویں باب کی پہلی فصل کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ احمد نے مناقب میں نبی سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا :

"کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم جنت میں میرے ساتھ اور حسنؑ و حسینؑ ہماری اولاد ہمارے پیچھے ہوگی اور ازواج انکے پیچھے ہونگی اور ہمارے دائیں بائیں ہمارے شیعہ ہونگے "

ایسی اور بہت سی احادیث ہیں جنھیں اہل سنت کے بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے کہ وہ روز قیامت مامون، محفوظ، کامیاب، راضی برضا ہوں گے ان کی محبت و اطاعت واجب ہے قرآن میں خدا اپنے نبیؐ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے "قل ان کنتم تحبون الخ" اس آیت کی صریح دلالت اس بات پر ہے کہ بغیر اطاعت کے محبت کا دعویٰ بیکار ہے اور آیت میں مفہوم شرط کا بھی یہی اقتضا ہے اور جب قرآن وحدیث سے ان کی محبت واجب ہے تو اطاعت بھی واجب ہے ۔ لہٰذا شیعہ انہیں سے متمسک ہیں اور ہر مورد پر انہیں کیطرف رجوع کرتے ہیں اور نبیؐ نے بھی انہیں سے متمسک رہنے اور انہیں کیطرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ ان کے غیر کیطرف، متعدد موقعوں پر نبیؐ نے اس کا کھلم کھلا اظہار فرمایا ہے جیسا کہ مرض موت کے وقت فرمایا :

" لوگو! میں بشر ہوں قریب ہے کہ خدا کا پیغام پہنچے اور میں لبیک کہوں حالانکہ میں تمہارے

درمیان ثقلین کتاب خدا (قرآن)، کہ جسمیں نور و ہدایت ہے اور اپنے اہل بیتؑ چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے ان دونوں کا دامن تھام لیا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور لطیف و خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں (قرآن و اہل بیت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہانتک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور انہیں چھوڑ کر نہ ہٹ جانا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے انہیں سکھانا نہیں وہ تم سب سے زیادہ جانتے ہیں "

ترمذی نے اپنی سنن کے ص۲۲۰ پر تیس سے زیادہ صحابیوں سے اور مسلم نے اپنی صحیح کی جلد ۲ر باب فضائل اہل بیتؑ کے ص۲۷۹ پر اور ابن حجر نے صواعق کے ص۱۴۸ پر تحریر کیا ہے، کہ (حدیث تمسک بیس سے زیادہ صحابیوں سے متعدد طریقوں سے نقل ہوئی ہے) اور (امام) احمد نے اپنی مسند کی جلد ۳ر کے ص۷ و ص۱۴، ص۲۶، ص۵۹، ص۸۴ پر کل کا ذکر کیا ہے اور حاکم نیشاپوری نے مستدرک صحیحین کی جلد ۳ر کے ص۱۱۰ و ص۱۴۸ پر بخاری و مسلم کی شرط پر اسے صحیح قرار دیا ہے پس صحاح کے لحاظ سے (بھی) اہلبیتؑ سے تمسک اختیار کرنا واجب ہے اور رسولؐ بھی اسے روز غدیر ارشاد فرماتے ہیں آخری حج میں روز عرفہ فرماتے ہیں کبھی طائف سے لوٹنے کے بعد، کبھی مدینہ میں منبر پر اور کبھی مرض الموت میں صحابیوں سے بھرے حجرہ میں ارشاد فرماتے ہیں جیسا کہ ابن حجر نے اپنی صواعق کے ص۱۴۸ پر تحریر کیا ہے لہٰذا یہ حدیث چند وجوہات سے شیعوں کے حق میں ہے

حدیث ثقلین

۱۔ نبیؐ نے اپنی عترت کا جزو قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ دونوں (قرآن اور اہل بیت) کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے، یہی اہل بیت کی عصمت کی دلیل ہے کیونکہ قرآن معصوم ہے اس میں خطا کا امکان نہیں ہے اسی طرح اس کے عدیل و ہم پلہ اہلبیت میں بھی خطا کا امکان نہیں ہے، اور معصوم امامت کا زیادہ حق دار ہوتا ہے اور افضل ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسرا امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور یہ بات اجماع سے ثابت ہے کہ اہل بیتؑ نبی کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے

۲۔ اس حدیث سے یہ بات آشکار ہے کہ اہل بیت عالم قرآن ہیں، اور تمام لوگوں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور افضل انسان کے لئے کسی دوسرے کا اتباع جائز نہیں پھر جائیکہ اپنے سے پست کا، یہ تو بچہ کی عقل بھی قبیح سمجھتی ہے کہ ڈاکٹر پر کمپاؤڈر کو، اور مبتدی کو جامع الشرائط مجتہد پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے جیسا کہ قرآن مجید بھی اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے خداوند عالم سورہ یونس میں فرماتا ہے:

"کیا جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ قابل اتباع ہے یا جو ہدایت کرنیکے قابل بھی نہیں ہے مگر یہ کہ خود اس کی ہدایت کی جائے تمھیں کیا ہوگیا ہے تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو!"

سورۂ یونس آیت ۳۵

۳۔ نبی نے عترت کو قرآن کا عدیل قرار دیا ہے اور قرآن واجب الاتباع ہے اسی طرح اہل بیتؑ بھی واجب الاتباع ہیں، ہر امر و نہی میں ان کا امر تسلیم کرنا فرض ہے، اور شیعہ قرآن کے بدل پر قطعی راضی نہیں ہیں تو تم اہل بیتؑ کے بدل پر کیونکر راضی ہو گئے۔

۴۔ رسولؐ نے اس بات پر نص کردی ہے کہ اہل بیتؑ رہتی دنیا تک کبھی قرآن سے جدا نہیں ہوں گے ۔ آپؐ کا یہ قول اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ جب تک قرآن باقی ہے اس وقت تک تمام زمانوں میں اہل بیتؑ کا وجود ناگزیر ہے ، اور ہر زمانہ میں اہل بیتؑ کی کسی ایک فرد کا وجود ضروری ہے کہ قرآن کی رو سے جس سے تمسک کرنا واجب ہے ۔

۵۔ حدیث کے مفہوم و منطوق سے ثابت ہوتا ہے کہ جو قرآن و عترت سے ایک ساتھ تمسک اختیار نہ کرے وہ گمراہ ہے اور جو ان سے تمسک اختیار کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور شیعوں کے اس قول کے "لا ھدیٰ و لا سعادۃ و لا نجاۃ الا من طریقھم" کے یہی معنیٰ ہے ،

" اہل بیتؑ سے ہٹ کر نہ ھدایت ہے نہ سعادت و نجات "

لیکن جن لوگوں نے "عترتی" کی جگہ لفظ "سنتی" رکھ دیا ہے اور انہوں نے اپنے خیال خام میں اہل بیت کی منزلت کو کم کر دیا ہے تو انہوں نے یہ بہت بُرا کام کیا ہے کہ جس کے انجام کار سے وہ خود بھی واقف نہ تھے اس سے نبی اور اہل بیتؑ نبی کو تکلیف پہونچائی ہے ان کی اس حرکت کا اثر ہمیشہ باقی رہے گا درآں حالیکہ رسولؐ نے اہل بیت کو اس لئے قرآن کا عدیل و ہم پلہ قرار دیا تھا کہ قرآن کے علوم ان کے دلوں میں ودیعت کئے گئے تھے تاکہ وہ اس کو بیان کریں ، اسے محفوظ رکھیں اس کے عمیق مطالب کی وضاحت کریں اور واضح طور سے لوگوں کو اس کے احکام بتائیں . لیکن اگر سنت کو بھی قرآن کا عدیل قرار دیا جائے تو بھی یہ قرآن کی طرح کسی بیان کرنے والے کی محتاج ہے کہ جو صحیح طور سے اس کا تحفظ کر سکے اور یہ کام بھی فقط معصوم ہی کر سکتا ہے کہ جو خطا و نسیان سے محفوظ ہو ۔ پس لوگ قرآن سے اس وقت تک فائدہ نہیں اٹھا سکتے جب تک کوئی بیان کرنے والا نہ ہو ، اور اہل بیتؑ ہی اس کے قائم کرنے والے ہیں ، اور وہ ہیں جو لوگوں کو ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ ، مجمل و مبین کو بیان کر سکتے ہیں

امت کا اجماع ہے کہ اہل بیتؑ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے

اگر ہم "عترتی" کی جگہ سنتی کو فرض کریں تو پھر رسولؐ کے اس قول کے معنیٰ لغو ہو جائیں گے

" مثل اھلبیتی فیکم مثل سفینۃ نوح" الخ

"تمہارے درمیان میرے اہل بیت کی مثال کشتیٔ نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا وہ بچ گیا، اور جس نے روگردانی کی وہ ہلاک ہوا"

اور دوسری روایت میں "غرق" کی لفظ آئی ہے

ابن حجر نے صواعق محرقہ کے ص۱۸۴ گیارہویں باب کی دوسری فصل میں اہل بیتؑ سے متعلق ، سلسلہ وار حدیثیں بیان کی وہاں اس حدیث کو بھی بیان کیا ہے ،

جلال الدین سیوطی نے "جامعۃ الصغیر" کے جزو دوم باب المیم ص۱۳۶ پر اس حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے ،

حاکم نے اپنی "مستدرک" کی جلد ۳ ص۱۵۱ پر اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے ،

حاکم نے "مستدرک" کی جلد ۳ ص۱۴۹ پر یہ حدیث نقل کی ہے

قال رسول اللہ ص النجوم امان لاھل الارض من الغرق الخ

نبی اس حدیث کے ذریعہ یہ بتا رہے ہیں کہ اہل بیتؑ کا لازم اور ان کا عصیان حرام ہے، اور اس مفہوم پر اس کی واضح دلالت ہے

امام اہل سنت طبرانی اپنی کتاب "الکبیر" میں تحریر فرماتے ہیں :

قال رسول اللہ ص "جو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ میری زندگی جیئے اور میری

موت مرے اور جنت عدن میں ساکن ہو کہ جسے میرے رب نے بنایا ہے اسے میرے بعد علیؑ اور ان کے جانشینوں کو اپنا ولی بنانا چاہیئے کیونکہ میری عترت میری طینت سے پیدا کی گئی ہے، اور انہیں میرا علم وفہم دیا گیا ہے میری امت میں سے جو ان کی فضیلت کو جھٹلائے اس کے لئے تباہی ہے وہ میرے صلۂ رحم کو قطع کرتے ہیں، انھیں میری شفاعت نصیب نہ ہو گی انھیں میرے علم وفہم کا رزق ملا ہے ان کی فضیلت کے منکر پر نفرین ہو، اور میرے صلہ رحم سے قطع کرنے والوں کو خدا میری شفاعت نصیب نہ کرے "

اس حدیث کو ملا علی متقی ہندی نے مسند احمد بن حنبل کی پانچویں جلد کے حاشیہ پر اپنی کتاب "منتخب کنز العمال" ص۹۴ پر تحریر کیا ہے اور حاکم نے "مستدرک" کی جلد ۳ ص۱۲۸ "بخاریؒ ومسلمؒ" کی شرط کی بنا پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اور متقی ہندی نے "منتخب کنز العمال" مسند احمد بن حنبل کی پانچویں جلد کے حاشیہ پر "زید ابن ارقم" سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا :

قال رسول اللهؐ "جو شخص چاہتا ہے میری زندگی جیئے اور میری موت مرے اور اس جنت میں داخل ہو جس کا وعدہ میرے رب نے مجھ سے کیا ہے اور وہ جنت خلد ہے اسے میرے بعد علیؑ اور ان کی ذریت سے محبت کرنا چاہیئے وہ تمھیں ہدایت سے خارج نہیں ہونے دیں گے اور گمراہی میں داخل نہ کریں گے "

اس حدیث کو عسقلانی نے اپنی کتاب "اصابہ" میں "زید بن مطرف" کے حالات کے سلسلہ میں مختصراً نقل کیا ہے "ہیثمی" نے صواعق کے ص۱۷۴ مقصد رابع آخر میں یہ طویل حدیث نقل کی ہے

قال رسول اللهؐ " لوگو! فضیلت و شرافت اور عظمت و منزلت رسولؐ اور انکی

ذریت کے لئے ہے تمھیں باطل گمراہ نہ کرے "۔

ابن حجر اپنی صواعق کے ص۱۴۸ کے آخر میں آیت " وقفوھم انھم مسئولون " کے بعد لکھتے ہیں :

" میری امت میں ہمیشہ میرے اہل بیتؑ میں یکے بعد دیگرے عادل امام ہوتے رہیں گے کہ جو اس دین سے گمراہ لوگوں کی تحریف اور فاسد عقیدہ رکھنے والوں کی غلط انتسابوں اور جاہلوں کی تاویلوں سے اس دین کو محفوظ رکھیں گے، آگاہ ہو جاؤ تمھارے ائمہ ہی تمھیں خدا کی طرف لے جائیں گے پس اچھی طرح دیکھ لو، کس کو اپنا امام بنا رہے ہو"

حدیثیں ایسی حدیثوں کی طرف شیعہ ہی رجوع کرتے ہیں کیونکہ ان کے مسلک پر رسولؐ کا یہ قول " لا تذھبن بکم الا باطیل " واضح طور پر دلالت کر رہا ہے اسی طرح " ولیقتدوا باھل بیتی " بھی ۔ اور اقتدا کرنے کی علت بھی بیان فرمائی ہے کہ انھیں میرا علم و فہم دیا گیا ہو ۔ رسولؐ کے بعد وہ اعلم الناس ہیں آیا ان کے لئے اہل بیتؑ کے علاوہ دوسروں کی طرف رجوع کرنا جائز ہے جبکہ انہوں نے رسولؐ کا یہ قول " ستارے آسمان والوں کے لئے باعث امان ہیں اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے باعث امان ہیں جب میرے اہل بیتؑ نہیں رہیں گے زمین والے بھی نہ رہیں گے ۔

جیسا کہ ابن حجر نے اپنی صواعق کے ص۱۵۰ پر اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہونے والی چھٹی آیت کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ :

" جب امن و امان کا سبب اہل بیت ہیں، اور نجات بھی انھیں کی کشتی پر سوار ہونے میں منحصر ہے تو پھر ان کے شیعوں کے لئے کیسے جائز ہے کہ وہ اہل بیت کو چھوڑ کر غیروں سے

تمسک کریں "

دوسری فصل

مذہب شیعہ کے اصول

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر قائم ہے :

۱۔ توحید، ۲۔ نبوت، ۳۔ معاد ۔

اقرار شہادتین یعنی کلمہ " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کو اسلام کہتے ہیں۔ جو شخص یہ کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ مسلمان ہے اور اس پر مسلمان کا حکم جاری ہوگا۔ شیعوں کا مذہب دو اور اضافی اصولوں پر استوار ہے (۱) عدل (۲) ائمہ اہل بیت نبی کی امامت' یہ دو اصول مذہب ہیں وہ تین اصول دین ہیں، جیسا کہ خداوند عالم سورہ حجرات میں بعض اعراب کی حکایت بیان فرماتا ہے :

" اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، تو آپ کہد یجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں ابھی ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے "

• • •

علیؑ کلِ ایمان ہیں

حضرت علیؑ کے بارے میں نبیؐ نے اپنے قول سے ایمان کی وضاحت فرمائی ہے اور انہیںؑ کل ایمان سے متصف کیا ہے اور آپؐ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب حضرت علیؑ روز خندق عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لئے نکلے تو رسولؐ نے فرمایا:

"برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ"

"کلِ ایمان کل شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے"

پس نبیؐ کی تعریف کے لحاظ سے علیؑ کل ایمان ہیں، اور آپ ہی کے فرمانے کے مطابق عمرو بن عبدود کل شرک ہے۔ سورہ مائدہ آیت ۵ میں قرآن کہتا ہے:

اور جو ایمان سے انکار کریگا یقیناً اس کے اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا،

یہ آیت قول نبیؐ کے لئے قرینہ ہے اور آپ کے قول کے یہ معنی ہوں گے کہ جو ولایت و امامت علیؑ کا انکار کریگا اس کا ایمان جاتا رہے گا، اور اس کے اعمال برباد ہو جائیں گے فضل بن روزبہان اپنی کتاب "ابطال نہج الباطل و اہمال کشف العاطل" میں لکھتا ہے کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے وہ، علامہ حلی کی کتاب نہج حق، اور کشف صدق" کہ جس میں انہوں نے بحث امامت کے سلسلہ میں گیارہویں حدیث نقل کی ہے کہ اسکو جمہور نے بھی نقل کیا ہے کہ یہ قول نبی ہے آپؐ نے جنگ خندق میں اس وقت فرمایا تھا جب علیؑ میدان جنگ میں عمر بن عبدود کے مقابلہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے،

اور مسلمانوں میں اس کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی، یہ حدیث صحیح ہے اور آپ (علی) کے فضائل و مناقب میں سے ایک ہے کہ اس کا وہ شخص انکار کرے گا جو ضعیف الایمان ہوگا "محمد کرد" نے اپنی کتاب "خطط شام" میں تحریر کیا ہے کہ اس حدیث کی صحت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تقویٰ ایمان سے افضل ہے، جیسا کہ خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

"یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ"

"ایمان لانے والو! ایسے تقوے اختیار کرو جو تقوے کا حق ہے"

پس تقوئے خدا کے واجب کردہ احکام پر عمل اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کا نام ہے لیکن بعض، بغض و حسد رکھنے والے شیعوں کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں کہ وہ اپنے، ائمہ کو صفات خدا سے متصف کرتے ہیں جیسے رزق و عبادت، یہ کہ وہی موت دیتے ہیں اور وہی حیات کے مالک ہیں اور بہت سی ایسی چیزوں کی نسبت جو غیر خدا کے لئے مطلقاً جائز ہے، تو شیعوں کے عقائد میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ غلو کرنے والوں کے عقائد ہیں۔ جنکو ائمہ کافر کہہ چکے ہیں۔ اور ان سے برات کا اظہار کر چکے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح وہ "نواصب و خوارج" کو کافر کہہ چکے ہیں کہ جو اہل بیت نبی سے کھلم کھلا بغض رکھتے ہیں۔

اور یہ جو اہل سنت کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کا بنیاد گذار عبداللہ بن سبا ہے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ دو طریقوں سے باطل ہے:

(۱) اہلسنت جسکو عبداللہ بن سبا کہتے ہیں اس کا کوئی وجود نہیں ہے جیسا کہ استاد "سید عسکری" نے اپنی کتاب عبداللہ ابن سبا میں ثابت کیا ہے اور اس کو ایک خیالی شخصیت ثابت کیا ہے کہ جس کا وجود صرف شیعوں پر طعن کرنے والوں اور ان کی فضیلت کو گھٹانے والوں کے ذہن میں ہے

(۴) گذشتہ اور موجودہ شیعہ اس سے برائت کا اظہار کرتے ہیں اگر اس کا وجود ہوتا، جیسا کہ ، شیعوں پر تہمت و افترا باندھنے والے خود اس سے برائت کا اظہار کرتے ہیں تو ایک غیر معقول بات ہے کہ وہ اپنے مذہب کے موسس سے اظہار برائت کریں ! کیا آپ نے دیکھا ہے کہ اہل سنت اپنے مذہب کے موسس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ؟ جیسے امام ابو حنیفہ ، شافعی ، مالک ، اور احمد بن حنبل ہیں تو پھر مذہب شیعہ کی طرف یہ نسبت کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس سے برائت کا اظہار کرتے ہیں، اس پر لعنت کرتے ہیں اور خداوند عالم کے اس قول کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں :

"انّ الّذینَ اٰمنوا و عملوا الصّالحاتِ اولٰئِکَ ھُمْ خیرُ البریّہ"

جس ذات نے مذہب شیعہ کی بنیاد رکھی ہے، اور جن لوگوں پر اس اسم کا اطلاق کیا ہے وہ ذات رسول ہے نہ کہ، کوئی اور ۔

• • •

تیسری فصل

توحید اور اس کے معنی

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ خدا موجود ہے، ایک ہے، اکیلا ہے، بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر و مثل ہے اس پر شیعوں کی دلیل کائنات و موجودات کا وجود ہے ہم اپنی آنکھوں سے موجودات کی بہترین ترکیب اس کی عظیم بناوٹ اس کے چاند سورج کی مضبوطی اور سیارات کا انتظام کے تحت گردش کرنا، اور اس میں انسان سے لیکر ذرات تک کے حالات کا بدلتے رہنا۔ آواز دے رہا ہے اور فطرت و طبیعت انسان پکار کر کہہ رہی ہے کہ ان سب کا کون پیدا کرنے والا ہے؟ ان سب کا کون موجد ہے؟ جس نے انہیں ایجاد کیا ہے اور یہ سب بغیر کسی منتظم و مدبر کے اپنی اصلی حالت پر برقرار نہیں رہ سکتے ان کے پیچھے کسی مدبر کا حکم کارفرما ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ یہ چیزیں خود بخود اور اتفاقی طور پر وجود میں آگئی ہوں۔ اور خود بخود کسی چیز کا وجود میں آنا محال ہے ــ اور بغیر کسی سبب کے کسی چیز کا ایجاد ہونا بھی محال ہے پس یہ کسی دوسرے کی محتاج ہیں۔ اگر لوٹ پھر کے بات خود اس پر موقوف ہوتی ہے تو یہ دور ہے اور دور باطل ہے یا ان کے وجودات کا سلسلہ غیر متناہی ہے یعنی تسلسل ہے اور دور و تسلسل عقلی طور پر دونوں محال ہیں بالکل ایسے ہی جیسے یہ محال ہے کہ کائنات نے خود اپنے کو ایجاد کیا ہے اور بغیر کسی ترجیح دینے والے کے اس وجود کو ترجیح ہو گئی، ان سب چیزوں کے باطل ہونے سے ثابت ہوا کہ جس نے کائنات کو وجود بخشا ہے فقط خدا ہے۔

وہ کائنات کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور اس کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اس کے حکم عقلی ہونے پر قرآن تاکید کر رہا ہے :

"بے شک زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور رات' دن کی آمد و رفت میں عقل والوں کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں[۱] "

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ یہ موجودات کہ جو محکم نظام کے تحت اپنے محور پر گردش کر رہی ہیں ان کا خالق کمال مطلق ہے، اور کمال مطلق صرف ایک ذات کے شایان شان ہوتا ہے، پس خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ غیر کی شرکت سے اس کا ناقص ہونا لازم آتا ہے۔ جیسا کہ قرآن اس حکم عقلی کی تائید کرتا ہے

"لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا"[۲]

"اگر زمین و آسمان میں خدا کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے"

اور اگر اس کے لئے شریک کا وجود جائز ہوتا تو ان میں سے ایک رات کو پیدا کرتا اور دوسرا دن کو، یا ایک گرمی پیدا کرتا تو دوسرا سردی، اور اس طرح نظام عالم مختل و برباد ہو جاتا دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ایک زید کو وجود میں لانا چاہے اور دوسرا زید کے عدم کو ترجیح دے، مثلاً۔ پس اگر دونوں کا مقصد پورا ہو جائے تو اس سے محال لازم آتا ہے کیونکہ ایک ہی شئی ایک وقت موجود و معدوم نہیں ہو سکتی ہے اور اگر دونوں میں سے کسی کا بھی مقصد پورا نہ ہو تو خلو لازم آتا ہے یعنی ایک چیز نہ موجود رہے نہ معدوم اور یہ محال ہے اور دوسری

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۰

جہت سے دونوں کا عاجز ہونا بھی لازم آتا ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا اور اگر صرف ایک کا مقصد پورا ہوتا ہے تو دوسرا عاجز قرار پائے گا اور وہ خدا نہیں ہو سکے گا، کیونکہ عجز خدا کے لئے محال ہے،

خدا کے صفات

شیعوں کے نزدیک خدا کے صفات کی دو قسمیں ہیں :

۱ ۔ صفات ثبوتیہ، یعنی جن چیزوں کا خدا میں پایا جانا ضروری ہے اور ان کا فقدان ممکن نہیں ہے اور یہ آٹھ ہیں :

(۱) "عالم" (۲) "قادر" (۳) "حی" (۴) "مرید" (۵) "مدرک"

(۶) "قدیم" (۷) "متکلم" (۸) "صادق"

۲ ۔ صفات سلبیہ یعنی جو چیزیں خدا میں نہیں پائی جاتی ہیں وہ سات ہیں :

(۱) مرکب نہیں (۲) جسم نہیں (۳) مرئی نہیں

(۴) اس کا کوئی مکان نہیں بلکہ وہ ہر جگہ موجود ہے یعنی خدا ہر چیز کو جانتا ہے اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے ۔

(۵) اس کی ذات و صفات افعال اور طاعت و عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے

(۶) محتاج نہیں (۷) اس کے صفات زائد بر ذات نہیں ہیں جیسا کہ مخلوق کے صفات ہیں، پس صفات ثبوتیہ کو سلبی صورت میں اس طرح بیان کرتے ہیں ،

"قادر" ہے یعنی وہ عاجز نہیں ہے ــــ "عالم" ہے یعنی جاہل نہیں ہے اسی طرح دوسرے صفات۔

پس خدا نہ مرکب ہے اور جسم رکھتا ہے کیونکہ مرکب اپنے وجود میں اجزا کا محتاج ہوتا ہے اور ہر محتاج ممکن ہوتا ہے اور مرکب کسی ترکیب دینے والے و بنانے والے فاعل کا محتاج ہے پس یہ مرکب اس کا مفعول ہے اور وہ فاعل خدا ہے کیونکہ خدا فاعل و خالق ہے پس وہ مفعول و مخلوق اور جسم نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کسی چیز میں سمانا ممکن ہے ورنہ وہ مکان و چیز کا محتاج ہوگا، حالانکہ وہ مکان و چیز کا خالق ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی محل ہے کیونکہ وہ واجب الوجود بذاتہ ہے اس کے لئے محل کا ہونا محال ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ دنیا و آخرت میں اسے آنکھیں دیکھ سکیں۔

اس لئے کہ ہر دیکھنے والا حاسہ بصارت سے دیکھتا ہے اور دکھائی دینے والی چیز کا نظارہ جسم ہی کے ساتھ ممکن ہے یا وہ کسی جسم میں حلول کئے ہوئے ہو یا جسم کے مقابل کے حکم میں ہو، جیسے آئینہ میں چہرہ دکھائی دے، یا کسی چیز میں رنگ، خداوند عالم ان چیزوں سے پاک و منزہ ہے پس رویت خدا ممکن نہیں ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ قرآن میں ثابت کر رہا ہے:

"نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں اور وہ انکا ادراک رکھتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے [۱]"

آیت میں آنکھوں سے دیکھنے کی نفی کی گئی ہے، خدا نے اپنی رویت کی ابدی نفی کی ہے اور آیت کے آخر میں خداوند عالم نے "ھو اللطیف الخبیر" کے ذریعہ آنکھ سے دیکھنے

---

[۱] سورۂ انعام آیت ۱۰۳

کی نفی کی ہے تاکہ لوگوں پر یہ بات آشکار ہو جائے کہ کثیف نگاہیں لطیف و خبیر کو نہیں دیکھ سکتی ہیں اور یہ جو سورہ قیامت کی ۲۲ / ۲۳ / آیت ہے :

" وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ "

" اس روز چہرے شاداب ہونگے ، اپنے رب کی نعمتوں پر نظر رکھے ہوئے ہونگے "

تو اس میں رحمت رب کا انتظار مراد ہے جیسا کہ وجوہ کی طرف نظارہ کے قرینہ سے سمجھ میں آتا ہے کیونکہ چہرے نہیں دیکھتے بلکہ آنکھیں دیکھتی ہیں اور آنکھوں کو چہرہ نہیں کہا جاسکتا ـــــ قرآن میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے خداوند عالم کا یہ قول :

" انظرونا نقتبس من نورکم [1] "

" یعنی ہمارا انتظار کرو "

اور سورہ یٰسین میں فرماتا ہے :

" ماینظرون صیحۃ واحدۃ [2] "

" یعنی یہ انتظار میں ہیں "

اور سورہ نمل میں خداوند عالم فرماتا ہے :

" فانظروا ماذا یرجعون "

" یعنی انتظار کرو " ـــــ اور اسی سورہ میں فرماتا ہے :

---

[1] سورۂ حدید آیت ۱۳

[2] سورۂ یٰسین آیت ۴۹

" فناظرۃ بم یرجع المرسلون "

" یعنی وہ منتظر تھی "

اور سورۂ حجر میں فرماتا ہے :

" فانظرنی الی یوم یبعثون قال فانک من المنتظرین "

" یعنی تم انتظار کرنے والوں میں ہو جاؤ "

نظر مطلق رویت کا نام نہیں ہے جیسا کہ دلیل سے ثابت ہو چکا ہے ــــ رویت ہلال کا مسئلہ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ میں نے نظر تو کی لیکن دکھائی نہیں پڑا ، دکھائی نہ پڑنے کے باوجود رویت ثابت ہے آپ خدا کے بارے میں " رای " کہہ سکتے ہیں لیکن خدا کے بارے میں " نَظَر " نہیں کہا جا سکتا ہے ۔

لغتِ عرب میں " نَظَر " غور و فکر کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں : " اَنظرنی امر " میں اس سلسلہ میں غور و فکر کروں گا " شیعہ معتقد ہیں کہ خدا کا کوئی مثیل و شبیہ نہیں ہے اس سے پہلے کسی کا وجود نہیں ہے کہ یہ اس کی مخلوق قرار پائے ، اس کے وجود کی انتہا نہیں ہے کہ جس سے عدم لازم آئے اور حادث ہونا سمجھ میں آئے بلکہ وہ ازلی و ابدی ہے ، اس کے وجود کے لئے اوّل و آخر نہیں ہے وہ اپنے نفس میں کسی کا محتاج نہیں ہے زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے عالم ہے نہ کہ اپنے علم کے ذریعہ ، قادر ہے مگر قدرت کے ذریعہ نہیں حی ہے لیکن حیات کے توسط سے نہیں ہے حیات و موت دیتا ہے و مردہ کو حیات ، اور زندہ کو موت دیتا ہے ، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے " واجب الوجود لذاتہ " ہے عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا ہے نہ اس سے پہلے عدم تھا اور نہ ہی اس کی انتہا ہے کہ بعد میں

اس کا عدم ہو پس قدیم ازلی ہے اور اس کی بقا سرمدی ہے، سنتا ہے لیکن کان سے نہیں، دیکھتا ہے مگر آنکھ سے نہیں، بولتا ہے مگر زبان سے نہیں، بلکہ وہ کل حیات ہے قادر مطلق ہے کل علم ہے، سارا علم اسی سے ہے، پوری حیات و قدرت اسی کے پاس ہے وہ عرش پر اس طرح نہیں بیٹھا ہے جس طرح لوگ زمین پر بیٹھتے ہیں وہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اشیاء کو پیدا کیا لیکن کسی شئی کے ذریعہ نہیں کہ جو اس سے پہلے سے ہوتی، اسکو بغیر غور و فکر کے ایجاد کیا، اور اپنی مشیت کے مطابق اسے چلایا، اور اپنے ارادہ سے وجود بخشا، پس شیعوں کے نزدیک خدا ایک ہے (اور اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے) وہ اپنے افعال میں بھی یکتا ہے۔ (اللہ ہی وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر رزق عطا کیا، پھر تمھیں موت سے ہمکنار کیا، اور پھر زندہ کرے گا)

طاعت و عبادت میں بھی وہ اکیلا ہے پس وہی معبود حقیقی ہے نہ کہ کوئی اور (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) پس جس شخص نے غیر خدا، یا اس کے ساتھ کسی اور شئی کی عبادت کی تاکہ اس کی قربت حاصل ہو جائے تو وہ مذہب شیعہ کے نزدیک کافر ہے —

عبادت صرف خدا کے لئے سزاوار ہے اور طاعت بھی اسی کے لئے جائز ہے، مدد بھی اولاً بالذات اسی سے طلب کی جا سکتی ہے ____ لیکن انبیاء، اور ائمہ کی اطاعت کہ جو خدا کی طرف سے مبلغ ہیں، تو درحقیقت یہ خدا ہی کی اطاعت ہے جیسا قرآن میں ارشاد ہے:

"اے ایمان دارو، خدا کی اطاعت کرو، اور رسولؐ کی اور جو تم میں سے صاحبان حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو" ____ (سورۂ نساء آیت ۵۹)

خدا کی عبادت کی طرح ان کی عبادت نہیں ہے ، نماز و روزہ اور دوسرے عبادات غیر خدا کے لئے کفر و ارتداد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا باعث ہیں ،

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ خدائے متعال صفات میں بھی یکتا ہے، وہ قادر ہے اس حیثیت سے کہ وہ عالم و سمیع ہے مختصر یہ کہ اس کی صفات عین ذات ہیں وہ ایک حقیقت ہے متعدد نہیں ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا ہے، نہ ہی اس کا کوئی مخالف ہے اور نہ مغائر، کیونکہ اگر کوئی ، مغائر ہوگا تو دور یا تسلسل لازم آئے گا ، اور اس کے لازمہ کی توضیح یہ ہے کہ اگر وہ غیر کے علم سے عالم، اور غیر کی حیات سے حی اور غیر کی قدرت سے قادر، اور اسی طرح دوسرے صفات میں بھی فرض کر لیجیے ،

پس اگر وہ غیر بنفسہ عالم ہے تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہے اور وہی اصل خدا ہے، اور اگر وہ کسی دوسرے کا محتاج ہے تو ہم اس دوسرے کو دیکھیں گے اگر اس کا علم اور دوسرے صفات اسی پر موقوف ہیں ، کیونکہ "توقف الشئ علیٰ نفسہ" محال ہے، اور اگر وہ کسی تیسرے کا محتاج ہے تو اس سے تسلسل لازم آتا ہے اور دور و تسلسل دونوں عقلی طور پر باطل ہیں ، اس لئے کہ دور و تسلسل کے معنی موجود کے وجود کا بطلان ہے اور اس کے ، وجود کا بطلان غیر محسوس و ملموس اور آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا ہے ۔ یا یہ وجود قابل و فاعل اور محل حوادث ہوگا اور یہ باطل ہے ، اور اگر یہ صفات نہ اس میں ہوں اور نہ غیر میں جیسا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے تو اس سے خلو لازم آتا ہے اور خلو محال ہے کیونکہ جب کسی چیز کی نسبت دوسرے کی طرف دی جاتی ہے، تو یا تو وہ چیز خود اس کی ذاتی ہے یا دوسرے کی عطا کی ہوئی ہے، اور ان دونوں کے علاوہ خلو لازم آتا ہے کہ نہ وہ اسکی عین ذات ہو نہ غیر ذات ان دونوں

صورتوں کے علاوہ اس کا سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

افعال اور صفات ذاتی میں فرق

شیعوں کا مسلک ہے کہ خدا کے صفاتِ ذاتی، اور صفاتِ افعال، اور وہ صفات جن کی نسبت مجازی طور پر اس کی طرف دی جاتی ہے ان میں فرق ہے

صفاتِ ذاتی: جو اس سے مخصوص تو نہیں ہیں لیکن اس سے ان صفات کو سلب نہیں کیا جا سکتا ہے۔

صفاتِ افعالی: جو اس سے مخصوص ہیں لیکن بعض حالات میں ان کا سلب ہونا ممکن ہے نہ کہ کل حالات میں،

صفات ذاتی میں علم و قدرت اور حیات وغیرہ ہیں، پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا عالم ہے اور عالم نہیں ہے قادر ہے، اور قادر نہیں ہے، حی ہے اور حی نہیں ہے،

صفات افعال، خالق، رازق، محیی و ممیت وغیرہ پس ان صفات کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے «انّ اللہ یمیت زیداً و لا یمیت بکراً وغیرہ» خدا نے زید کو موت دی بکر کو نہیں، خالد کو پیدا کیا عمرو کو نہیں، ـــــ صفات مجازی یعنی جن صفات کا خدا کی ذات پر مجازاً اطلاق ہوتا ہے اور ان کے حقیقی معنی مراد نہیں لیئے جاتے ہیں جیسے غضب و رضا، حب و

بغض، کراہت، ارادہ، بصیر اور سمیع وغیرہ ان صفات سے ہم معنائے مجازی مراد لیتے ہیں صفات سے ہماری مراد معنی غیر حقیقی ہوتی ہے، یہ صفات قرآن مجید میں مجازاً بیان ہوئے ہیں لیکن کیونکہ "غضب" کے معنی طبیعت کے تند ہونے کے ہیں، اور "رضا" کسی چیز کی طرف میلان اور اس کے پاس سکون حاصل کرنے کو کہتے ہیں ، اسی طرح محبت وبغض اور کراہت کے حقیقی معنیٰ صرف ان مخلوقات میں پائے جاتے ہیں، جو جاندار ہیں ، اور خدا اعضاء و جوارح سے منزہ و مبرہ ہے اس کو ان صفات سے مجازی طور پر متصف کیا جاتا ہے پس اس کے غیظ سے اس کا عقاب، اس کی رضا و خوشنودی سے ثواب و جزا، اسی طرح جب ہم اس کے ارادہ، کراہت کا تعقل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ یعنی "امر" کراہت یعنی "نہی" مراد ہے

اسی طرح اس کا ادراک و رویت، سمیع و بصیر اس کا علم، اور مدرک اور سننے جاننے ، والی، دیکھے جانے والی چیزوں کا عالم ہونا ـــــ جب تمہیں کسی چیز کا کہیں یہ معلوم ہو جائے کہ خدا چاہتا ہے کہ اس کو بجالائیں یعنی اس فعل میں خدا کی رضا ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا قادر و مختار ہے مجبور نہیں ہے کیونکہ وہ چاہے کائنات کا کوئی فعل انجام دے یا ترک کرے خدا کے ماسوا ہر چیز کائنات میں شامل ہے اور قادر اسی کو کہتے ہیں کہ جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرے اور اگر مختار تسلیم نہ کریں تو اس میں یہ نقص ہوگا ، اور وہ ہر نقص سے بری ہے اور ہر مقدور پر قادر ہے ۔

• ⊙ •

چوتھی فصل

عدل

عدل خدا کے بارے میں شیعوں کا بھی وہی عقیدہ ہے جو تمام عقلاء کا ہے کہ وہ ظلم، قبیح اور جھوٹ تکلیف مالا یطاق دینے سے پاک و پاکیزہ ہے

وہ جو کرتا ہے اس کا فائدہ اور نفع بندوں کی طرف لوٹتا ہے، وہ ہر قبیح فعل سے بری اور ہر قبیح فعل کا جاننے والا ہے۔ اس نے قبیح باتوں سے ڈرایا ہے اور ظلم و اہل ظلم کی مذمت کی ہے اور اس نے اپنے نفس کے بری ہونے کا اکثر آیات قرآن میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ سورۂ نحل میں فرماتا ہے:

" و ینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی "[1]

" اور بدکاری، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم سے منع کرتا ہے "

اور سورۂ کہف میں فرماتا ہے:

" بئس للظالمین بدلاً "[2]

" ظالموں کے لئے بدترین بدلہ ہے "

اور سورۂ یونس میں ارشاد ہے:

---

[1] سورۂ نحل آیت ۹۰ [2] سورۂ کہف آیت ۵

"بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا کرتے ہیں" [1]

خدا بندوں میں سے کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتا ہے بلکہ ہر ایک کی ہدایت کرتا ہے اور وہ (شیعہ) کہتے ہیں کہ اگر خدا کے لئے فعل قبیح جائز ہوتا تو پھر اس کے لئے یہ بھی جائز ہوتا کہ وہ نبوت کے جھوٹے دعویدار کے ہاتھ معجزہ دیکھا دیتا۔ اور اس وقت انبیاء کی نبوت کا اثبات ناممکن ہو جاتا۔ اسی طرح مطیع و فرمانبردار کو عذاب میں مبتلا کر دے اور عاصی کو ثواب عطا کرے اور جب ایسا ہو گا تو پھر امید ثواب اور خوف عقاب ختم ہو جائے گا۔

شیعہ کہتے ہیں کہ خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ خدا فعل عبث کی انجام دہی سے بری ہونے کا قرآن مجید میں اعلان کر رہا ہے:

"ہم نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشہ کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے" [2]

سورۂ مومنون میں ارشاد ہے:

"کیا تمھارا خیال یہ تھا ہم نے تمھیں بیکار پیدا کیا ہے۔ اور تم ہماری طرف پلٹا کر نہیں لائے جاؤ گے" [3]

خداوند عالم نے کفر و معاصی اور شرک کو خلق نہیں کیا ہے اور نہ ہی انھیں پسند کرتا ہے نہ ہی ان کا

---

[1] سورۂ یونس آیت ۴۴

[2] ″ دخان ″ ۱۱۵

[3] ″ کھف ″ ۵۰

حکم دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں فرماتا ہے :

"بے شک اللہ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے [1] "

سورۂ زمر میں فرماتا ہے :

"اگر تم کافر بھی ہو جاؤ گے تو خدا تم سے بے نیاز ہے ، اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا ہے ، اگر تم اس کا شکریہ ادا کرو گے وہ اس سے راضی ہو گا [2] "

خدا نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے ، مجبور نہیں کیا ہے حالانکہ خدا ایسا کر سکتا تھا ، اور اس نے یہ اس لئے کیا تاکہ تفویض باطل لازم نہ آئے ۔ اور انسان کو خیر و شر دونوں میں مختار بنا کر خیر کا حکم دیا ہے اور شر سے روکا ہے پس اگر وہ شر کو اختیار کرتا ہے تو اپنے اختیار سے اور اطاعت گذار بنتا ہے تو وہ خدا کی ہدایت سے ، چنانچہ ارشاد ہے :

" انا هدیناه السبیل اما شاکراً و اما کفوراً " [3]

"یقیناً ہم نے انسان کو راستہ کی ہدایت دیدی ہے چاہے وہ شکر گذار ہو جائے یا کفران نعمت کرنے والا بن جائے "

اور سورۂ بلد آیت ۱۰ میں فرماتا ہے :

"وهدیناه النجدین"

" ہم نے اس کو خیر و شر کی راہیں بتا دی ہیں "

---

[1] سورۂ نحل آیت ۹۰ [2] سورۂ زمر آیت ۷

[3] " انسان آیت ۳

سورہ "الشمس" میں ارشاد ہے :

"پھر بدی اور تقویٰ کی ہدایت دی ہے بیشک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا، اور جس نے اسے آلودہ کرلیا وہ بے مراد رہا" لہ

یعنی ہم نے اس کی فلاح اور گھاٹے والی چیزیں بیان کردی ہیں ، فلاح والی چیزوں کا حکم دیا، اور خسارہ و گھاٹے والی چیزوں سے منع کیا ہے، پس نفس کے تزکیہ میں فلاح اور اس کی آلودگی میں خسارہ ہے اور یہ سب انسان کے اختیار کی باتیں ہیں ، جیسا کہ کتاب خدا میں صراحت کیساتھ بیان ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے :

"کہدو کہ حق تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے ، ہم نے یقیناً کافروں کے لئے ایک آگ کا انتظام کردیا ہے" ؎۲

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کی ہر مخلوق بہترین ہے اس کی صنعت متقن و مضبوط ہے چنانچہ ارشاد ہے :

"الّذی احسن کلّ شیٔ خلقہ ؎۳"

"اس نے ہر چیز کو حسن کے ساتھ بنایا ہے "

لہ سورۂ الشمس آیت از ۷ تا ۱۰

؎۲ " کھف " ۲۹

؎۳ " سجدہ " ۷

سورہ نمل میں فرماتا ہے :

"اس خدا کی صنعت ہے کہ جس نے ہر چیز کو محکم بنایا" (سورہ نمل آیت ۸۸)

کفر و شرک اور ہلاکت خیز چیزیں نہ حسن رکھتی ہیں نہ وہ بہترین ہیں نہ محکم و مضبوط ہیں اور نہ ہی ان کا تعلق خدا کی خلقت سے ہے اور نہ ہی اس کی صنعت سے اگر ان میں سے کوئی چیز اس کی خلقت و صنعت میں سے ہوتی تو وہ یقیناً قبیح ہوتی . اور قبیح فعل کی نسبت خدا کی طرف نہیں دی جا سکتی ہے، حالانکہ وہ چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے، شرابی کو کوڑے لگانے اور زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیتا ہے، ایسی ہی عقوبتیں ہیں جو اسلام نے گناہگاروں کے لئے مقرر کی ہیں ، ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ شرور و عصیان کا تعلق انسان کے عمل و فعل سے ہے ، اور خدا کی خلقت و صنعت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے، ان میں سے اگر کسی چیز کا تعلق اللہ کی صنعت سے ہوتا تو اچھے فعل پر ثواب و مدح ، اور برے فعل پر عقاب و مذمت باطل ہوتی اور بعثت انبیاء بھی لغو قرار پاتی اور امر و نہی کا کوئی فائدہ نہ ہوتا، جنت و جہنم کی تخلیق عبث ہو جاتی اس لئے شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ہم اپنے افعال کے خود ذمہ دار ہیں اگر ہمارے افعال صالح اور اچھے ہیں تو ان کا فائدہ بھی ہم ہی کو پہونچے گا ، اور اگر افعال برے ہیں تو ان کا خمیازہ ہم ہی کو بھگتنا پڑے گا ، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا، اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا" [۱]

---

[۱] سورۂ زلزلہ آیت ۷ — ۸

اللہ کا کلام قدیم نہیں ہے

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ کلام خدا مخلوق وحادث ہے قدیم نہیں ہے، کیونکہ کلام، حروف اور سنی جانے والی اصوات (آواز) سے مرکب ہے اور اصوات، حادث ومخلوق ہیں قدیم نہیں، اور اس پر ان کی دلیل قرآن مجید ہے، جیساکہ سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے:

"جب ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نیا حکم آتا ہے تو اسے بس کان لگا کر سن لیتے ہیں" (سورۂ انبیاء آیت ۲)

آیت میں "لفظ ذکر" آیا ہے جس سے قرآن مجید مراد ہے

اور اسی سورہ انبیاء میں فرماتا ہے:

"ھٰذا ذکرٌ مبارکٌ انزلناہ [1]"

"یہ مبارک قرآن وہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے"

سورہ حجرات میں ارشاد ہے:

"انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون [2]"

"یقیناً قرآن ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں"

---

[1] سورۂ انبیاء آیت ۵۰،

[2] 〃 حجرات 〃 ۹،

اور منزل ومحفوظ چیز حادث ہوتی ہے، کیونکہ قدیم نزول سے متصف نہیں ہوتی ہے، اور نہ ہی اسے حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے سورۂ زمر میں ارشاد ہے:

"تنزیل الکتاب من اللّٰہ" (سورہ زمر آیت ۱)

"کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے"

سورہ انعام میں ارشاد ہے:

"قادر علیٰ ان ینزل" (سورۂ انعام آیت ۳۷)

"وہ نازل کرنے پر قادر ہے"

سورۂ اسراء میں فرماتا ہے:

"ونزلناہ تنزیلاً" (سورہ اسراء آیت ۱۰۶)

"اور ہم نے اس کو تدریجاً نازل کیا ہے"

اور منزل قدیم نہیں ہوتا ہے تنزیل کے معنیٰ ہیں کہ ایک چیز کو دوسری کے بعد نازل کرنا اور یہ بات بھی حادث ہی سے مختص ہے نہ کہ قدیم سے، جیساکہ سورۂ قیامت میں فرماتا ہے:

"یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسے جمع کریں اور پڑھوائیں [1]"

اور سورۂ طور میں فرماتا ہے:

"کتاب مسطور"

جمع اور مسطور کے معنیٰ کسی چیز کو دوسری چیز سے ضم کرنا ہے اور یہ بھی حادث ہی کی

---

[1] قیامۃ آیت نمبر ۱۷

صفت ہے ـــــ اور سورۂ زخرف میں فرماتا ہے :

" اناجعلناه قرآناً "

اور ہم نے اسے قرآن قرار دیا ہے

اور سورۂ شوریٰ میں فرماتا ہے

ولکنّ جعلناه نوراً نهدی به من نشاء

"لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا ہے، جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں "

اور مجہول و مفعول بھی حادث ہی کی صفت ہے ۔ خداوند عالم سورۂ یوسف میں فرماتا ہے :

" قرآناً عربیّاً "

اور سورۂ شعراء میں ارشاد فرماتا ہے :

" بلسان عربیٍ مبین "

ہم نے اسے واضح عربی میں (نازل کیا)

اور عربی جناب اسمٰعیلؑ کے زمانے سے ہے لهذا حادث ہے، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا عربی ہے تو وہ کافر ہے اور خدا کے علاوہ پوری کائنات حادث ہے ۔ خداوند عالم سورہ بروج میں ارشاد فرماتا ہے :

" بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ "

"یقیناً یہ بزرگ و برتر قرآن ہے جو لوح محفوظ میں محفوظ کیا گیا ہے "

پس اگر قرآن قدیم ہوتا تو اس کا وجود لوح محفوظ سے پہلے ہونا چاہیئے جب کہ لوح کا وجود قرآن سے

پہلے ہے، اور یہ قرآن کے حادث ہونے پر واضح دلیل ہے خداوند عالم سورۂ انعام میں ارشاد فرماتا ہے :

" اور آپ کے رب کا کلمہ قرآن صداقت اور عدالت کے اعتبار سے بالکل مکمل ہے "

اور صداقت وعدالت سے وہی کلمہ متصف ہوتا ہے جو حادث ہوتا ہے ،

اور سورۂ یوسف میں ارشاد ہے :

" ماکان حدیثا یفتری "

یہ آیت قرآن کے حادث ہونے پر صراحتًا دلالت کر رہی ہے کیونکہ قدیم کو حدیثًا کہنا صحیح نہیں ہے اور سورۂ ہود میں ارشاد فرماتا ہے :

" ومن قبلہ کتاب موسیٰ "

اور یہ آیت بالوضاحت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قرآن سے پہلے بھی کوئی کتاب تھی اور قدیم سے پہلے اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی ہے یہ آیات اور اسی قسم کی اور بہت سی آتیں اس بات پر صراحتًا دلالت کر رہی ہیں کہ کلام خدا حادث و مخلوق ہے قدیم ، خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے :

رزق :۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ رزق خدا عطا کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی رازق نہیں ہے ، رزق وہ چیز جس کے ذریعہ کسی جاندار کی زندگی قائم ہے اور رزق فعلِ خدا کی صفت ہے لھذا اس کو حرام وحلال سے متصف نہیں کیا جا سکتا ہے، ہاں مکلف (بندے) کا فعل حلال وحرام سے متصف ہوتا ہے لیکن خدا کا کوئی اور فعل بھی حلال یا حرام سے ،

متصف ہوتا ہے اور اسی طرح خدا کا کوئی اور فعل بھی حلال یا حرام سے متصف نہیں ہوتا ہے ،
ہاں مجازاً لوگ کہہ دیتے ہیں ، اور نہ ہی اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق میں حرمت
کا شائبہ ہے ورنہ حرام مال سے خرچ کرنا لازم آئے گا اور یہ بات بدیہی ہے کہ یہ باطل
ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

"اے ایمان لانے والو ! جو تمھیں رزق دیا گیا ہے اس میں سے راہ
خدا میں خرچ کرو !" [1]

جیسا کہ آیت کے مفہوم سے واضح ہے کہ حرام مال میں سے انفاق و خرچ کرنے والا ،
گناہگار اور ضامن ہے اور ثواب کا مستحق نہیں ہے ، اس طرح ملک پر رزق کا اطلاق ،
نہیں ہوتا ہے ، اس لئے کہ خداوند عالم مالک ہے لیکن وہ رزق نہیں پاتا ہے اور حیوان
رزق پاتے ہیں لیکن مالک نہیں ہیں ، اور بندے جو کچھ کماتے ہیں اگر وہ نواقل شرعیہ
میں سے بیع اور اجارہ وغیرہ ہے تو اس کی نسبت خدا کی طرف تکوینی لحاظ سے دی جاتی
ہے کیونکہ اس نے بندہ کے لئے یہ چیز ایجاد کی ہے اور تشریعی طور پر بھی اس کی نسبت
خدا کی طرف دی جا سکتی ہے کیونکہ اس نے اس کو مباح کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور
اگر وہ کمائی نواقل شرعیہ میں سے نہیں ہے تو اس کی نسبت خدا کی طرف دینا صحیح نہیں ہے
کیونکہ خدا نے حرام سے منع کیا ہے اور اس پر عقاب کا وعدہ کیا ہے اور جو چیز شریعت
کے حلال کردہ امور کے علاوہ انجام دی جاتی ہے جیسے "ربا" ، "قمار" اور "زنا" وغیرہ وہ

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۵۴

چیز اپنے اصل مالک کی ملکیت رہے گی، یہ لینے والے کی نہیں، اور اس پر ملک کا اطلاق نہیں ہوگا اور اس میں تصرف کرنا بھی حرام ہے۔

اجل :۔ اجل وقت کو کہتے ہیں پس حیات کا وقت وہ ہے جسمیں حیات و زندگی ہے اور موت وقتل کا وقت وہ ہے جس کی ہے موت وقتل میں فرق ہے جیساکہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے :

"افان مات او قتل ؁"

"اگر وہ مرجائیں یا قتل ہو جائیں"

اور دوسری جگہ ارشاد ہے :

"ولئن متم او قتلتم ؁"

"اگر تم اپنی موت مرو یا قتل ہو"

ان دو متغائر چیزوں کے لئے ایک لفظ کا استعمال صحیح نہیں ہے، اور علم کا اقتضار بھی یہی ہے کہ خداوند اس شخص کا قاتل نہیں ہے جو اپنی طبعی موت مر جائے اور قتل انسان و حیوان کے مقدور میں ہے جبکہ موت ان کے مقدور سے باہر ہے اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "زید" نے عمر کو موت دیدی، کیونکہ موت کا تعلق فعل خدا اور اس کی مخلوق سے ہے اور یہ بھی صفات فعلیہ میں سے ایک فعل ہے کوئی دوسرا اس صفت سے متصف نہیں ہوسکتا ہے اور اس

؁ سورہ آل عمران آیت ۱۴۴

؁ " " " ۱۵

کے علاوہ کوئی اس پہ قادر بھی نہیں ہے جیسا کہ کتاب خدا میں نص وارد ہوئی ہے، سورۂ تبارک میں ارشاد ہے :

" الذی خلق الموت والحیاۃ " [1]

" جس نے موت وحیات کو پیدا کیا ہے "

اور اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ زید نے اپنے نفس کو موت دی ہے، ہاں یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نے خود کو قتل کیا ہے کیونکہ قتل اس کے مقدور میں ہے لہذا اس کی طرف نسبت دی جا سکتی ہے، موت ان استعدادوں کی انتہا کا نام ہے جو خدا نے اس حیوان میں ودیعت کی تھیں اور ان استعدادوں کو سوائے خدا کے کوئی بھی ختم نہیں کر سکتا ہے اور اگر موت وقتل دونوں کا ایک مفہوم ہوتا تو اس کا لازمہ یہ تھا کہ دونوں ہماری قدرت میں ہوتے کیونکہ "مثلین" میں سے جب کسی ایک پر اقتدار ہوتا ہے تو دوسرا مثل بھی اقتدار سے باہر نہیں ہوتا، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسے قتل کریں اور خدا اسے موت دے، اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے، اور یہ خداوند عالم کے اس قول سے " جو شخص کسی نفس کو کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین پر فساد کی سزا کے علاوہ قتل کر ڈالے گا، تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا " [2]

سورہ نساء میں ارشاد فرماتا ہے :

---

[1] سورۂ تبارک آیت ۲

[2] " مائدہ آیت ۳۲

"جو بھی کسی مومن کو قصداً قتل کر دے گا اس کی جزا جہنم ہے اور اس کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے"
(سورۂ نساء آیت ۹۳)

بلکہ اگر موت آدمیوں کے مقدور افعال میں ہوتی تو ان میں سے کوئی بھی نہ مرتا کیونکہ ہر ایک موت سے بھاگتا ہے اور اسے اچھا نہیں سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کی تمنا کرتا ہے، اور اس کا باطل ہونا تو خدا کے قول سے واضح ہے:

"جس موت سے تم فرار کر رہے ہو وہ خود تم سے ملاقات کرنے والی ہے"[1]

سورۂ زمر میں فرماتا ہے:

"آپ کو بھی موت آنے والی ہے یا سب مرنے والے ہیں"[2]

سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

موت تم کو پالے گی چاہے تم مضبوط قلعوں ہی میں بند ہو جاؤ"[3]

کیونکہ قتل اسباب خارجی کی بنا پر وجود میں آتا ہے اور ابدان کی حیات کو ختم کرتا ہے اور موت حیات کی ضد ہے، حیات اس حی کا اثر ہے کہ جس کی استعداد و قابلیت کی کوئی انتہا نہیں ہے اس کی استعداد کو کسی جسم میں حلول تصور کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اجتماع ضدین، عقلاً محال ہے، اور قرآن مجید میں جو قتل کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے: "قاتلھم اللہ یؤفکون" تو یہاں قتل سے نفرین اور رحمت سے دوری مراد ہے نہ کہ قتل حقیقی، جیسا کہ اس کا بطلان گذر چکا ہے ــــ ہاں تشریعاً قتل کی نسبت خدا کی طرف دی جا سکتی ہے جیسا کہ مسئلہ قصاص وغیرہ میں ہے۔

---

[1] سورۂ جمعۃ آیت ۸ ● [2] زمر، آیت ۳۰ ● [3] سورۂ نساء، آیت ۷۸،

قضا و قدر

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کی قضا و قدر پر راضی رہنا واجب ہے، اس لئے کہ اس کی قضا برحق اور قدر باصواب ہے، وہ عدل ہی کرتا ہے اس کی قضا و قدر میں قباحت، رذالت، ظلم اور تعدی نہیں ہے کیونکہ اس نے یہ سب چیزیں حرام قرار دی ہیں اور ان کے مرتکب کے لئے عقاب کا وعدہ کیا ہے، اور انہیں قبیح قرار دیا ہے، پس اس کی قضا و قدر میں یہ چیزیں نہیں ہیں اس کو قرآن اس طرح ثابت کر رہا ہے:

"واللہ یقضی بالحق" (سورۂ غافر آیت ۲۰)

"اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے"

اور لغت میں قضا کے پانچ معنی بیان ہوئے ہیں (۱) اعلان و آگاہی جیسا کہ سورۂ حجر میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

"اور ہم نے اس امر کا فیصلہ کر لیا ہے کہ صبح ہوتے ہوتے اس قوم کی جڑیں یک سر کاٹ دی جائیں گی" [1]

یہاں "قضینا" کے معنی ہیں کہ ہم نے انہیں خبردار کر دیا تھا،

(۲) قضا کے معنی خلق کے ہیں جیسا کہ خداوند عالم سورۂ فصلت میں ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] سورۂ حجر آیت ۶۶

"یعنی سات آسمانوں کو پیدا کیا"

③ قضا کے معنی امر کے بھی ہیں جیساکہ سورہ اسرا میں خدا کا ارشاد ہے :

"یعنی تمھارے رب نے یہ امر کیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو !"

④ قضا کے معنی فیصلہ کے بھی ہیں جیساکہ خدا سورۂ زمر میں ارشاد فرماتا ہے :

"یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا"

⑤ کسی کام سے فارغ ہونا، جیساکہ خداوند عالم کا سورۂ یوسف میں ارشاد ہے :

"یعنی جب یہ بتا چکے جو وہ معلوم کر رہے تھے"

اور "قدر" کے تین معنی ہیں :-

① اخبار و کتاب جیساکہ سورہ حجر میں ارشاد ہے :

"یعنی یہ ہم لوح محفوظ میں لکھ چکے تھے"

② "وضع الشئ علیٰ محلہ" کسی چیز کو اس کی جگہ پر اس طرح رکھنا کہ نہ اس میں کمی ہو اور نہ زیادتی جیساکہ سورۂ حجر میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

"یعنی ان

③ چیزوں کی مقدار اور تفصیل، ان کا اختلاف، فوائد و مفاسد کون حلال، کون حرام، ہمارا عقیدہ ہے کہ جب قضا و قدر کا تعلق ذوات سے ہوتا ہے تو اس وقت ان کے معنی چیزوں کی تخلیق کے ہوتے ہیں، اور جب ان کا تعلق مکلفین کے افعال سے ہوتا ہے تو اس وقت ان کے معنی امر و نہی کے ہوتے ہیں تخلیق کے نہیں ورنہ اگر یہاں بھی وہی معنی مراد لیں گے تو جبر ہوجائیگا جو ہمارے نزدیک باطل ہے ، حدیث میں بیان ہوا ہے کہ قضا و قدر پر ایمان ،

رکھنا واجب ہے، اور اس کے خیر و شر، شیرینی و تلخی ۔ اوّل تو یہ حدیث نہیں ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حدیث صحیح ہے تو قضا و قدر ہیں جو خیر ہے طبیعت اس کی طرف مائل اور حواس اس سے لذت اندوز ہوتے ہیں، اور شر تلخ اس کی ضد ہیں، شر کو شر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو برداشت کرنے میں نفس شدت کا احساس کرتا ہے، جیسے موذی جانور کی ایذا، جبر، آگ کی حرارت وغیرہ،

یہ سب مصلحت سے خالی نہیں ہیں لیکن کفر و شرک، ظلم اور گناہوں میں کوئی مصلحت نہیں ہے اور ان سے راضی رہنا بھی جائز نہیں ہے۔

پانچویں فصل

نبوت

نبوت کے بارے میں سارے مسلمانوں کی طرح شیعوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے انبیاء کو بھیجا (تاکہ اللہ پر بندوں کی حجت نہ رہ سکے) اور ہمارے نبی حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، نبیؐ کی حدیث کے مطابق کل انبیاء کی تعداد مع خاتم النبیین کے، ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے،

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن ہمیشہ کے لئے معجزہ ہے، یہ خدا کا نازل کیا ہوا ہے، اس میں باطل کسی بھی طرف سے نہیں آسکتا ہے، اور ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ وہی ہے جو نبی پر نازل ہوا تھا نہ اس میں کسی چیز کا اضافہ ہوا ہے اور نہ کوئی کمی واقع ہوئی ہے، اور قرآن کے ان معجزات کے منکر نہیں ہیں جو کتب صحاح وغیرہ میں مرقوم ہیں، اور جنھیں انہوں نے تواتر کے ساتھ اپنی مسانید میں نقل کیا ہے،

اور انبیاء کو خطا و نسیان اور رذائل و عصیان سے بچپنے، جوانی، بعثت سے قبل بعثت کے بعد معصوم جانتے ہیں، اور انبیاء کی عصمت کے سلسلہ میں ان کی علم کلام کی کتابیں دلیلوں سے بھری پڑی ہیں، ہمارا عقیدہ ہے رسول خاتم و افضل الانبیاء ہیں، انکے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا وہ تمام نقائص و عیوب سے پاک ہیں اور انکی ازواج عفت کے منافی تمام چیزوں سے پاک اور کمال صفات سے متصف تھیں آپ اہل زمانہ سے افضل و اکمل تھے۔ ●●●

نبیؐ پڑھنے لکھنے پر قدرت رکھتے تھے

نبی پڑھنے لکھنے پر قدرت رکھتے تھے، اور اپنی شریعت کے پابند تھے کسی دوسرے کی شریعت کے نہیں

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ابتدائی دعوت تبلیغ کے وقت، اور اس سے قبل آپ پڑھتے لکھتے نہیں تھے، اور اس کی وجہ یہ تھی تاکہ باطل پرست افراد قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن پڑھنے لکھنے پر قدرت رکھتے تھے، کیونکہ پڑھنا لکھنا صفت کمال ہے اور آپ اکمل موجودات ہیں

اور ان کے اظہار نہ کرنے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ آپ میں پڑھنے لکھنے کی قدرت ہی نہیں تھی، اس لئے کسی مقدور پر عمل نہ کرنا اور بات ہے اور قدرت و طاقت کا نہ ہونا، اور بات، عدم مقدور سے قدرت کی نفی نہیں ہوتی ہے جبکہ قدرت کے نہ ہونے سے مقدور کی نفی ہو جاتی ہے کیا ایسا ہمارے ساتھ نہیں ہوتا ہے کہ ہم بہت سے کام کرنے کی صلاحیت و قدرت رکھتے ہیں لیکن ہم مصلحت کی بنا پر یا اس کام کے مفسدہ کی وجہ سے اسے انجام نہیں دیتے ہیں، اور آپؐ کو امی، "ام القریٰ" کی طرف نسبت کی وجہ سے کہتے ہیں ہماری بات کی تائید قرآن کر رہا ہے:

"اور پیغمبرؐ اس قرآن سے پہلے نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے ورنہ یہ اہل باطل شبہ میں پڑ جاتے" (سورۂ عنکبوت آیت ۴۸)

یعنی رسولؐ نے نہ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ ہی کچھ لکھا تھا ۔ ورنہ باطل پرست قرآن کے بارے میں شک و شبہ میں پڑ جاتے کہ خدا نے نازل کیا ہے یا نہیں؟ اور ہماری بات کی یہ آیت مزید وضاحت کر رہی ہے :

" وہ وہی تو ہے جس نے جاہلوں میں، ان ہیں کا ایک رسولؐ (محمدؐ) بھیجا
جو ان کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتے، اور ان کو پاک کرتے اور
ان کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں " (سورۂ جمعہ آیت ۲)

اس آیت میں کتاب سے مراد خط یعنی لکھنا، اور حکمت سے مراد قرآن ہے۔ پس آیت کی واضح دلالت اس بات پر ہے کہ آپؐ پڑھنے لکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس لئے کہ آپؐ مکہ کے بے سواد لوگوں کو پڑھنے لکھنے کی تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ رسولؐ کی وہ حدیث جو آپ نے آخری وقت میں فرمائی تھی، جو مسلمانوں کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور وہ ہماری اس بات کی صریح طور پر تائید کر رہی ہے :

" دوات و قلم لاؤ، تاکہ تمھارے واسطہ ایک نوشتہ لکھدوں کہ جس سے
تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے "

حدیث کا یہ حصہ " اکتب لکم " اس بات پر آشکارا دلالت کر رہا ہے کہ رسولؐ لکھ سکتے تھے اور اب وہ خطرہ و اندیشہ نہیں تھا جو اسلام کے نشر و اشاعت میں رکاوٹ بن سکتا تھا ـــــ آپ کی حقیقت ثابت اور دعوت کامیاب ہو گئی تھی ـــــ آپ کسی نبی کی شریعت کے پابند نہیں تھے جیسے نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ۔ کیونکہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم آب و گل کے درمیان تھے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے :

کہ آپ چالیس سال کی عمر میں مبعوث بر رسالت ہوئے چنانچہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے

اگر آپؐ نبی نہ ہوتے تو دوسرے انبیاء کے اوصیاء کا اتباع کرتے اور اس کا لازمہ یہ ہوتا کہ آپ مفضول بن جاتے جبکہ آپ سب سے افضل تر ہیں ــــــ

چھٹی فصل

امامت

شیعوں کے نزدیک امامت وہ قیادت ہے کہ جس کے ہاتھوں میں دین و دنیا کے امور کی باگ ڈور ہوتی ہے

امام :- شریعت کے تحفظ اور اس کی کمی، بیشی اور اقامت حدود کے اجرا میں نائب رسولؐ ہوتا ہے، قانون الٰہی اور شریعت کے لحاظ سے امامت کے اور بہت سے فوائد ہیں ـــــ نبی کے بعد امامت کا ہونا واجب ہے تاکہ آپؐ کے دین کے امور ضائع نہ ہو جائیں اور یہ بھی معقول نہیں ہے کہ خدا اپنے بندوں کو مختلف خطوں میں پراگندہ چھوڑ دے جبکہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ بغیر امام کے حب مال و حشمت میں پڑ جائیں گے کیونکہ ان کی طبیعتیں مختلف ہیں، خواہشیں متفرق ہیں، جو انہیں جہالت و ضلالت کی غار میں کھینچ لے جائیں گی اور وہ سرگردان و پریشانی میں گھر جائیں گے، ایک امام ہونا چاہیئے جو انہیں راہ راست بتائے، فتنوں کی سرکوبی کرے ظالم سے مظلوم کا حق دلوائے، راہِ راست کی ہدایت کرے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا نے انسان کے اعضا و جوارح میں بھی قلب کو رئیس و امیر مقرر کیا ہے جو پورے نظام بدن کو چلاتا ہے اور ہر ایک سے اس کا کام لیتا ہے ـــــ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام انسانوں کو بغیر ہادی و امام کے حیرت و ضلالت میں چھوڑ دے کہ ہوا و ہوس انہیں جدھر چاہے لے جائے، اور جہل

اندھے پن کے وسوسے ان کی قیادت کریں، حالانکہ کتاب خدا پکار کر کہہ رہی ہے:

"ان علینا للھدیٰ"

"ہدایت کی ذمہ داری ہماری ہے"

اور امام کا نصب کرنا بھی رحمت ہی ہے پس امام کا انتخاب خدا پر واجب ہے اور سورۂ انعام میں ارشاد ہے کہ

"تمھارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کیا ہے"

اور امام بھی رحمت ہے پس اس کا نصب کرنا لازم ہے اور سورۂ مائدہ میں فرماتا ہے:

"ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو! اور رسولؐ کی اطاعت کرو! اور صاحبان امر کی اطاعت کرو!"

آیت میں "اولی الامر" کی اطاعت کا قطعی حکم ہے اور "اولی الامر" میں جمع کے صیغہ کا استعمال ہوا ہے اور اسے کسی زمانہ سے مقید و مخصوص نہیں کیا ہے کہ اسی زمانہ کے صاحبان امر کی اطاعت کرنا واجب ہے، ہاں اطاعت کے وجوب سے صاحبان امر کا معصوم ہونا سمجھ میں آتا ہے کیونکہ ان کی اطاعت مانند اطاعت خدا و رسولؐ ہے اور صاحبان امر صرف معصوم ہی ہو سکتے ہیں۔

ہمارے ہمعصر استاد "محمد الخضر حسین مصری" اپنی کتاب "نقض کتاب الاسلام و اصول الحکم" میں تحریر فرماتے ہیں

"جو شخص مر جائے اور اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانے تو وہ جاہل کی موت مرتا ہے"

امام حمیدی نے تحریر کیا ہے کہ بخاری و مسلم کے روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ اور اس کی معرفت حاصل کرنا، مسائل میں اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ اور یہ اصول اسلام میں سے ہے فروع اسلام میں سے نہیں ہے کہ جن کا تعلق مکلفین کے افعال سے ہے ــــ امام سے روگردانی کرنے پر ایک خوف درپیش ہے کہ جہالت کی (یعنی کافر کی موت) مرنا ــــ اور کفر اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص اصول دین میں سے کسی اصل کا انکار کر دے۔ اور حدیث میں جو لفظ امام استعمال ہوا ہے اس سے قرآن دو وجہوں سے مراد نہیں لیا جاسکتا ہے

۱ لفظ امام سے قرآن سمجھ میں نہیں آتا ہے جب بھی امام مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے قرآن نہ لغوی طور پر سمجھ میں آتا ہے نہ عرفی لحاظ سے ،

۲ اور اگر لفظ امام سے قرآن مراد لیا جائے تو قول نبی کا لغو ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ آپؐ نے اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے لئے فرمایا ہے پس اس معرفت کو مکلف کے زمانہ سے مخصوص کرنا، اس کی تردید کرتا ہے، اور اگر لفظ امام کا اطلاق قرآن پر صحیح ہوتا جبکہ تمام زمانوں میں ایک ہی قرآن ہے وہ کسی زمانہ سے مخصوص نہیں ہے اور اس قول (رسولؐ) کی تائید قرآن اس طرح کرتا ہے :

"ہم ہر قوم کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے "

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر زمانہ کا امام الگ ہے جس کے ساتھ قیامت میں بلایا جائے گا۔ اور قرآن ہر زمانہ میں تمام لوگوں کے لئے ہے

○ ● ○

مجتہدین محافظ شریعت نہیں ہیں

فخر رازی نے تفسیر کبیر میں آیت "اطیعو اللہ و رسولہ الخ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ :

"اللہ نے جزئی اور بطور مطلق اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ ولی امر معصوم ہو، اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیت غیر معصوم ولی امر کی اطاعت منع کرتی ہے پس غیر معصیت میں ان کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ:

(۱) خدا نے ولی امر کی اطاعت کو اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت سے ملایا ہے اور ایسا شخص معصوم ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ آیت کے جملوں میں عطف کا تقاضا بھی یہی ہے اور ان کے درمیان تفکیک صحیح نہیں ہے۔

(۲) اولی الامر کے افعال اور ان کا بعض چیزوں کو ترک کرنا حلال و حرام کا معیار ہے پس کسی چیز کے حلال و حرام ہونے کا علم اولی الامر کے افعال پر موقوف ہے اور حلال و حرام کا علم اگر اولی الامر کے فعل پر موقوف ہو گا تو اس سے دور لازم آئے گا جس کا باطل ہونا واضح ہے :

(۳) آیت مطلق ہے اس کو عصمت سے مخصوص کرنا صحیح نہیں کیونکہ تخصیص بلا مخصص ہے،

یہ تو آپ اپنی بات کو پانی دینے کی بنا پر سب کا انکار کر رہے ہیں لیکن یہ کہنا کہ شریعت کو ضائع ہونے سے مجتہدین بچاتے ہیں، امام کی عصمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اجتہاد تو خود اپنے صاحب (مجتہد) کو بھی خطا سے نہیں بچا سکتا ہے تو وہ شریعت کو ضائع ہونے سے کیسے بچا سکتا ہے اور آپ چند کی بنا پر سارے افراد کو معصوم قرار نہیں دے سکتے ہیں

(۱) آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر بعض افراد ہیں، نہ کہ ساری امت۔

(۲) اگر ساری امت کو مراد لیں گے تو سارے افراد کا اولی الامر ہونا لازم آئے گا اور اس کا باطل ہونا واضح ہے

(۳) آیت صریح طور پر اولی الامر کی عصمت پر دلالت کر رہی ہے۔ امت کے تمام افراد معصوم نہیں ہیں اور غیر معصوم سے خطا سرزد ہو سکتی ہے، پوری امت سے خطا سرزد ہو سکتی ہے اور جس طرح ایک ایک لقمہ سے شکم سیر نہیں ہو سکتا ہے مجموعی طور پر اس سے شکم سیر ہو سکتا ہے، اور اسی طرح ایک آدمی دشمنوں سے جنگ نہیں کر سکتا ہے لیکن اجتماعی صورت میں دشمنوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے یہ تمام مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ کثرت، علم وقوت پر اثر انداز ہوتی ہے اور جس طرح انسان ایک تیر اور ایک لاٹھی کو آسانی سے توڑ دیتا ہے اتنی آسانی سے دونوں کو ملا کر نہیں توڑ سکتا ہے، اسی طرح راویوں کا کسی روایت پر اجماع بھی اس روایت سے جھوٹ کا امکان ختم کر دیتا ہے۔

فخری رازی کا جواب یہ ہے کہ ایک امت کے فرد یا دو افراد یا اس سے زیادہ کے

سے لئے خطا کا امکان ہے تو یہ ان کا اختیاری فعل نہیں ہے کہ جس سے وہ محفوظ رہ سکیں برخلاف گذشتہ مثالوں کے، کہ ان کا تعلق اختیاری امور سے ہے وہ ان کی نفی بھی کر سکتے ہیں، اور اثبات بھی، میں اپنی بات کی اور وضاحت کر دوں، جس طرح انسان اس بات پہ قادر ہے کہ وہ ایک مرتبہ کھانا کھا کر شکم سیر ہو جائے اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ایک لقمہ کھائے اور سیر نہ ہو جیسے وہ تیر اور لکڑی کو جداگانہ طور پر توڑ سکتا ہے اسی طرح وہ اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ دونوں کو جمع کر دے لیکن توڑ نہ سکے ـــــ دشمنوں سے وہ کسی کی مدد کے ذریعہ قتال کر سکتا ہے اسی طرح وہ دشمنوں سے اس وقت جنگ نہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے جب کوئی اس کی مدد نہ کرے لیکن وہ اس بات پر بطور مطلق قادر نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے نفس کو خطا و سہو و نسیان سے محفوظ رکھ سکے

اور اگر لوگ اوّل کو مقدور و اختیار میں داخل کرنے کے لئے اجماع کر لیں، اور دوسرے کو خارج کر دیں تو یہ بات قیاس کے قائل افراد کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے کہ اختیار کو غیر اختیار پر قیاس کیا جائے، کیونکہ اختیاری اور غیر اختیاری میں اصل اور فرع کے لحاظ سے اختلاف ہے اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے ایک روایت پر اجماع کر لیا ہے اور اجماع کذب کو مانع ہے، اس لئے کہ کذب و صدق پر ہر ایک قدرت رکھتا ہے، پس وہ اس کی تصدیق بھی کر سکتا ہے اور اسے جھٹلا بھی سکتا ہے لیکن وہ اس بات پر قادر نہیں، ہے کہ وہ کبھی خطا ہی نہیں کرے گا، اور اگر کسی روایت پر ان کا اجماع ثابت ہو جائے تو روایت کی حجیّت کا معیار فقط ان کا اجماع نہیں ہے بلکہ روایت کا معصوم سے متصل ہونا

حجیت کا معیار ہے۔ اور قول معصوم کی حجیت اور راویوں کے اجتماع کی حجیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، قول معصوم وہ ہے جسکو راوی بطور تواتر نقل کرتے ہیں اور مفید علم ہوتا ہے ـــ دوسری بات یہ ہے کہ اگر راویوں کے اجتماع ہی کا نام حجت ہے تو اس حجت کا اتباع کرنا واجب ہے تو پھر خداوند عالم نے اپنی، اور اپنے رسولؐ کی اور اولی الامر کی ، اطاعت کو بطور مطلق کیوں بیان فرمائی ہے بلکہ خدا کو اس طرح فرمانا چاہیئے تھا کہ جب امت کا اجتماع نہ ہو تو اس وقت اولی الامر کی اتباع واجب ہے، اور جب خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا ہے بلکہ بطور مطلق ارشاد فرمایا ہے تو ہم سمجھ گئے کہ امت کا اجماع کسی بھی چیز میں حجیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ خطا سے محفوظ نہیں ہیں ۔

امامت اور نبوت

امامت نبوت کی طرح منصب الٰہی ہے' امام کو خدا ہی نصب کرتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ نبی کی طرح امام پر وحی نازل نہیں ہوتی ہے، جس طرح نبوت کے لئے خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے، اور دعویٰ نبوت پر معجزہ سے ان کی تائید کرتا ہے، اسی طرح وہ جس کو چاہتا ہے امامت کے لئے بھی منتخب کر لیتا ہے اور نبی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کو امامت کے لئے منتخب کر دے، اور سورہ قصص کی آیت (۵) امامت پر دلالت کر رہی ہے:

" ونجعلھم آئمۃ "

" اور ہم نے انھیں امام بنایا "

سورۂ انبیاء آیت (۳) میں ارشاد ہے:

" اور ہم نے انہیں امام بنایا ہے وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں "

اور سورہ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

' ہم نے آپ کو لوگوں کا امام بنایا [۱] "

---

[۱] بقرۃ آیت ۱۲۴

نیز سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :

" انی جاعل فی الارض خلیفۃ "[1]

" میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں "

ان تمام آیتوں میں خدا نے آئمہ و خلیفہ کے تعین کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں دیا ہے ، جس طرح لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے کسی کو نبی منتخب کریں اسی طرح انہیں یہ حق بھی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا امام منتخب کریں جیسا کہ قرآن میں عمومی و خصوصی نص وارد ہوئی ہے ، چنانچہ ارشاد ہے :

" تمھارا پروردگار جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (اپنے لئے) پسند کر لیتا ہے لوگوں کو کسی کے انتخاب کا حق نہیں ہے "[2]

پس انتخاب کا حق خدا ہی کو ہے ، اور دوسروں سے اس کی نفی کی گئی ہے علماء کے نزدیک بالاتفاق عموم کا فائدہ دیتی ہے تو اس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ لوگوں کو اس چیز میں انتخاب کا حق نہیں ہے جس کا حق فقط خدا کو ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

" دیکھو حکومت اور پیدا کرنا بس خاص اسی کے لئے ہے "[3]

اور خلافت بہت اہم امر ہے پس اس کا حق بھی خدا کو حاصل ہے کسی اور کو یہ خلیفہ سازی کا حق نہیں ہے سورہ احزاب میں ارشاد ہے :

---

[1] سورۂ بقرۂ آیت ۳۰ ● [2] سورۂ قصص آیت ۶۸

[3] " اعراف آیت ۳۶

کسی مومن مرد و عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا و رسولؐ کسی امر کے بارے
میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن
جائیں اور خدا و رسولؐ کی نافرمانی کرے گا کھلی ہوئی گمراہی میں ہوگا"
یہ دوسری آیت ہے جو ثابت کر رہی ہے کہ اگر مسئلہ امامت کو خدا و رسولؐ نے ترک کر دیا ہے، اسے چھوڑ دیا ہے تو لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خدا و رسولؐ کے فیصلہ کے برخلاف کسی کو اپنا امام منتخب کریں، اور اگر خدا و رسولؐ نے دوسرے امور کی طرح اس کا بھی فیصلہ کر دیا ہے تو لوگوں کو اس کے حکم کے سامنے سر خم کر دینا چاہیئے انھیں اس کی نفی و اثبات کا اختیار نہیں ہے جس طرح کہ اللہ کے دوسرے احکام کے بارے میں بھی انہیں کوئی اختیار نہیں ہے، سورہ حجرات میں ارشاد ہے:

"ایمان لانے والو! خبردار خدا و رسولؐ کے سامنے اپنی بات کو آگے نہ بڑھاؤ!"

یہ تیسری آیت ہے جو اصحاب نبیؐ کو خصوصاً اور دوسروں کو عموماً مخاطب کر رہی ہے کہ اجماع کے ذریعہ امام کا تعین کرنا خدا و رسولؐ کے سامنے اپنی بات کو ترجیح دینا ہے، اور اس کے ارتکاب سے لوگوں کو منع کیا گیا ہے اور ایسے اقدام کو حرام قرار دیا گیا ہے چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے: "وہ کہتے ہیں کہ کیا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے کہہ دیجئے کہ اختیار صرف خدا کا ہے"

۱؎ سورۂ احزاب آیت ۳۶ ۲؎ سورۂ حجرات آیت
۳؎ سورۂ آل عمران آیت ۵۴

یہ چوتھی آیت ہے جو اصحاب رسولؐ کو بالخصوص اور دیگر افراد کو بالعموم مخاطب کر کے کہہ رہی ہے کہ تمھیں اور کسی غیر کو اس امر میں دخل اندازی کا حق نہیں ہے ، سارے امور خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں اور امامت سب سے زیادہ اہم وعظیم امر ہے ، اور اسی پر لوگوں کے دینی و دنیوی مصالح کی بنیاد ہے ، اسی پر شہروں کا امن و امان موقوف ہے انھیں آیات و احکام خدا کے پیش نظر شیعہ مسئلہ امامت کو لوگوں کے اختیار کی چیز قرار نہیں دیتے ہیں ، خواہ کوئی بھی ہو ۔ اور کہتے ہیں کہ اس کا اختیار صرف خدا ہی کو ہے

شوریٰ لیکن سورہ شوریٰ میں خداوند عالم کا یہ قول

"وامرھم شوریٰ بینھم" (شوری آیت ۳۸)

یہ آیت مومنین کی مدح میں نازل ہوئی ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ انہیں تشریع و تنفیذ کی اجازت دیدی گئی ہے ، شوریٰ کے ذریعہ جس چیز کی نسبت مومنین کی طرف دی گئی ہے اور جس چیز کے ذریعہ وہ مدح کے مستحق قرار پائے ہیں اس کا تعلق دین رسولؐ سے ہے ، اور یہ بات یاد رہے کہ دین خود رسولؐ کے زمانہ میں کامل ہو گیا تھا جیسا ارشاد ہے :

"آج میں نے تمھارے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمھارے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے "۔ [1]

اس آیت سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ دین اپنی تکمیل میں شوریٰ کا محتاج نہیں ہے

---

[1] سورۂ مائدہ آیت ۳

اور اگر دین رسولؐ نہ ہوتا کہ جس پر شوریٰ کی بنیاد ہے اور کوئی دین پر عمل نہ کرکے اللہ و رسولؐ اور مومنین سے اختلاف کرتا تو مدح کا بھی مستحق نہ ہوتا جیسا کہ خدا خود فرما رہا ہے

" اور جو شخص بھی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول سے اختلاف کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے اور جہنم میں جھونک دیں گے، جو بدترین ٹھکانہ ہے "[1]

مومنین کا راستہ نبی کا راستہ، رسولؐ کا راستہ یعنی وہ دین جو آپؐ کے زمانہ ہی میں کامل ہو گیا تھا، وہ اپنی تکمیل میں اس کا محتاج نہیں ہے کہ امت، شوریٰ کے ذریعہ کسی کو خلیفہ منتخب کرے جبکہ خدا کی طرف سے رسولؐ کے ذریعہ امام نصب کیا جا چکا تھا، جیسا کہ اس پر احادیث دلالت کر رہی ہیں۔ لیکن اس کو ایک قوم نے تسلیم کر لیا اور دوسری برگشتہ ہو گئی۔ اور دوسری بات یہ کہ امام کے لئے عصمت کی شرط اس بات کی تردید کرتی ہے کہ خلیفہ سازی کا کام امت کے سپرد کیا جائے کیونکہ عصمت خفی و پوشیدہ چیز ہے جس کو خدا ہی جانتا ہے اور جب خلیفہ یا امام معصوم نہیں ہوگا تو احکام شرعی میں اس سے خدشہ رہے گا اور لوگ بھی اس پر اعتبار نہیں کر سکیں گے کیونکہ غیر معصوم سے کبھی نہ کبھی عمداً یا سہواً خطا سرزد ہو ہی جاتی ہے اس کے علاوہ فساد کو، کوئی اور سمجھنے والا بھی نہیں ہے ___ امام اگر معصوم نہیں ہوگا تو احکام دین میں خطا واقع ہوگی اور اس

---

[1] سورۂ نساء آیت ۱۱۵

خطا سے دین کو نقصان پہونچے گا ۔ جو خود مطمئن نہ ہو، وہ دوسروں کو کیونکر مطمئن کر سکتا ہے
اور امام وہ ہے کہ جو اپنے زمانہ کے افراد سے افضل ، تمام نقائص سے محفوظ ، اور کل
احکام شریعت سے واقف ، علم رسولؐ کا وارث ، اور کسی اجتماعی مشکل کے حل سے
عاجز نہ ہو، خواہ وہ مشکل سیاسی ہو یا غیر سیاسی ، اور علوم شریعت میں وہ کسی کا
محتاج نہ ہو ۔

ساتویں فصل

ائمہ اور امامت

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسولؐ کے بعد بارہ خلیفہ ہیں، نہ ان میں ایک کا اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ کمی، جیسا کہ نبیؐ کی احادیث اس پر نص ہیں، اہلسنت کے بہت بڑے محدث "امام بخاری" اپنی صحیح میں کتاب الاحکام کے چوتھے جزو کے باب "استخلاف" میں جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں:

"جابر کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ کو فرماتے سنا ہے کہ (میرے بعد) بارہ امیر ہوں گے اس کے بعد ایک کلمہ اور فرمایا جس کو میں نے نہیں سنا، میرے والد نے کہا کہ سب قریش سے ہوں گے"

مسلم نے اپنی صحیح کے جزء ثانی کی کتاب "الامارۃ" میں نبیؐ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"دین قیامت تک یا جب تک قریش میں سے بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں گے اس وقت تک باقی رہے گا، اور وہ سب قریش سے ہوں گے"

شیخ قندوزی حنفی نے "ینابیع المودۃ" جزء ۲ ص ۴۴۵ میں عبد الملک بن عمیر سے اور انہوں نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے:

"قال النبیؐ: نبیؐ نے فرمایا میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب بنی ہاشم سے ہوں گے"

اسکے بعد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن الحسن نے کتاب العمدہ میں بیس طریقوں سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبیؐ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے، بخاریؒ میں یہ حدیث تین طریقوں سے، اور مسلمؒ میں ۹ طریقوں سے، ابو داؤدؒ میں تین طریقوں سے ترمذیؒ میں ایک طریقہ سے، حمیدی میں ۳ طریقوں سے نقل کی گئی ہے اور یہ تعداد، ائمہ قریش سے مخصوص نہیں ہے بلکہ آئمہ اہل بیت نبیؐ سے مخصوص ہے جیسا کہ شیعوں کا نظریہ ہے کیونکہ اس حدیث کو رسولؐ کے بعد ہونے والے خلفاء پر منطبق نہیں کیا جاسکتا ہے، بنی امیہ و بنی عباس کے بادشاہوں پر بھی حمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ ہے اور ان میں سے بعض کو مراد لینا، بعض کو چھوڑنا تخصیص بلا مخصص اور ترجیح بلا مرجح ہے اور ان دونوں کا باطل ہونا واضح ہے، اس لئے ان کی پیروی میں ان حدود خدا سے تجاوز ہوگا، جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کئے ہیں، اور نہ ہی اس حدیث کا مصداق فاطمی بادشاہوں کو قرار دیا جاسکتا ہے کہ جن کی مصر میں حکومت تھی کیونکہ ان کی تعداد اثنا عشر سے کہیں زیادہ ہے اور نہ ہی اس حدیث کو عثمانی بادشاہوں پر حمل کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ عثمانی بادشاہ ترک تھے نہ کہ قریش، اور ان کی تعداد بھی زیادہ تھی، پس تعین ہوگیا کہ اس حدیث کے حقیقی مصداق ائمہ اہل بیت، عترت نبیؐ ہیں اس لئے کہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے افضل و اعلیٰ، سب سے زیادہ متقی، حسب و نسب میں افضل عند اللہ مکرم و معزز، ان کا علم آباء و اجداد سے ہوتے ہوئے رسولؐ سے متصل ہے بالخصوص جب ہم حدیث ثقلین، سفینہ، نجوم، اور باب حطہ کو ملاحظہ کرتے ہیں یہ حدیثیں مسلمانوں میں تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہیں، اور ائمہ اہل بیت کے علاوہ اور کسی کا سلسلہ قیامت

تک ہماری نظر نہیں آتا ، پس یہ متعین ہوگیا کہ امامت اہل بیت سے مخصوص ہے نہ کہ غیر کے لئے ، اس موضوع سے متعلق ہماری بحث یہیں ختم ہوتی ہے لیکن اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ محترم قارئین کے لئے احادیث کو لفظی طور پر تحریر کر دیں ،

شیخ سلیمان قندوزی حنفی نے ینابیع المودت طبع استانبول ترکی ۱۳۰۱ھ کے صفحہ ۲۴ پر سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے :

قال رسول اللہ ص : "علیؑ میں شہر علم ہوں اور تم (اے علیؑ) اس کے دروازہ ہو ، اور شہر میں جو داخل ہوتا ہے وہ دروازہ ہی سے آتا ہے جو تم سے بغض رکھتے ہوئے مجھ سے محبّت کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے اس لئے تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں ، تمھارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمھارا خون میرا خون ہے ، تمھاری روح میری روح ہے تمھارا باطن میرا باطن ہے ، تمھارا ظاہر میرا ظاہر ہے جس نے تمھاری اطاعت کی وہ کامیاب ہوگیا ، اور جس نے تمھارا عصیان کیا وہ شقی رہا اور جس نے تم سے دوستی کی وہ نفع میں ہے اور جس نے تم سے عداوت کی وہ گھاٹے میں رہا ، اور تم سے متمسک ہونے والا کامیاب ہے ، جس نے تمھیں چھوڑ دیا وہ ہلاک ہوگیا ' تمھاری اور میرے بعد تمھاری نسل میں ، ہونے والے ائمہ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی ، اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ غرق ہوگیا ، تمھاری مثال ستاروں کی سی ہے جب ایک غروب ہوتا ہے تو دوسرا طلوع

ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا"

یہ حدیث "انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا" صحیح ہے اور اس کی صحت پر اہل سنت کے ڈو بڑے علما نے نص کی ہے، حاکم نے "مستدرک" کے جزو ثالث ص ۱۲۶ پر فضائل علیؑ کے سلسلہ میں، اور ذہبی نے "تذکرہ" کے جزو رابع ص ۲۸ پر یہ حدیث نقل کی ہے، بخاری نے اپنی صحیح کے جزو ثالث ص ۳۹ پر روایت کی ہے کہ سرور کائنات نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں" نیز جزو ثانی کتاب الصلح کے ص ۷۵ پر، اور مناقب علیؑ ابن ابی طالبؑ ص ۱۹۶ پر یہ حدیث نقل کی ہے،

یہ حدیث صریح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ امامت قیامت تک اہل بیت نبی میں منحصر ہے اور یہی لوگوں کا مرجع اور ھادی ہیں، واجب الاطاعت ہیں انھیں کے اتباع میں نجات مل سکتی ہے اور ان سے روگردانی میں ہلاکت یقینی ہے،

طبرانی نے ص ۲۴ پر ابو سعید خدری سے اور انہوں نے نبیؐ سے روایت کی ہے کہ نبی نے فرمایا:

"تمھارے درمیان میرے اہل بیت ایسے ہی ہیں جیسے بنی اسرائیل کے درمیان باب حطہ تھا جو اس میں داخل ہوا بخش دیا گیا"

اس حدیث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اہل بیت خدا تک رسائی کا ذریعہ، حق کے ہادی، اور لوگوں کے امام ہیں، اس لئے جس نے ان سے تمسک کیا وہ بخش دیا گیا اور یہ کام امام کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ہے، ابو اسحاق نے اپنی تفسیر کے ص ۲۳ پر جریر بن عبداللہ سے، اور انھوں نے نبی سے روایت کی ہے:

"آگاہ ہو جاؤ، آل محمدؐ کی محبت پہ مرنے والا شہید مرتا ہے، آگاہ ہو جاؤ
آل محمدؐ کی محبت پہ مرنے والا مغفور مرتا ہے، آگاہ ہو جاؤ آل محمدؐ کی محبت
پہ مرنے والا تائب مرتا ہے، آگاہ ہو جاؤ آل محمدؐ کی محبت پہ مرنے والے
کو ملک الموت جنت کی بشارت دیتا ہے پھر منکر و نکیر بشارت دیتے ہیں،
آگاہ ہو جاؤ آل محمدؐ کی محبت پہ مرنے والے کو اس طرح جنت میں لے جایا
جائیگا کہ جس طرح حجلۂ عروس میں دولہے کے پاس دلہن کو لے جایا جاتا ہے، آگاہ
ہو جاؤ کہ جو محبت آل محمدؐ میں مرتا ہے خدا رحمت کے فرشتوں کو اس کی
قبر کا زوار بنا دیتا ہے، آگاہ ہو جاؤ جو آل محمدؐ کی محبت پہ مرتا ہے وہ
سنت و جماعت کے ساتھ مرتا ہے، آگاہ ہو جاؤ جو بغض آل محمدؐ پہ
مرتا ہے قیامت کے دن اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا
یہ رحمت خدا سے محروم ہے، آگاہ ہو جاؤ جو بغض آل محمدؐ پہ مرتا ہے
وہ کافر مرتا ہے، آگاہ ہو جاؤ جو بغض آل محمدؐ پہ مرتا ہے وہ جنت کی بو بھی
نہ سونگھ سکے گا۔"

امام اہل سنت زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں آیت مودت کی تفسیر کے سلسلہ میں
تحریر کیا ہے کہ یہ تو مسلمات میں سے ہے اور ابو اسحاق ثعلبی، احمد بن محمد بن
ابراہیم نیشاپوری کہ جو اہل سنت کے بڑے عالم اور جن کے متعلق وفیات الاعیان
کے جزء اوّل ص۲۲ پر ابن خلکان نے تحریر کیا ہے کہ وہ علم تفسیر میں یگانہ تھے،
نووی نے شرح مسلم کے جز اوّل کے ص۳۳ پر تحریر کیا ہے :

ہو کہ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم امام تھے "

اس حدیث میں رسولؐ نے اپنے اہل بیت عترت کو بلند مرتبے عطا کئے ہیں، اور ان کے امتیاز کے لئے ہر ایک مرتبہ میں بڑی فضیلت ہے اور لازم اطاعت ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی حجت بالغہ اور نعمت کاملہ ہیں، یہ لوگوں کے امام ہیں، جن سے محبت کرنیکے حکم میں اتنی فضیلت ہے کہ اگر ان کی محبت میں مرجائے تو وہ سنت و جماعت پہ مرتا ہے، کامل الایمان مرتا ہے، انکی محبت بلند مرتبہ کا باعث ہوتی ہے، اور ان کے بغض پر مرنا کفر اور رحمت خدا سے مایوسی ہے، وہ امر و نہی میں نبیؐ کے قائم مقام ہیں ـــ ان باتوں کے ہوتے ہوئے ان کے چاہنے والوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ان سے روگردانی کر کے دوسروں کی پیروی کریں، احمد بن حنبل نے اپنی مسند کے باب ۳۸ ص۹۵ پر مناقب علیؑ کے سلسلہ میں حسن بن صالح سے آیت " اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم " کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ اولی الامر ائمہ اہل بیت نبیؐ ہیں "

پس ان کی اطاعت اسی طرح واجب ہے جس طرح خدا اور رسولؐ کی اطاعت واجب ہے اس لئے کہ یہ معصوم ہیں اور دوسرے بالاجماع معصوم نہیں ہیں۔

صحاح میں ائمہ کے اسماء

صحاح میں آئمہ اہل بیت کے ناموں کی نص وارد ہوئی ہے اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں بالمعنی نقل ہوئی ہیں، ہم یہاں شیخ سلیمان قندوزی کی ینابیع سے چند حدیثیں نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں ،

قندوزی حنفی نے اپنی ینابیع کے چھیترویں باب میں فرائد السمطین سے مجاہد کی سند سے ایک طویل حدیث میں نبی سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

"قال رسول اللہ ص : رسولؐ نے فرمایا میرے وصی علی ابن ابی طالبؑ اور ان کے بعد میرے بیٹے حسنؑ و حسینؑ اور ولا کمطلب حسینؑ سے ہونگے پھر آپ نے فرمایا اور حسینؑ کے بعد ان کے فرزند علیؑ وصی ہونگے اور جب علیؑ اس دنیا میں نہ رہیں گے تو ان کے لخت جگر محمدؑ وصی ہونگے اور جب محمدؑ بھی دنیا سے سفر کر جائیں گے تو ان کے پسر جعفرؑ اور جب جعفر موت سے ہمکنار ہو جائیں گے تو ان کے بیٹے موسیٰؑ اور جب موسیٰؑ رحمت خدا سے جا ملیں گے تو ان کے ، فرزند علیؑ اور جب علیؑ عالم جاویداں کو روانہ ہو جائیں گے تو ان کی یادگار محمدؑ اور جب محمدؑ ندائے خالق پر لبیک کہیں گے تو ان کے وارث علیؑ اور جب علیؑ مقام ابدی کی طرف کوچ فرمائیں گے تو عسکریؑ اور جب عسکریؑ اپنے آباؤ اجداد سے جا ملیں گے تو ان کے خلف حجۃ بن الحسن محمدؑ مہدی یہ بارہ ہیں "

مودت القربیٰ کے ستترویں باب میں ص۲۷۴ پر عبایہ ابن ربعی سے اور انہوں نے جابر سے روایت کی ہے کہ :

" رسولؐ نے فرمایا میں انبیاء کا سردار ہوں، اور میرے بعد میرے بارہ جانشین ہونگے ان میں سے اوّل علیؑ ہیں اور آخر مہدیؑ ہیں "

سلیم بن قیس ہلالی نے سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ میں رسولؐخدا کی خدمت میں شرفیاب ہوا، تو دیکھا کہ امام حسینؑ آپ کے زانو پر بیٹھے ہیں اور آپ ان کے رخسار کے بوسے لے رہے ہیں اور ان کا منھ چوم رہے ہیں اور فرمارہے ہیں

" اے حسینؑ تم سید، سید کے فرزند اور سید کے بھائی ہو اور تم امام ابن امام اور امام کے بھائی ہو، تم حجت ابن حجت، اور حجت کے بھائی ہو، اور نو خدا کی حجتوں کے باپ ہو نویں حجت قائم مہدیؑ ہے "

اور اٹھترویں باب میں ص۲۷۷ فرائد السمطین سے نقل کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ :

" رسولؐ نے فرمایا میرے بعد میرے خلفاء و اوصیاء اور دنیا پر اللہ کی حجتیں بارہ ہوں گی، ان میں سے اوّل علیؑ اور آخر مہدی ہونگے عیسیٰؑ ابن مریمؑ آسمان سے نازل ہونگے اور امام مہدی کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور مہدی کی حکومت مشرق سے مغرب تک ہوگی "

ہمارے مدعا کے ثبوت کے لئے اتنی حدیثیں کافی ہیں جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسولؐ

کے بعد اہل بیت میں سے بارہ امام ہوں گے ، اب آپ کے سامنے ہر ایک کا نام پیش کرتے ہیں .جیساکہ رسولؐ نے نص فرمائی ہے :

پہلے : امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں ،آپ کی ولادت ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل میں ہوئی اور ۲۱ رمضان ۴۰ھ میں عبدالرحمن بن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے ، مدفن نجف اشرف عراق میں ہے جس کی زیارت کے لئے دنیا کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے ہیں ۔

دوسرے : امام حسنؑ ابن علیؑ ہیں ،آپ کی ولادت ۱۵ رمضان ۳ھ میں ہوئی ۔ اور ۷ صفر ۵۰ھ کو زہر دغا کے سبب شہید ہوئے آپ کا مدفن مدینہ منورہ حجاز (سعودی عرب) میں ہے

تیسرے : سید الشہدا امام حسینؑ ابن علیؑ ہیں آپ کی ۳ شعبان ۴ھ کو ولادت ہوئی اور دس محرم ۶۱ھ کو مظلومانہ شہید ہوئے ،آپ کا عظیم الشان مدفن کربلا عراق میں ہے دنیا کے چپہ چپہ سے لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں ۔

چوتھے : امام علیؑ بن الحسینؑ زین العابدین ہیں ، آپ نے ۵ شعبان ۳۸ھ کو ولادت پائی اور ۲۵ محرم کو درجہ شہادت پر فائز ہوئے آپ کا مدفن مدینہ منورہ حجاز (سعودی عرب) میں ہے

پانچویں : امام محمد باقرؑ ہیں آپ پہلی رجب ۵۷ھ کو پیدا ہوئے اور سات ذی الحجۃ ۱۱۴ھ کو جام شہادت نوش فرمایا ، آپ کا مدفن و مرقد حجاز میں ہے ۔

چھٹے : امام جعفر صادق بن محمد باقرؑ ہیں ، آپ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ میں پیدا ہوئے

اور ۱۵ ر رجب ۱۴۸ھ میں شہادت پائی ، اور مدینہ منورہ حجاز میں دفن ہوئے ،

ساتویں : امام موسیٰ کاظم بن جعفر ہیں ، آپ ۵ ر رجب ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور زہر خورانی کے سبب ۲۵ ر رجب ۱۸۳ھ میں شہادت پائی ، اور عظیم المرتبت عمارت کاظمیہ میں دفن ہوئے ،

آٹھویں : علیؑ بن موسیٰ رضا ہیں ، آپ ۱۱ ر ربیع الاوّل ۱۵۳ھ میں متولد ہوئے اور ۱۷ ر صفر ۲۰۳ھ کو زہر ہلاہل کھلانے کے سبب شہید ہوئے اور طوس (خراسان ایران) میں دفن ہوئے ،

نویں : امام محمدؑ بن علیؑ ، تقی ، جواد ہیں آپ دس رجب ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے ، اور ۱۱ ر ذیقعد ۲۲۰ھ میں شہادت پائی اور کاظمیہ عمارت میں اپنے جد امام موسیٰ بن جعفر کے پہلو میں دفن ہوئے ،

دسویں : علی بن محمد صادی النقی ہیں ، آپ ۵ ر رجب ۲۱۴ھ میں متولد ہوئے ، اور ۲۶ جمادی الثانیہ ۲۵۴ھ میں شہید ہوئے اور سامرأ عراق میں دفن ہوئے ،

گیارہویں : امام حسنؑ بن العسکری ہیں آپ ۱۰ ر ربیع الثانیہ ۲۳۲ھ میں متولد ہوئے اور آٹھ ربیع الاوّل ۲۶۰ھ میں شہید ہوئے ، اور سامرأ میں اپنے پدر بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے ۔

بارہویں : امام ابوالقاسم محمد بن حسن ، مہدی منتظر ہیں ، آپ ۱۵ شعبان ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے دو غیبتیں اختیار کیں ۔

پہلی غیبت : ۲۶۱ھ سے اختیار کی اس میں آپ نائبوں سے ملتے تھے ،

آپ کے چار نائب تھے ۱۔ عثمان بن سعید عمریؓ ۲۔ محمد بن عثمانؓ
۳۔ حسین بن روحؒ ۴۔ محمد بن علی سمریؒ

(۲) غیبتِ کبریٰ ۳۲۶ھ سے شروع ہوئی اور اس میں نائبوں سے ملاقات کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اور دینی مسائل کے سلسلہ میں آپ نے اپنے شیعوں کو قرآن اور سچے اور عادل و امین راویوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیدیا، لوگ آپ کے وجود شریف سے اسی طرح مستفید ہوتے ہیں جیسے زمین والے بادل میں چھپے ہوئے سورج سے اور ہم کیسے مستفید نہ ہوں جبکہ رسولؐ نے فرمایا ہے

" میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے باعث امان ہیں، جب میرے اہل بیت نہ رہیں گے تو دنیا بھی نہیں رہے گی "

پس امام مہدی روحی لہ الفدا کا وجود زمین والوں کے لئے باعث امان اور عذاب سے حفاظت کا سبب ہے اور زمین کو برقرار رکھے ہوئے ہے، قطب العارفین اہل سنت کے بڑے مورخ ابن عربی صاحب "الفتوحات المکیۃ" باب ۳۶۶ ص۱۲۸ پر شیخ عبدالوھاب شعرانی کی "الیواقیت" کے جزء ثانی مطبوعہ ۱۳۱۷ھ سے نقل فرماتے ہیں :

" اہل بیت میں سے بارہ امام ہوں گے، امام مہدی زندہ ہیں اور ان کے ساتھ اہل سنت کے بہت سے علماء ہیں وہ آخری زمانہ میں ظہور فرمائینگے اور زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی "

ان کی کتاب کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے :

مہدیؑ کا ظہور یقینی ہے لیکن وہ اس وقت تک ظہور نہیں فرمائیں گے جب تک زمین ظلم و جور سے نہیں بھر جاتی، پھر آپؑ اس کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی تھی ۔ اگرچہ دنیا کی عمر کا ایک ہی دن باقی رہے گا تو خدا اس دن کو اتنا طویل کر دے گا کہ امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے ۔ مہدی عترت رسولؐ فاطمہؑ کی اولاد سے ہیں ان کے جد امام حسین بن علی ابن ابی طالبؑ ہیں ان کے پدر بزرگوار امام حسن عسکریؑ بن امام علی نقیؑ بن محمد تقیؑ بن علیؑ رضا بن موسیٰؑ کاظمؑ بن جعفر صادقؑ بن محمد باقرؑ بن زین العابدین بن حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں ۔ ان کا نام رسولؐ کا نام ہے رکن[1] و مقام کے درمیان مسلمان ان کی بیعت کریں گے "

---

[1] خانۂ کعبہ میں ایک جگہ ہے

نبیؐ نے امام منتظر کی بشارت دی

نبیؐ نے جو بشارتیں امام مہدی کے سلسلہ میں دی ہیں ان سے آپ کی ولادت ثابت ہوتی ہے !

اور آخری زمانہ میں ان کا ظہور کرنا ان حدیثوں سے ثابت ہے جو اہل سنت کے نزدیک متواتر ہیں چہ جائیکہ شیعوں کے نزدیک ،

ابن حجر گیارہویں باب کی پہلی فصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

" آخری زمانہ میں خروج مہدی کے سلسلہ میں محمد مصطفیؐ سے متواتر حدیثیں اور ان کے راویوں کی کثرت سے یہ بات آشکار ہے کہ آخری زمانہ میں مہدی ظہور فرمائیں گے اور وہ اہل بیت رسالت سے ہوں گے اور وہ سات سال تک حکومت کریں گے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جناب عیسیٰؑ ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے "

صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ کے ص۳۱۰ اور مابعد کے صفحات پر تحریر فرماتے ہیں کہ جو ائمہ ثقات کی روایات اور نصوص امام مہدیؑ کی امامت پر دلالت کر رہی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور متواتر ہیں ان کی شہرت پر اعتماد کرتے ہوئے ہم چند حدیثوں کو یہاں نقل کر رہے ہیں محدثین نے انھیں اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے اور اس قدر جانفشانی سے جمع کیا ہے کہ ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا ہے جن لوگوں نے اس کام کو زیادہ اہمیت دی ہے اور شرح و بسط کے ساتھ جمع کیا ہے ان میں سے جمال الدین

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم المعروف بہ نعمان بھی ہیں انہوں نے اس سلسلہ میں "ملأ الغیبۃ فی طول الغیبۃ" نامی کتاب تصنیف کی تھی اور حافظ ابونعیم نے اربعین حدیثاً فی امر المھدی" تالیف کی اور شیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی نے اس سلسلہ میں "البیان فی اخبار الزمان" تصنیف کی اور اس کتاب میں متعدد اسناد سے روایت کی ہے:

"رسولؐ فرماتے ہیں کہ دنیا اس وقت تک باقی ہے جب تک عرب کا بادشاہ میرے اہل بیت میں سے وہ شخص نہیں بن جاتا جس کا نام میرے نام پر ہو"

ابو داؤد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور انہوں نے نبیؐ سے روایت کی ہے:

"آنحضرت نے فرمایا کہ اگر زمانہ کا ایک ہی دن باقی بچے گا تو بھی خدا اس دن میں میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا جو زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھر گئی تھی"

احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور داؤد و ترمذی نے اپنی اپنی سنن میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے:

"میں نے رسول سے سنا کہ فرما رہے تھے روشن پیشانی اور اونچی ناک والا مہدیؑ مجھ سے ہے جو زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیگا جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی"

اس حدیث میں ابوداود نے یملک سبع سنین کا اضافہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت ثابت ہے، اور طبرانی نے مجمع میں اس کی روایت کی ہے اسی طرح دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ صاحب البیان گنجی کہتے ہیں کہ

جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مہدیؑ غیبت سے ابھی تک زندہ و باقی ہیں تو ان کا باقی رہنا محال نہیں ہے وہ بھی عیسیٰؑ بن مریمؑ، خضر والیاس کی طرح زندہ و باقی ہیں، اور دشمن خدا، اعور و دجال وابلیس لعین باقی ہیں ان کا وجود کتاب و سنت میں ثابت ہے جیسا کہ سعید بن جبیر اپنی تفسیر میں خداوند عالم کے اس قول "لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" کی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ مہدیؑ ہیں جو اولاد فاطمہ سے ہیں اس کے بعد انہوں نے کچھ حدیثیں نقل کی ہیں کہ جو صریح طور پر آپ کی ولادت و غیبت اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظہور فرمائیں گے اور زمین کو اس طرح عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے پر ہو گی اور یہی کہ شیعہ بھی کہتے ہیں، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ائمہ آل نبی کی امامت پر اعتقاد رکھنا فقط شیعوں ہی سے مخصوص نہیں ہے اور بارہویں امام مہدی منتظر کے وجود حیات کا عقیدہ ایسے مختص نہیں ہے بلکہ اس بات کے معتقد اہل سنت کے بڑے بڑے علماء بھی ہیں

کیا امام مہدی کا عقیدہ شیعوں سے مخصوص ہے؟

سلیمان قندوزی اہل سنت کے بڑے علماء میں سے ہیں وہ اپنی ینابیع کے جزء ثانی کے ص۴۴۹ پر اہل سنت کی بڑی جماعت سے انہوں نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو شیعوں کے عقیدوں کی موافقت میں ہیں، ہماری اس مختصر کتاب میں ان کے تمام اقوال کی گنجائش نہیں ہے شائقین حضرات ینابیع وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں تو انہیں اس قسم کی بہت سی باتیں ملیں گی ـــــ اور پھر ایک انسان کا سینکڑوں سال زندہ رہنا بعید از عقل بھی تو نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم ہر چیز پر قادر ہے وہ خرق عادات مثل

معجزات انبیاء پر قادر ہے پس ہم مہدیؑ کی ایک ہزار سالہ زندگی کو بھی سید انبیاء کا معجزہ فرض کریں اور آپؐ کے قول حدیث ثقلین "انھما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض" یعنی کتاب و عترت، حدیث نجوم اور حدیث "لا یزال الدین قائماً حتیٰ قیام الساعۃ" اور "یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش" وغیرہ کی تصدیق سمجھیں اور قرآن نے حضرت نوح کی ۹۵۰ سال عمر کا تذکرہ کیا ہے اور یہ وہ عمر ہے جس میں انھوں نے اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور اس کی اطاعت کی دعوت دی اور طول عمر کی کوئی حد نہیں ہے، عقل بھی اس کو محال نہیں جانتی، اور حدیث میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کی موت کو سو سال اس سے زیادہ عرصہ میں منحصر نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ عوارض ہیں کہ جو انسان کی حیات کے سلسلہ کو منقطع کر دیتے ہیں کیونکہ اعضاء کا آپس میں ارتباط ہوتا ہے پس بعض کے تلف ہو جانے سے کل برباد ہو جاتے ہیں

پس جب علم عوارض کا سد باب کر دے گا یا عوارض کے حملوں کو ناکام بنا دے گا تو اس وقت حیات کے استمرار میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکے گی ،

آٹھویں فصل

خلافت، نبیؐ کے بعد

ہمارا اعتقاد ہے کہ نبیؐ کے بعد حضرت علیؑ سب سے افضل ہیں اور بعد رسولؐ آپ امت کے خلیفہ و امام ہیں کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی اللہ پر ایمان لائے اور خداوند خود سورۂ واقعہ میں ارشاد فرماتا ہے " السابقون السابقون اولئک المقربون "، اور سب سے زیادہ متقی و دلیر ہیں، اور سورۂ حجرات میں ارشاد فرماتا ہے

" ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم "

اور سورہ توبہ میں ارشاد فرماتا ہے:

" اجعلتم السقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن
باللہ والیوم الاخر وجاھد فی سبیل اللہ لا یستوؤن عند اللہ "

نسائی نے اپنی صحیح کے جزء دوم میں ینابیع سے نقل کیا ہے کہ قرطبی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز طلحہ بن شیبہ بنی عبدالدار اور عباس بن عبدالمطلب و علیؑ بن ابی طالبؑ افتخار کر رہے تھے طلحہ بن شیبہ نے کہا میرے پاس کعبہ کی کلید ہے، عباس نے کہا کہ صاحب سقایت میں ہوں، حضرت علیؑ نے فرمایا میں نے سب سے پہلے قبلہ رخ چھ ماہ نماز پڑھی ہے میں صاحب جہاد ہوں پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

" کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی آبادی کو اس شخص کے ہمسر بنا دیا ہے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا اور خدا کی راہ

میں جہاد کیا خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں "

ابن مغازلی، حموینی، ابونعیم اور صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ سب سے بڑے عالم اور بڑے بردبار اور سابق الاسلام تھے وہ سب سے زیادہ جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوئے، اور بہترین فیصلہ کرنے والے تھے وہ بلند اقدار، عالم قرآن پرہیزگار و متقی اور حسب و نسب میں بلند تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کے لئے رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ کی شہادت موجود ہے اہل سنت کے بڑے عالم محب طبری "ریاض النضرہ" کے ص۲۱۲ پر فضائل علیؑ کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے اور سب سے پہلے انہوں نے رسولؐ کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، دو ہجرتیں کیں، بدر، حدیبیہ، اور بیعت رضوان بلکہ تبوک کے علاوہ تمام اسلامی معرکوں میں شریک ہوئے اور تبوک کی روانگی سے قبل رسولؐ نے آپ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا:

"وقال رسول اللہؐ اے علیؑ آپ میرے لئے ایسے ہی ہیں جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے بس میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا "

اور بدر و احد، خندق و خیبر اور جنگ احزاب ایسی بڑی بلاؤں میں آپ مبتلا ہوئے اور ہر جنگ میں پرچم اسلام آپ ہی کے ہاتھ میں رہا

اہل سنت کے محقق و مورخ ابن عبداللہ استیعاب کے جزدوم کے ص۴۴۷ پر فضائل علیؑ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ علیؑ اس وقت بھی رسولؐ کے ساتھ ساتھ رہے جس روز اصحاب رسولؐ آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ ابن حجر صواعق محرقہ کے ص۱۲۴ پر ماثر علیؑ کے سلسلہ میں

لکھتے ہیں ابن سماک بیان کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ : "میں نے رسولؐ سے سنا کہ پل صراط سے وہی عبور کر سکتا ہے جس کے پاس حضرت علیؑ کا نامہ ہوگا" اور ریاض النضرہ کے جزء دوم کے ص۲۱۹ پر عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے ابوبکرؓ کو دیکھا کہ ان کی نظر حضرت علیؑ کے چہرہ پر مرکوز تھی تو میں نے دریافت کیا بابا آپ حضرت علیؑ کے چہرہ کی طرف کیوں اس طرح دیکھتے ہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بیٹی میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ علیؑ کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور جزء ثانی کے ص۱۹۳ پر عائشہؓ سے منقول ہے کہ علیؑ احکام الٰہی کے سب سے بڑے عالم تھے اور " النظر الیٰ وجہ علیؑ عبادۃ " "علیؑ کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے" کو ابن حجر نے صواعق کے ص۱۷۵ پر نقل کیا ہے اور سعید ابن مسیب کے ذریعہ سے ابن حجر صواعق کے نویں باب کی تیسری فصل ص۱۲۵ پر عمر بن الخطاب کا قول نقل کرتے ہیں کہ : عمر بن خطاب اس مشکل سے خدا کی پناہ مانگتے تھے جس کی مشکل کشائی کے لئے ابوالحسن (علیؑ) نہ ہوں ، اس کے بعد ابن حجر کہتے ہیں " حضرت علی کے علاوہ کسی صحابی نے "سلونی" کا دعویٰ نہیں کیا ،

محب الدین طبری ریاض النضرۃ جزء ثانی کے ص۱۹۷ اور ابن عبد اللہ استیعاب کے جزء ثانی کے ص۴۷۴ پر لکھتے ہیں کہ عمرؓ ابن خطاب نے حضرت علی سے کہا : "اے علیؑ خدا مجھے آپ کے بعد زندہ نہ رکھے اور میں اس قوم میں زندہ رہنے سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں جس میں ابوالحسن موجود نہ ہوں اور اسی کو ابن حجر نے صواعق محرقہ کے پانچویں مقصد ۱۷۷ پر نقل کیا ہے محب الدین طبری نے ریاض النضرہ کے جزء ثانی کے ص۱۹۵ پر تحریر کیا ہے کہ معاویہ حضرت علیؑ کا سخت ترین دشمن تھا جو شخص اس سے کوئی مسئلہ معلوم کرتا تھا

تو وہ یہ کہتا کہ یہ سوال تم علیؑ سے کرو! وہ سب سے بڑے عالم ہیں اور سائل کہتا یا امیر آپ کا جواب میرے لئے علیؑ کے جواب سے بہتر ہے تو پھر معاویہ کہتا کہ تم نے کتنی بڑی بات کہی ہے یقیناً تم اس شخص کی شان میں ایسی بات کہتے ہو کہ جس کو رسولؐ نے اصحاب کے درمیان سے علم کے لئے منتخب کیا ہے اور علی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا:

"اے علیؑ تم تو میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لئے ھارون تھے بس میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"

اور جب عمرؓ کے سامنے کوئی مشکل آتی تھی تو آپ (علیؑ) کی طرف رجوع کرتے تھے اور میں نے خود اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جب عمرؓ کے سامنے کوئی مشکل آتی تھی تو وہ کہا کرتے تھے کہ کیا یہاں علی نہیں ہیں؟ ، ابن حجر نے صواعق محرقہ کے مقصد خاص کے ص۱۷۷ پر اسی کو نقل کیا ہے ، اور جو چیزیں آپ (علی) کی سربلندی اور عظیم المرتبت کا سبب ہیں ان میں مواخات بھی ہے ـــ ابن عبداللہ استیعاب کے جزء ثانی کے ص۴۷۳ پر رقمطراز ہیں کہ اصحاب کے درمیان مواخات کے بعد رسولؐ نے فرمایا علیؑ کو میں نے اپنے لئے مخصوص کیا تھا پس آپؐ نے علیؑ سے فرمایا: "تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو"

محب الدین طبری ریاض النضرہ کے جزء ثانی کے ص۱۹۸ پر معاذ ابن جبل سے روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: لوگ سات چیزوں کی وجہ سے حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتے ہیں اے علیؑ قریش میں کوئی بھی تمھاری ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے، تم ان میں سب سے پہلے اللہ پر ایمان لائے ، اور دین خدا پر ان سب

کو قائم رکھا ، ان کے درمیان سب سے زیادہ بالتسویہ تقسیم کرنے والے رعیت ملت کے درمیان بہترین انصاف کرنے والے ، سب سے نمایاں طور پر قضیہ کی تحقیق کرنے والے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعظمت ہو "

ابن عبداللہ نے استیعاب کے جز ثانی کے ص۴۶۳ پر تحریر کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا :

" قال النبی ص : لعلی انت اکثرهم علما و اعظمهم حلما و اقدمهم سلما "

نبیؐ نے فرمایا : علیؑ تم تمام صحابہ سے زیادہ علم ، حلم ، اور سب سے پہلے ایمان لانے والے ہو ، عبارت میں جمع مذکر کی ضمیر (ھم) استعمال ہوئی ہے جو صحابہ کی طرف پلٹتی ہے جس کے معانی یہ ہوتے ہیں کہ علیؑ کمسنی کے باوجود بھی عقل و ادراک میں بڑے بڑے صحابہ کے برابر تھے ان کے سابق الاسلام ہونے پر ان کا بچپنہ اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے

ابن حجر صواعق کے نویں باب کی دوسری فصل کے ص۱۲۱ پر ام سلمیٰ سے روایت کرتے ہیں :

" ام سلمیٰ کہتی ہیں کہ میں نے نبیؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہونگے "

اور ابن حجر صوائق کے مقصد خامس کے ص۱۷۷ پر دار قطنی سے روایت کرتے ہیں کہ دو دیہاتی جھگڑتے ہوئے خلیفہ (وقت) عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں آپ فیصلہ کرنے کے لئے تیار ہوئے

توان میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے ؟ یہ سن کر عمرؓ
اس پر جھپٹے اور گریبان پکڑ کر کہنے لگے خدا تجھے غارت کرے تو نہیں جانتا یہ کون ہیں؟
یہ تمہارے مولا و آقا اور تمام مومنوں کے آقا ہیں اور جس کے مولا نہیں ہیں وہ مومن
نہیں ہے ۔

اور محب الدین طبری ریاض النضرہ کے جزء ثانی کے ص۱۷۱ پر لکھتے ہیں: قال النبیؐ
"اے علیؑ میرے بعد لوگوں کے اختلافی مسائل کو آپ بیان کرینگے"
اور آپؐ اپنے اصحاب کے درمیان فرمایا کرتے تھے علیؑ خدا اور لوگوں کو سب سے
زیادہ پہچانتے ہیں ـــــ اور جب عمر کو کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو اسکو علیؑ کی طرف
پلٹا دیتے تھے اور اسی ریاض کے ص۲۱۴ پر مرقوم ہے کہ عمرؓ نے فرمایا کسی کسب کرنے
والے نے علیؑ کے برابر فضیلتیں کسب نہیں کی ہیں ان کا چاہنے والا ہدایت پاتا ہے
اور ان سے روگردانی کرنے والا ہلاک ہوتا ہے اس کے اختتام کو اہل سنت کے
حافظ ابن حجر عسقلانی نے "اصابہ" کے جزء ثانی ص۲۷۱ پر نبیؐ سے یہ نقل کیا ہے:

"یا علی لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق"

"اے علیؑ تم سے مومن ہی محبت رکھے گا اور وہ منافق ہی ہوگا جو تم
سے عداوت رکھے گا"

اور اسی کو ابن عبد اللہ نے استیعاب کے جزء ثانی کے ص۴۷۳ پر اور ترمذی نے
اپنی سنن کے جزء ثانی کے ص۲۱۵ اور تاریخ بغداد کے جزء ہشتم کے ص۴۱۷ پر خطیب
بغدادی نے، اور بغوی نے مصابیح کے جزء ثانی کے ص۲۰۱ پر یہ حدیث نقل کی ہے

اور مسند کے جز اول کے صنث پر احمد ابن حنبل نے اس کو نقل کیا ہے پس علیؑ اس حدیث کے لحاظ سے واجب المحبت ہیں ۔ اور جس کی محبت واجب ہوتی ہے اس کی اطاعت بھی واجب ہوتی ہے اور جس کی اطاعت واجب ہوتی ہے وہ امام ہوتا ہے پس علی امام ہیں اور ہماری اس بات پر قرآن و حدیث دال ہیں خداوند فرماتا ہے :

" اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھیگا "

طبقات حنابلہ میں امام احمد ابن حنبل سے سوال کیا گیا کہ اس حدیث کے بارے میں " علی قسیم النار والجنۃ ہیں " آپ کیا کہتے ہیں ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم اس کے منکر ہو کیا ہم یہ روایت نہیں کرتے :

" یا علی لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق "

سب نے کہا ہاں تو امام احمد نے کہا پھر مومن کہاں ہے ؟ انہوں نے کہا جنت میں پھر امام احمد نے کہا کہ کافر کہاں ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہنم میں ، امام احمد نے کہا پس علی قسیم النار ہیں ۔ اور جو چیز شیعوں کو رسولؐ کے بعد علیؑ کی امامت کا معتقد بنائے ہوئے ہے وہ حدیث غدیر ہے جس کو چالیس سے زیادہ علمائے اہل سنت نے متعدد طریقوں سے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ۔

ابن حجر صواعق کے نویں باب کی دوسری فصل کے اوائل صنا۱۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں حدیث غدیر کو تیس صحابہ نے بیان کیا ہے اور ان میں سب صحیح یا حسن ہیں اس کی طرف ہم اپنی کتاب " الابداع فی حسم النواع " میں بھی اشارہ کر چکے ہیں ۔

چالیس سے زیادہ علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں اس حدیث کو نقل کیا ہے

یہاں ہم بسند احمد ابن حنبل جزء رابع صہ ۲۸۱ کی عبارت کا ترجمہ کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں ۔ براأ ابن عاذب کہتے ہیں کہ غدیر خم میں رسولؐ ہمارے درمیان خطبہ دے رہے تھے اور جیسا کہ ہیثمی نے صواعق صہ ۴۴ پر تحریر کیا ہے کہ :

"رسولؐ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں مومنین سے اولیٰ ہوں ، سب نے کہا ہاں ، پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں ہر مومن کے نفس پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہوں سب نے کہا ہاں ، پس آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ، میں جس کا مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں ، خدایا تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علےؑ کو دشمن رکھے ، جو اس سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ اور جو اس سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ ، جو اس کی نصرت کرے اس کی نصرت فرما ، جو اسے ذلیل کرے تو اس کو ذلیل فرما ، اور حق اس طرف موڑدے جس طرف وہ مڑیں "

اس حدیث کے ذریعہ رسولؐ نے علیؑ کو لوگوں کے نفسوں پر اولویت عطا کی ہے اور ان کا حاکم و امام مطلق بنایا ہے جیسا کہ "أ لست اولی" کے قرینہ سے آشکار ہے ، کیونکہ نبیؐ اور امام تمام امت کے نفسوں سے اولیٰ ہیں اور کوئی ان سے بلند نہیں ہے جیسا کہ دعائے رسولؐ سے معلوم ہوتا ہے یہ دعا خلفاء ہی کی شایان شان ہے اور جو لوگ ذوق فصاحت و بلاغت رکھتے تھے انہوں نے یہ کلام بخوبی سمجھ لیا ، ان لوگوں میں عمرؓ حارث ابن نعمان فہری ، حسان ابن ثابت تھے ۔

عمرؓ کے بارے میں تو یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ انہوں نے غدیر خم میں "بخ بخ لك یا اباالحسن اصبحت مولائی ومولیٰ کل مومن و مومنۃ" کہہ کر حضرت علیؑ کو تہنیت پیش کی تھی [۱]

حارث بن نعمان کا واقعہ تو مشہور ہے جسکو اہل سنت کے بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے ثعلبی نے آیت "سأل سائل بعذاب واقع" کی تفسیر میں یہی واقعہ نقل کیا ہے۔

حسان بن ثابت نے حضرت علیؑ کی شان میں قصیدہ کہا اور نبیؐ کو وہ قصیدہ پسند آیا اور آپ نے اس کی تعریف فرمائی۔

---

[۱] مناقب علی للخوارزمی ص۹۴ و ص۹۷، تاریخ بغداد جزاول، ص۲۹۰ و جز سابع ص۳۷۷ و جز رابع عشر ص۲۳۶

نویں فصل

خلافت علیؑ کا حق ہے

نبیؐ کے بعد خلافت حضرت علی سے مختص ہے اور کتاب وسنت اس پر دلالت کر رہی ہیں بہت سی متواتر حدیثیں لفظاً و معنیً تمام مسلمانوں کے طریق سے وارد ہوئی ہیں۔ ہم قارئین کے سامنے ان حدیثوں کو پیش کریں گے جو ہمارے سنی بھائیوں نے نقل کی ہیں کیونکہ ان کے لئے وہی حجت ہیں اور کتاب (خدا) کی بہت سی آئتیں ہیں ان میں سے سورہ مائدہ کی ۵۵ آیت یہ ہے:

"انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ○"

یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے حالت رکوع میں سائل کو انگوٹھی عطا کی تھی،

آیت ولایت اور علیؑ : اہل سنت کے بیشتر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور کے جزء ثانی کے ص۲۹۳ پر، اور فخر رازی نے تفسیر کبیر کے جزء ثالث کے ص۵۱۳ پر اور محمد عبدہ نے اپنی تفسیر کے جزء سادس کے ص۴۴۲ پر تحریر کیا ہے اور انما کے قرینہ سے ولی مومنین مراد ہے جو ان کے امور کا مدبر ہے اور اس آیت سے پہلی آیت بھی حضرت علی ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے

جیسا کہ امام ثعلبی نے اپنی تفسیر کبیر میں تحریر کیا ہے:

"اے ایمان لانے والو تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا، تو عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جو اس کی محبوب اور اس سے محبت کرنے والی، مومنین کے سامنے خاکسار، اور کافروں کے سامنے صاحب عزت راہ خدا میں جہاد کرنے والی، اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والی ہوگی یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہ صاحب وسعت اور جاننے والا ہے [۱]"

آیت میں "یحبّھم و یحبونہ" سے حضرت علیؑ مراد ہیں ـــــ امام بخاری نے اپنی صحیح کے جزء ثانی کے باب مناقب کے صفحہ ۱۹۷ پر نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کل میں اس شخص کو علم دونگا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں"

اور جس طرح اللہ کی ولایت و حکومت عام ہے اسی طرح رسولؐ اور ایمان لانے والے یعنی علیؑ کی حکومت بھی عام ہے اور یہ بات سیاق کے اتحاد اور عطف میں تساوی کے لحاظ سے ثابت ہے اگرچہ آیت میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن مراد واحد ہے اور وہ ذات علیؑ ہے اور جمع بول کر واحد مراد لینا عربی زبان میں رائج ہے اور قرآن میں بھی متعدد جگہوں پر اس کا استعمال ہوا ہے،

---

[۱] سورۂ مائدہ آیت ۵۴ تا ۵۵

آیت مباہلہ :۔ یہ آیت علیؑ کی شان میں بھی نازل ہوئی ہے ، سورہ آل عمران آیت ۶۱ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے

" جب تمھارے پاس علم (قرآن) آچکا اس کے بعد اگر تم سے کوئی (نصرانی) عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کرے تو کہو! کہ (اچھا میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو ، اور ہم اپنی عورتوں کو (بلائیں) اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی جانوں کو (بلائیں) اور تم اپنی جانوں کو "

اس بات پر شیعہ ، سنی دونوں فریقوں کا اتفاق ہے کہ آیت میں "انفس" سے حضرت علیؑ مراد ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آیت میں نفس سے نفس نبیؐ مراد نہیں ہے بلکہ علیؑ مراد ہیں ، کیونکہ نفس نبیؐ اور ہے اور نفس علیؑ اور ، اور آیت میں یہ حکم ہے کہ نفس نبیؐ کے مثل نفس لاؤ اور یہ مماثلت اقتضا کرتی ہے کہ جو چیزیں نفس نبیؐ میں ہیں وہی نفس علیؑ میں ہیں ، اور جب قطعی دلیلوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ محمدؐ نبیؐ ہیں اور حضرت علیؑ سے افضل ہیں تو اب ہم عام نسبت کے لحاظ سے دیکھیں ،

یہ بات مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے کہ نبی تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں تو علیؑ بھی سب سے افضل ہیں اگرچہ آیت میں عمومیت ہے لیکن چند طریقوں سے آیت کی واضح دلالت آپ کی امامت پر ہے

(۱) نبیؐ معصوم تھے اور انہیں کی طرح علیؑ بھی معصوم تھے اور معصوم اتقیٰ (زیادہ متقی) ہوتا ہے اور عنداللہ مکرم ہوتا ہے اور اکرم امت کی قیادت و امامت کا زیادہ حق دار ہے

(۲) نبیؐ تمام لوگوں سے زیادہ متقی تھے اور اسی طرح علیؑ ،

(۳) نبیؐ تمام صحابہ سے افضل تھے اسی طرح علیؑ بھی تمام صحابہ سے افضل تھے، اور افضل امامت کا زیادہ حقدار ہوتا ہے

(۴) نبیؐ کی اطاعت واتباع واجب ہے مطلقاً اسی طرح امت پر علیؑ کی اطاعت واتباع بھی واجب ہے

(۵) نبیؐ امام و ہادی ہیں اسی طرح علیؑ بھی امام و ہادی ہیں ، اور آیت مباہلہ کے سلسلہ میں تو بہت سے لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ آیت پنجتن یعنی علیؑ ، فاطمہؑ ، حسنؑ حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ،

بیضاوی نے اپنی تفسیر کے جزء ثانی کے ص۲۲ پر اور ابن جریر نے اپنی تفسیر کے جزء ثالث کے ص۱۹۲ پر ، اور خازن نے اپنی تفسیر کے جزء اوّل کے ص۳۰۲ پر ، اور نیشاپوری نے جزء ثالث میں ص۲۰۶ اور سیوطی نے در منثور کے جزء ثانی کے ص۳۹ پر اور ابن حجر نے صواعق کے گیارہویں باب کی پہلی فصل ص۱۵۳ پر اور بغوی نے خازن کے جزء اوّل کے حاشیہ کے ص۳۰۲ پر اور ابن حجر عسقلانی نے اصابہ کے جزء رابع کے ص۲۷۱ پر اور مسلم نے اپنی صحیح کے جزء دوم میں فضائل اہل بیت کے سلسلہ میں ص۲۸۳ پر ، احمد ابن حنبل نے مسند کے جزء سادس کے ص۲۹۲ و ص۳۲۳ اور جزء ثانی کے ص۱۰۷ پر ، حاکم نے اپنی مستدرک کے جزء ثالث کے ص۱۴۷ پر بخاری ومسلم کی شرط پر اسے صحیح مانا ہے اور یہی اہل سنت کے بہت سے حافظوں نے لکھا ہے پس یہ متواتر ہے ،

آیت تطہیر :- قال اللہ تعالیٰ : انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً ۝ سورۂ احزاب آیت ۳۳

یہ آیت بھی بالاتفاق علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے، ابن حجر نے صواعق کے گیارہویں باب کی پہلی فصل میں ص۱۴۱ پر لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کا عقیدہ ہے کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے، اس کے بعد ابن حجر نے کچھ اور حدیثیں نقل کی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ و حسن و حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ نبیؐ نے ان پر کساء ڈالی اور فرمایا خدایا یہی میرے اہل بیتؑ ہیں ان سے "رجس" کو دور رکھ اور پاک و پاکیزہ رکھ۔ (اسی اثنا میں ام سلمہ آئیں) اور کہا میں بھی آپ حضرات میں شامل ہو جاؤں تو رسولؐ نے فرمایا: "ام سلمیٰ تم خیر پر ہو" دوسری روایت میں ہے کہ "تطھیراً" کے بعد آپ نے فرمایا:

"میں اس سے لڑوں گا جو ان سے لڑے گا اور اس سے صلح و سلامتی رکھوں گا جو ان (اہل بیت) سے صلح و سلامتی رکھے گا، جو ان سے دشمنی رکھے گا میں اس سے عداوت رکھوں گا"

اور یہ بات تو واضح ہے کہ یہ تمام رجس و گناہ سے محفوظ ہیں، اور عقلی و شرعی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امامت معصوم ہی کا حق ہے اور یہ بات اجماع سے ثابت ہے کہ اہل بیتؑ نبیؐ کے علاوہ اور کوئی معصوم نہیں ہے پس نبیؐ کے بعد علیؑ اور حسنینؑ امام ہیں، اور ان کے بعد نو ائمہ ہیں اور حضرت علیؑ نے خود اپنی خلافت کا دعویٰ کیا ہے اور ان کے لئے اپنے دعوے میں صادق ہونا واجب ہے کیونکہ "کذب" ایک رجس ہے اور آیت تطہیر نے اس کی نفی کی ہے،

آیت مودت :۔ سورۂ شوریٰ کی ۲۳ آیت میں ارشاد ہے :

" قل لا اسئلکم علیہ اجراً الّا المودۃ فی القربیٰ "

کتاب ہذا کی پہلی فصل میں اس آیت کی شان نزول بیان ہو چکی ہے کہ یہ علیؑ وفاطمہؑ حسنؑ وحسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت حضرت علی اور حسنؑ وحسینؑ کی امامت پر نص اور واضح دلیل ہے ، اس لئے کہ علیؑ کی محبت واجب ہے اور جس کی مطلق طور محبت واجب ہوتی ہے اس کی اطاعت بھی واجب ہوتی ہے اور جس کی اطاعت واجب ہوتی ہے وہ امام ہوتا ہے پس علیؑ امام ہیں اور اس بات پر امت کا اجماع کہ جس کی اطاعت واجب ہے وہ امام ہے اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے ۔

آیت انذار :۔ آپ کے لئے اتنا کافی ہے کہ مکہ میں اسلام کی کھلم کھلا دعوت اس وقت دی گئی جب خدا نے اپنے رسولؐ پر یہ آیت نازل فرمائی :

" وانذر عشیرتک الاقربین " (سورۂ شعرا آیت ۲۱۴)

رسولؐ نے اپنے قرابت داروں کو اپنے چچا ابوطالب کے گھر دعوت دی اور چالیس افراد اس دعوت میں جمع ہوئے اس مجمع میں رسولؐ کے چچا ابوطالب ، حمزہ ، عباس اور ابولہب بھی تھے ، یہ واقعہ مشہور ہے آخر میں آپ نے فرمایا :

اے بنی عبدالمطلب میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی فلاح لایا ہوں اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی طرف تمہاری راہنمائی کروں ، پس تم میں سے کون اس کام میں میری مدد کرے گا ؟ حضرت علیؑ (کہ جو اس وقت کمسن تھے) نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں آپ کی مدد کروں گا ، رسولؐ نے

علیؑ کا شانہ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی، وصی اور تمھارے درمیان میرا خلیفہ ہے پس اسکی باتوںکو سنو اور اطاعت کرو!"

رسولؐ کی یہ بات سن کر سب ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالبؑ سے کہنے لگے آپ کو اپنے بیٹے کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے

یہ واقعہ اہل سنت کے بہت سے مورخین نے لکھا ہے ـــــ ابن ابی حاتم صاحب تفسیر معتمد، ثعلبی اور ابن جریر طبری نے سورۂ شوریٰ کی تفسیر میں اور طبری نے تاریخ الامم و الملوک کی جلد ۲ ص۲۱۷ پر اس واقعہ کو مختلف طریقوں سے تحریر کیا ہے اور ابن اثیر نے اپنی تاریخ کی جلد ۲ ص۲۲ پر اسے مسلم قرار دیا ہے اور ابوالفدا نے اپنی تاریخ کے ص۱۱۶ پر وہاں ذکر کیا ہے جہاں لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا ہے سے بحث کی ہے اور ابو جعفر اسکافی نے نقض عثمانیہ میں اس کی صحت کی صراحت کے ساتھ لکھا ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کے جز ثالث کے ص۲۲۳ پر تحریر کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے مسند کے جز اوّل کے ص۱۱۱ و ص۱۵۹ پر اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور حاکم نے مستدرک کے جز ثالث کے ص۱۳۲ پر اور ذہبی نے تلخیص میں اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ اگر آپ مزید تفصیل کا اشتیاق رکھتے ہیں تو کنز العمال کی چھٹی اور منتخب کنز العمال کہ جو مسند احمد بن حنبل کی پانچویں جلد پر حاشیہ لگا ہے اس کی پانچویں جلد کا مطالعہ فرمائیں۔

اور یہ حدیث اس بات پر واضح نص ہے کہ نبیؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا تھا کیونکہ بزرگ افراد پر حضرت علیؑ کی اطاعت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب

رسولؐ اللہ نے علیؑ کو خلیفہ مقرر کر دیا ہو، اور جب خاندان عبدالمطلب کے لئے انہیں (علیؑ) خلیفہ مقرر کیا گیا ہے تو دوسرے افراد درمیان میں فاصلہ نہیں بن سکتے ہیں۔

علیؑ کی خلافت پیغمبر کی نظر میں کیا ہے اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم قارئین کے لئے ان تمام آیات کو نقل کرتے جو نبیؐ کے بعد حضرت علی کی امامت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں حالانکہ جتنی ہم نے بیان کر دی ہیں وہ ہمارے مدعیٰ کے لئے کافی ہیں لیکن وہ احادیث جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبیؐ کے بعد علیؑ ہی خلیفہ ہیں ان کی تعداد بے شمار ہے ان میں سے چند آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں،

حدیث غدیر :۔

امام جزری شافعی نے غدیر خم میں حدیث ولایت کو اپنے رسالہ اسنیٰ المطالب فی مناقب علیؑ ابن ابی طالبؑ میں متواتر قرار دیا ہے اور سیوطی نے بھی کتاب المنیر کے جزء ثالث کے شرح جامع الصغیر کے ص۳۵۵ پر اس حدیث کو متواتر تحریر کیا ہے اس حدیث میں نبی نے اپنے بعد علیؑ کی خلافت کی نص فرمائی ہے اور حکومت عامہ میں جو حقوق آپ کو حاصل تھے وہ سب علیؑ کو عطا کئے ہیں۔

حدیث منزلت :۔

اس حدیث کو اہل سنت کے علماء نے صحاح میں متواتر قرار دیا ہے، بخاری نے اپنی صحیح کے جزء ثانی کے ص۱۹۷ باب مناقب علیؑ ابن ابی طالبؑ میں نبیؐ سے روایت کی ہے کہ :

"انہ قال لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبیؐ نے علیؑ کو نبوت کے علاوہ ہارون کے سب مرتبے عطا کئے ہیں کیونکہ نبوت کا سلسلہ ان پر ختم ہوگیا ہے اور خلافت ہارون کے مرتبوں میں سے ہے اس لئے موسیٰ کے بعد ہارون خلیفہ تھے اور ساری قوم پر ان کی اطاعت واجب تھی پس اسی طرح علی نبیؐ کے بعد خلیفہ ہیں اور ساری امت پر ان کی اطاعت واجب ہے ــــ اور ہارونؑ موسیٰؑ کے وزیر تھے اسی طرح علیؑ بھی رسولؐ کے وزیر ہیں اور ہارون جناب موسیٰؑ کے شریک کار تھے اسی طرح علیؑ خلافت میں رسولؐ کے شریک کار تھے ۔ اور جناب ھارونؑ قوم میں ثانی موسیٰؑ تھے اسی طرح امت میں علیؑ بھی ثانی رسولؐ تھے ہارونؑ نے موسیٰؑ کی مدد کی اسی طرح علیؑ نے رسولؐ کی مدد کی ، ھارون موسیٰؑ کے بھائی تھے علیؑ بھی رسولؐ کے بھائی تھے جیسا کہ حدیث مواخات سے ثابت ہے اور نبیؐ نے نبوت کے علاوہ اخوت کو مستثنیٰ نہیں فرمایا ہے ہارون قوم موسیٰؑ میں خدا و موسیٰؑ کے نزدیک سب سے افضل تھے اسی طرح علیؑ امت نبیؐ میں خدا اور رسول کے نزدیک سب سے افضل تھے ھارونؑ موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں موسیٰؑ کے قائم مقام تھے علیؑ بھی نبیؐ کی عدم موجودگی میں کلی طور پر نبیؐ کے قائم مقام تھے ہارون معصوم تھے علیؑ بھی معصومؑ تھے اور امامت معصوم ہی کو مل سکتی ہے پس متعین ہوگیا کہ علیؑ امام ہیں ۔

یہ تھیں وہ منزلتیں جو موسیٰؑ کی طرف سے ھارون کو ملی تھیں اور ان میں کوئی بھی ہارون کا شریک نہ تھا جیسا کہ قرآن سورۂ طٰہٰ آیت ۲۹ اور بعد والی آیتوں سے اس کی تاکید کر رہا ہے : " واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی الخ "

" اور میرے اہل میں سے میرا وزیر قرار دیدے ھارونؑ کو کہ جو میرا بھائی بھی ہے

ہے اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے اور اسے میرا شریک کار بنا دے "
پس علیؑ اس نص کی رو سے امت میں خلیفۂ رسولؐ ہیں اور ان کے وزیر و شریک کار ہیں امت محمدیؐ میں سب سے افضل ہیں شریعت کی نشر و اشاعت میں آپؐ کے قائم مقام ہیں اور جس شخص کے پاس ایمان راسخ ہے اس کے لئے اس سلسلہ میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے چنانچہ ارشاد رسولؐ ہے :

" اے علی میرے بعد تم ہی خلیفہ ہو "

یہ الفاظ احمد بن حنبل نے اپنی مسند کے جزء اوّل کے ص ۳۳۰ پر ابن عباس سے نقل کئے ہیں اور حاکم نے اپنی مستدرک کے جزء ثالث کے ص ۱۳۴ پر اور ذہبی نے اپنی تلخیص میں اور حاکم و ذہبی نے بخاری و مسلم کی شرط پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے اور نبیؐ کے بعد علیؑ کی خلافت پر نص ایسی ہو جس کی تاویل نہیں کی جا سکتی ہے ،

حدیث محبت :-

" یا علی لایحبک الا مومن و لا یبغضک الا منافق "

" اے علیؑ تم سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہو گا اور تم سے وہی بغض رکھے جو منافق ہو گا "

یہ حدیث بھی نبی کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت پر چند طریقوں سے دلالت کر رہی ہے

(۱) نبیؐ نے اپنی امت کے ایمان کا معیار حب علیؑ کو قرار دیا ہے اور صاف طور سے یہ فرمایا ہے جو علیؑ سے محبت نہیں رکھتا وہ مومن نہیں ہے اور جس کی محبت واجب ہوتی ہے اس کی اطاعت بھی لازمی طور پر واجب ہوتی ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے :

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی"

" کہدو اے رسولؐ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو! "

پس علیؑ کی محبت واجب ہے اور جس کی محبت واجب ہوتی ہے اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے اور جس کی اطاعت واجب ہوتی ہے وہ امام ہوتا ہے پس علیؑ امام ہیں

(۲) پس جب امت پر علیؑ کی اطاعت واجب ہے تو پھر پوری امت یا امت کے کسی ایک فرد کو ان پر سبقت کرنے کا حق نہیں ہے کہ جس کی اطاعت واجب ہو۔

(۳) اپنے مفہوم و منطوق کے لحاظ سے حدیث کی دلالت اس بات پر ہے کہ افضل کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ فاضل کی اقتدا کرے چہ جائیکہ مفضول کی، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ علیؑ کی اطاعت واجب ہے پس علی کا افضل ہونا ثابت ہے

(۴) امت پہ علیؑ کی اطاعت واجب ہے اور علیؑ کو چھوڑ کر دوسروں کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے

(۵) علیؑ تمام انبیاء کی صفات کا مرکز ہیں یہ وہ حدیث ہے جس کو اہل سنت کے علماء حدیث نے صحیح قرار دیا ہے اور موافقین و مخالفین دونوں نے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا:

" جو چاہتا ہے آدمؑ کو علم میں نوحؑ کو اطاعت میں، ابراہیمؑ کو خلت میں، موسٰیؑ کو ہیبت میں، عیسٰیؑ کو صفوت میں دیکھے اسے چاہیئے کہ وہ علیؑ کی طرف نظر کرے "

اگر آپ شوق رکھتے ہیں تو محب الدین طبری کی ریاض النضرہ کے جزء ثانی ص۲۱۸ اور فخر رازی کی تفسیر کبیر کے جزء ثانی کے ص۴۷۲ پر آیت مباہلہ کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا،

کہ انبیاء، اولوالعزم کے تمام صفات علی میں جلوہ گر ہیں ـــــ علیؑ انبیاء سے افضل ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یہ صفات معصوم ہی میں جمع ہو سکتے ہیں اور نبی نے فرمایا ہے کہ تمام صفات علیؑ میں موجود ہیں تاکہ لوگ آپ کی عظمت و منزلت کو ملاحظہ کر سکیں ، آپ نبیؐ کے بعد امت کے امام و سردار ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور حدیث محبت کی حدیث طائر بھی توثیق کر رہی ہے یہ بھی مشہور حدیث ہے جس کو حاکم نے ، مستدرک کے جزء ثالث کے صـ۱۳۲ پر بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور بغوی نے اپنی سنن کے صـ۲۱۳ پر نبیؐ سے روایت کی ہے کہ نبی کو کسی نے بھنا ہوا پرندہ ہدیہ کیا تو نبیؐ نے فرمایا :

" بارالہا ! اس شخص کو بھیج دے جو تیرے اور میرے نزدیک محبوب ہو تاکہ وہ میرے ساتھ (بھنا ہوا) پرند کھائے پس علیؑ آئے اور نبیؐ کے ساتھ وہ پرندہ تناول فرمایا "

اور اس میں شک نہیں ہے کہ خدا اور رسول کا محبوب امامت کا زیادہ حقدار ہوتا ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ متقی ہوتا ہے اور ایسا شخص عنداللہ معظم ہوتا ہے ،

حضرت علیؑ کے دس امتیازات

ان آیات وبینات اور واضح احادیث کے بعد نصوص میں سے ہمارے لئے وہ حدیث کافی ہے جس کو احمد بن حنبل نے مسند کے جزاوّل کے ص۳۳۰ پہ اور نسائی نے خصائص علویہ کے ص۶ پر اور حاکم نے مستدرک جز ثالث کے ص۱۳۲ پر اور ذہبی نے، اپنی تلخیص میں شیخین کی شرط پر اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے اور دوسرے علمائے اہل سنت نے بھی اس حدیث "بضع عشر فضائل لم تکن لاحد غیر علیؑ "، کی صحت کا، اعتراف کیا ہے، عمرو بن میمون سے منقول ہے کہ میں ایک روز ابن عباس کے پاس بیٹھا تھا کہ ۹ افراد کا ایک گروہ آیا اور کہنے لگا اے ابن عباس یا تو آپ علیحدگی میں ہماری بات سنئے یا یہاں سے دوسرے لوگوں کو ہٹا دیجئے! ابن عباس نے کہا میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں وہ اس وقت صحیح وسالم اور اس وقت وہ آنکھوں سے معذور نہ ہوئے تھے، ہمیں نہیں معلوم ان میں کیا گفتگو ہوئی، پس ابن عباس اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے آئے اور کہہ رہے. اف، تف، تم اس شخص کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جس میں دس فضیلتیں ایسی ہیں جو ان کے غیر میں نہیں ہیں اور اس شخص کے متعلق لڑ رہے ہو جس کے متعلق رسولؐ نے فرمایا، کل میں اس شخص کو بھیجوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے پس لوگ اس کی تمنا کرنے لگے لیکن رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ کہاں ہیں ؟ علیؑ تشریف لائے جب کہ آپ کی آنکھیں پرآشوب تھیں جس سے وہ خود سے

دیکھ نہیں سکتے تھے پس رسولؐ نے آپ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا پھر تین مرتبہ پرچم کو حرکت دی اور پھر حضرت علیؑ کو عطا کیا پس علیؑ صفیہ بنت حی کو لیکر حاضر خدمت ہوئے ابن عباس کہتے ہیں رسولؐ نے ایک شخص کو سورۂ توبہ دے کر روانہ کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد علیؑ کو روانہ کیا، اور علیؑ نے اس شخص سے سورہ توبہ لے لیا، رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اس سورہ کو وہی لے جائے گا جو مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں — ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے اپنے چچا زاد بھائیوں سے فرمایا تم میں سے کون میرا دنیا و آخرت میں مددگار ہوگا ؟

ابن عباس کہتے ہیں کہ علی بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے سب نے مدد کرنے سے انکار کر دیا تو علیؑ نے فرمایا میں دنیا و آخرت میں آپ کی مدد کروں گا، تو رسولؐ نے فرمایا: تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہو" اس کے بعد رسولؐ نے پھر فرمایا اور یہی جملہ دہرایا جس پر صرف علی ہی نے لبیک کہا، پس رسول نے علیؑ سے فرمایا: " تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہو" ابن عباس کہتے ہیں کہ علیؑ خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اظہار ایمان کرنے والے ہیں — رسولؐ نے ایک چادر کے نیچے علیؑ و فاطمہؑ اور حسن و حسینؑ کو جمع کر کے فرمایا :

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس ویطھرکم تطھیراً "

علیؑ کا نفس خرید اگیا اور علیؑ چادر رسولؐ اوڑھ کر بستر رسولؐ پر سو گئے اور مشرک دیکھتے ہی رہے اور جب نبیؐ دوسرے لوگوں کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو حضرت علیؑ نے عرض کی میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گا نبیؐ نے فرمایا کہ تم مدینہ ہی میں رہو یہ بات سن کر علیؑ رونے لگے تو نبیؐ نے فرمایا :

" کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کیلئے ہارون

تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا میری شرکت کے بغیر کام نہیں چلے گا اور تم مدینہ میں میرے خلیفہ و جانشین ہو اور میرے بعد ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو "

پھر ابن عباسؓ نے کہا کہ نبیؐ نے سوائے علیؑ کے مسجد میں کھلنے والے تمام لوگوں کے دروازے بند کرا دیئے تھے، پس حضرت علیؑ ہر حالت میں مسجد سے گذرتے تھے کیونکہ وہی انکا راستہ تھا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا، ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی نے فرمایا: "جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں "

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح السند ہے اور اس کو ذہبی نے تلخیص و مستدرک میں نقل کیا ہے اور اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے، اور جو چیز قطعی طور پر نبیؐ کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت پر دلالت کر رہی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور علیؑ کو نبی کے بعد ریاست و حکومت کے وہی حقوق حاصل ہیں جو نبیؐ کو اپنی حیات میں حاصل تھے، ان نصوص کے علاوہ کہ جو اہل سنت و شیعہ کے نزدیک متواتر ہیں اور بھی بہت سی نصوص ہیں جو ایک ہی معنیٰ پر دلالت کر رہی ہیں اور وہ یہ کہ علیؑ نبیؐ کے بعد ولی امر ہیں انہیں امت پر ایسے ہی ولایت عامہ حاصل ہے جیسے نبیؐ کو حاصل تھی ۔

علیؑ اور علمائے اہلسنت

اہل سنت کے یہاں بہت سی احادیث ہیں جو نبی کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے نصوص صریح کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے بعض کے نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے تاکہ قارئین خود اپنی آنکھوں سے حقیقت کو دیکھ لیں، حاکم نے مستدرک کے جز ثالث کے ص ۱۲۹ پر اور ثعلبی نے آیت "انما ولیکم اللہ و رسولہ" کی تفسیر میں اور متقی ہندی نے کنز العمال کے جز سادس کے ص ۱۵۳ پر نبی سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے علیؑ کا بازو پکڑ کر فرمایا: "نیک لوگوں کے امام فاجروں کے قاتل جو ان کی مدد کرے گا اس کی مدد کی جائیگی جو انہیں رسوا کرنا چاہے گا وہ خود ذلیل ہوگا اور پھر آپ کی آواز بلند ہو گئی"

حاکم نے مستدرک کے جز ثالث ص ۱۳۸ پر بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور متقی ہندی نے کنز العمال کے جز سادس کے ص ۱۵۷ پر نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"علیؑ کے بارے میں خدا نے مجھے تین باتوں کی وحی کی ہے (۱) علی سید المسلمین ہیں (۲) امام المتقین ہیں (۳) اور نورانی چہرہ والوں کے قائد ہیں"

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء کے جز اول کے ص ۶۷ پر، اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جز ثانی کے ص ۴۴۹ پر نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"خداوند عالم نے علیؑ کے بارے میں مجھ سے فرمایا ہے کہ علیؑ ہدایت

کے پرچم، میرے اولیا، کے امام، اور میری اطاعت کرنے والوں کا
وہ کلمہ ہے جو متقین کے لئے لازم کیا گیا ہے جس نے اس سے
محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے اس سے بغض رکھا اس
نے مجھ سے بغض رکھا"

متقی ہندی نے کنز العمال کی جلد ۶ کے ص۱۵۶ پر اور طبرانی نے کبیر میں سلمانؓ و ابوذرؓ سے اور بیہقی نے اپنی سنن میں نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہ مجھ پر سب سے پہلے ایمان لائے ہیں اور یہی قیامت میں سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے، یہ صدیق اکبر ہیں اس امت میں، یہ فاروق ہیں کہ جو حق و باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں، یہ یعسوب المومنین (مومنین کا بادشاہ) ہیں"

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیا، کے جز سادس کے ص۶۳ پر نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے گروہ انصار میں تمھاری ہدایت اس چیز کی طرف کرتا ہوں کہ اگر تم
اس سے تمسک ہو گئے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے او ر(وہ) یہ علیؑ ہیں پس
تم میری محبت کے سبب ان سے محبت اور میرے اکرام کے سبب
ان کا اکرام کرو! جبرئیل نے مجھے اس کا حکم دیا ہے"

حاکم نے مستدرک کے جز ثالث کے ص۱۲۸ پر بخاری و مسلم کی شرط پر اور ذہبی نے اپنی تلخیص میں رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے علیؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"اے علیؑ تم دنیا و آخرت میں سید ہو، تمہارا دوست میرا دوست اور میرا دوست خدا کا دوست ہے اور تمہارا دشمن میرا دشمن اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے وئیل ہو میرے بعد تم سے بغض رکھنے والے پر"

حاکم نے مستدرک صحیحین کے جزء ثالث کے ص۱۲۸ پر نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے سرکشی کی اس نے خدا سے سرکشی کی اور جس نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے تم سے سرکشی کی اس نے مجھ سے سرکشی کی"

متقی ہندی نے کنز العمال کے جزء سادس کے ص۱۴۵ پر اور طبرانی نے کبیر میں اسے روایت کی ہے کہ آپؐ نے عمار یاسرؓ سے فرمایا:

"جو شخص مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی میں اسے علیؑ کی ولایت کی وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ جس نے اس سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جو اسے دوست رکھتا ہے وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور جو مجھے دوست رکھتا ہے وہ خدا کو دوست رکھتا ہے اور جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے خدا کو غضبناک کیا"

متقی ہندی نے کنز العمال کے جزء سادس کے ص۱۵۵ پر اور طبرانی نے کبیر میں نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

" جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اس کو علیؑ سے محبت رکھنا چاہیئے کیونکہ اس کی ولایت میری ولایت ہے اور میری ولایت اللہ کی ولایت ہے "

اور حاکم نے مستدرک کے جز ثالث کے صفحہ ۱۲۲ پر اور متقی ہندی نے کنز العمال کے جز سادس کے صفحہ ۱۵۶ پر نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا :

" اے علیؑ تم میرے بعد میری امت کے اختلافی مسائل کو حل کرو گے "

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دس حدیثیں حضرت علیؑ کی امامت پر نصوص صریح کی حیثیت رکھتی ہیں اور آپ کی اطاعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے اور آپ سے روگردانی خدا اور رسولؐ سے روگردانی ہے اور آپ کو رسولؐ سے وہی نسبت ہے جو رسولؐ کو خدا سے ہے جیسا کہ قول رسولؐ ہے "(علیؑ) تم میرے بعد میری امت کے اختلافی مسائل کو بیان کرو گے "

اور قرآن مجید میں سورہ نحل کی آیت ۶۴ میں خداوند عالم کا ارشاد ہے :

" وما انزلنا علیك الكتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه "

اگر ہم حضرت علیؑ کے سلسلہ میں وارد ہونے والی آیات و روایات کو جمع کریں جو اہل سنت نے نبیؐ کے بعد آپ کی امامت کے متعلق نقل کی ہیں تو اس کے لئے الگ کتاب کی ضرورت ہو گی جبکہ سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں ــــ ان کو شمار کرانا بھی مشکل ہے کیونکہ اہل سنت کی بڑی تعداد نے خامہ فرسائی کی ہے ، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نبیؐ سے ایسی روایات نقل کی ہیں ، کہ جو آپ کے بعد حضرت علیؑ کی امامت پر کھلی

دلیل اور واضح نصوص کی حیثیت رکھتی ہیں، ان پر علم منقول کا ماہر اصول کی کسی دلیل سے یا علم رجال کے لحاظ سے ان کی اسناد پر خدشہ ظاہر نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی تاویل کی جا سکتی ہے۔

اہل سنت کے چوٹی کے عالم امام ثعلبی اپنی کتاب ثمار القلوب طبع ۱۳۲۶ھ کے ص۶۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے فضائل کی بکثرت مثال دی جاتی ہے، جاحظ کہتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی شخص نہیں جانتا ہے کہ اسلام میں سبقت و تقدم حضرت علیؑ کے علاوہ کس کو حاصل ہے اور جب بہادری و شجاعت سے اسلام کی حمایت و حفاظت کا تذکرہ ہوتا ہے تو حضرت علیؑ کا نام نامی آتا ہے اور جب دین میں فقہ کا سوال اٹھتا ہے تو سب سے پہلے حضرت علیؑ کا نام لیا جاتا ہے اور جب اموال (کہ جس کے بارے میں لوگ جان دیتے ہیں) میں زہد کا تذکرہ ہوتا ہے تو حضرت علیؑ کا نام پیش کیا جاتا ہے اور جب سخاوت کا ذکر آتا ہے تو حضرت علیؑ کا نام لیا جاتا ہے۔

ابن حجر ہیثمی صواعق کے نویں باب کی دوسری فصل کے ص۱۱۸ پر حضرت علیؑ کے فضائل کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ ان کے فضائل مشہور ہیں ـــ امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ جتنے فضائل علیؑ کے بیان ہوئے ہیں اتنے کسی اور (صحابی) کے بیان نہیں ہوئے ہیں، قاضی اسماعیل نسائی و ابو اسماعیل نیشاپوری کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے بارے میں کسی صحابی کے فضائل حسن اسناد کے ذریعہ بیان نہیں ہوئے ہیں، یہاں آپ کے فضائل کے سلسلہ کی چالیس احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ

ہمارے استدلال اور گفتگو کے خلاصہ سے ثابت ہوگیا کہ علیؑ نفس رسولؐ ، ان کے بھائی وزیر ، اور آپ کے بعد امام المتقین ، سید المومنین اور اس کے مولیٰ ہیں جس کے اللہ و رسولؐ مولا ہیں ، اور دنیا پر خدا کی حجت و ھادی ہیں ، اور لوگوں کے دینی و دنیوی اخلاقی مسائل کو بیان کرنے والے ہیں ، باب ایمان ہیں ، قرآن کے ہمراہ ہیں ، انہیں رسولؐ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی ، وہ عروۃ الوثقیٰ ہیں کہ جس میں کوئی خدشہ نہیں ہے ایمان کے منارہ اور پرچم ہدایت ہیں ، صدیق اکبر اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں ، آپؑ اور آپ کی اولاد ثقلین کا جز ہیں ، ان کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے روگردانی کی وہ ہلاک ہوا ،

گیارہ امام آپ کی اولاد سے ہیں ، "آیۃ تطہیر و آیت مباہلہ" دونوں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسکو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے عطا کرتا ہے وہ تو عظمت والا ہے ، وہ رسولؐ کے وصی ہیں جس نے ان کی مدد کی ، اس کی مدد کی گئی جس نے انہیں رسوا کرنا چاہا وہ ذلیل ہوا جدھر جدھر علیؑ مڑتے ہیں ادھر حق مڑتا ہے۔

حدیث وصیت :-

حدیث وصیت بھی مشہور حدیثوں میں سے ہے جسکو ذہبی نے شریک کے احوال کے ذیل میں میزان الاعتدال میں ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی شرح فتح الباری کی آٹھویں

جلد کے ص۱۰۶ پر اور متقی ہندی نے کنزالعمال کی چھٹی جلد کے ص۱۵۳ و ص۱۵۴ و ص۳۵۱ پر اور منتخب کنزالعمال مسند احمد ابن حنبل کی پانچویں جلد کے ص۳۱ و ص۳۲ پر اور اہل سنت کے بزرگ علما نے نقل کیا ہے

ابونعیم نے حلیۃ الاولیا کی پہلی جلد میں فضائل علیؑ کے سلسلہ میں رسولؐ سے روایت کی ہے آپؐ نے علیؑ کے متعلق فرمایا: "وہ عروۃ الوثقیٰ ہیں"

یہ ہیں وہ روایات واحادیث جنہیں اہل سنت کے مفسرین نے اپنی کتب وتفاسیر میں نقل کیا ہے اور یہی ہیں احادیث وآیات جن کی بنا پر شیعوں کی گردن اس لئے پکڑی جاتی ہے کہ وہ نبیؐ کے بعد حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کی خلافت کے معتقد ہیں۔ اور یہی وہ آیات واحادیث ہیں کہ جو دنیوی وآخروی معاملات میں انہیں (ائمہ اہل بیتؑ) کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتی ہیں،

اثبات امامت :۔

اگر یہ دلیلیں نبیؐ کے بعد ائمہ اہل بیت کی امامت کو ثابت نہیں کرتی ہیں اور آپ نبیؐ کی نبوت کو اس شخص کے سامنے ثابت کریں کہ جو اہل کتاب میں سے آپ سے نبیؐ کے بارے میں حجت لڑائے اور وہ ان کا کوئی معجزہ تسلیم نہ کرے اور فقط قرآن کو تسلیم کرتا ہے لیکن اللہ کا کلام نہیں مانتا ہے بلکہ رسولؐ کا کلام قرار دیتا ہے اور اسے معجزہ نہیں مانتا ہے پس اگر آپ کو کتاب سے کوئی دلیل ملتی ہے کہ جو اس کے لئے حجت ہو تو ہم بھی اس کی آیات بینات کو ترتیب وار ذکر کر چکے ہیں کہ جو علیؑ اور گیارہ اماموں کی امامت کا اعلان کر رہی ہیں اور یہ نبیؐ کی ایسی حدیثیں ہیں کہ جن کی صحت تمام مسلمانوں کے لحاظ سے

ثابت ہے اور یہ نبیؐ کے بعد ائمہ اہل بیت کی امامت کا ببانگ دھل اعلان کر رہی ہیں پس منصف مزاج لوگوں کو انصاف سے کام لیکر اللہ و رسولؐ کا اتباع کرنا چاہیے ،

ائمہ اہل بیت انبیاء سے افضل ہیں

شیعہ رسولؐ کے علاوہ اپنے ائمہ کو تمام انبیاء سے افضل سمجھتے ہیں ان کی دلیل کتاب خدا سے ہے ــــ حضرت ابراہیمؑ نے جب خدا سے اپنی ذریت کے لئے امامت کا سوال کیا تھا جیسا کہ خداوند عالم نے سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴ میں فرماتا ہے :

"انی جاعلك للناس اماماً قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین" ۝

حضرت ابراہیمؑ نے نبوت کے بعد مرتبۂ امامت پایا تھا اور اپنی ذریت کے لئے بھی امامت کا سوال نبوت کے بعد ہی کیا تھا اور آپ نے یہ سوال وحی کی بنا پر کیا تھا کیونکہ امامت عامہ مرتبۂ نبوت سے بلند ہے

اسی حیثیت سے نبیؐ کے بعد ائمہ اہل بیت کی امامت کا بھی مذکورہ نصوص کی رو سے ہے ائمہ کی اہل بیت کی امامت رسولؐ کی امامت کی فرع ہے کہ جو اصل اور بلند مرتبہ ہے اس لئے کہ رسولؐ تمام انبیاء سے افضل اور خاتم النبین ہیں، پس نبیؐ کی امامت اصل اور آئمہ

اہل بیت کی امامت اس کی فرع ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو اصل کا مرتبہ ہے وہی فرع کا مرتبہ ہے ورنہ نبیؐ کے وہ اس منصب (امامت) کے متحمل ہی نہیں ہو سکتے اور جب اہل بیت نبیؐ کے بعد امام ہیں تو ان کی امامت بھی کامل الدرجات و مراتب ہو گی۔ اور واجب ہو گا کہ وہ ائمہ اہل بیت انبیاء سے افضل ہوں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ منصب امامت منصب نبوت کے بعد حاصل ہوتا ہے، اور امامت کو نبوت سے جدا کرنا اس قول کے منافی ہے کہ بلند مرتبہ (کا امامت) استحقاق کہ جو متفرع ہے منصب نبوت پر

اور یہ استحقاق آئمہ اہل بیتؑ نبوی میں ثابت ہے یہاں صرف ختم نبوت مانع ہے اور یہ رسولؐ کے لئے ثابت ہے ہماری اس بات کی تائید رسولؐ کا یہ قول کر رہا ہے جو آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا " حدیث منزلت (انت منی بمنزلة هارون موسیٰ الا انه لا نبی بعدی"، اور بعض متون میں ہے کہ (لو کان لکنته) یعنی اگر میرے بعد نبی ہوتا تو تم ہوتے، کلمہ لو نبی کے بعد امتناع نبوت پر دلالت کر رہا ہے جیسا کہ حدیث صراحت کر رہی ہے اسی لئے هارون نبیؑ تھے گویا وہاں کوئی مانع نہیں تھا جبکہ یہاں مانع ہے "

ائمہ اہلبیت اور علم غیب

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ائمہ زمین پر خدا کی حجتیں اور اس کے خلیفہ ہیں، اور نبیؐ کی شریعت کے ناشر و محافظ ہیں، شیعہ ائمہ کو انبیاء قرار نہیں دیتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ شیعوں پر بہتان باندھتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ رسولؐ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور ان کے بعد کوئی نبیؐ نہیں ہوگا لیکن وہ تعلیم رسولؐ کے لحاظ بعض غیب کی خبریں بیان کرتے ہیں اور خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ایسی ہی چیزیں انبیاء و خلفائے انبیاء کے ہاتھوں پر جاری ہوتی ہیں جو بطور تحدی ان کی امامت کی تصدیق اور معجزہ ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ چیز عقلی و شرعی طور پر ممتنع بھی نہیں ہے جناب عیسیٰ اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا بخشتے تھے اور حکم خدا سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور جو لوگ اپنے گھروں میں کھانے ذخیرہ کرتے اس کو بیان کرتے جیسا کہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے اور انہوں نے گہوارہ میں خدا کی قدرت سے لوگوں سے گفتگو کی پس جو فعل عیسیٰؑ انجام دے سکتے ہیں وہ اہل بیت کیسے انجام نہیں دے سکتے جبکہ اہل بیت عیسیٰؑ سے افضل ہیں جیسا کہ اس سلسلہ میں مفصل بحث گذر چکی ہے اور خلفاء و اولیائے معصومین اہل بیت کے ہاتھوں پر معجزہ کا ظاہر ہونا ممتنع نہیں ہے بلکہ یہ ان کے دعوائے امامت کی تصدیق کے اثبات کے لئے ضروری ہے

ہم تعصب و بغض رکھنے والے سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں، شیعہ اور ازواج و

اصحاب نبیؐ عادل ونیک منش اور صالح ہیں اور اصحاب نبی کو شیعہ واجب الاحترام سمجھتے ہیں ،
اور ان سے عداوت رکھنے، فحش کہنے اور ان کی شان میں گستاخی کو کفر وضلالت اور
دائرہ دین سے خارج ہونے کا سبب سمجھتے ہیں

کیونکہ اس عداوت کا سلسلہ نبیؐ پر ختم ہوتا ہے اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا
ہے ازواج نبیؐ امہات المومنین ہیں جیسا کہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے
پس جو شخص ان میں کسی کو اپنے لئے حلال سمجھے وہ مسلم ومومن نہیں ہے ،

معاد

معاد :- یعنی انسان کا دوبارہ وجود میں آنا اور فنا کے بعد حساب کے لئے دوبارہ موجود ہونا ، انسان کے اعضا معدوم ہو جاتے ہیں شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اجسام اپنی اسی شکل وصورت اور اسی گوشت و ہڈی ، اسی نفس و روح کے ساتھ پلٹائے جائیں گے ، اور وہ سب روز قیامت خدا کے سامنے کھڑے ہونگے جہاں ان کے چھوٹے بڑے مخفی و آشکار اعمال کا حساب ہوگا مطیع کو اس کی اطاعت کی اور گناہگار کو اس کے گناہ کی جزا دی جائے گی ، قرآن نے بہت سی آیتوں میں اس کی صراحت کی ہے اور متواتر حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ معاد کا واقع ہونا حق ہے اور عقل بھی اس کا حکم لگاتی ہے ، سورۂ یٰسین کی آیت ۷۸ و ۷۹ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

"من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ"

اور سورۂ اعراف کی آیت ۲۹ میں ارشاد ہے :

"کما بدأکم تعودون"

حدیث :- رسولؐ فرماتے ہیں :

"تم ایسے ہی مر جاؤ گے جیسے سوتے ہو اور ایسے تم اٹھائے جاؤ گے جیسے تم بیدار ہوتے ہو"

اگر معاد نہ ہوگی تو تکلیف کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور تکلیف عبث و لغو قرار پائیگی

اس کا باطل ہونا واضح ہے تکلیف کی ضرورت بدلہ و عوض کی ضرورت کا اقتضیٰ کرتی ہے پس معاد کا وجود واجب ہے تاکہ محسن کو احسان کی اور گناہگار کی جزا دی جائے اور اس حیات و زندگی میں جزا نہیں دی جا سکتی ہے کیونکہ دنیا مکدرات سے لبریز ہے بہت سے افراد کو ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا اشرار کے ہاتھوں میں ہے اور نیک لوگوں سے دنیا نے منھ موڑ لیا ہے — معاد کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے جس طرح اس چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا جو قرآن میں نازل ہوا ہے اور سنت قطعیہ میں بیان ہوا ہے جیسے صراط، میزان، اعضاء و جوارح کا کلام کرنا اور اعمال نامہ کا کردار کی گواہی دینا، جنت و جہنم، برزخ کی نعمت اور اس کا عذاب، حوض اور اعمال کا لکھا جانا وغیرہ "

گیارہویں فصل اصول عملیہ :— اصول عملیہ چار ہیں

(۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع (۴) عقل

کتاب : شیعہ نصوص و محکمات قرآن پر عمل کرتے ہیں۔ اور ناسخ و منسوخ اور متشابہ کو، وہ آئمہ اہل بیت نبوی سے سمجھتے ہیں اور جس چیز پر نص نہیں ہوتی ہے اس میں توقف کا حکم لگاتے ہیں اگر ظاہر ہے، یا اس کی تفسیر وارد نہیں ہوئی تھی تو یہاں وہ دلیل عقل سے کام لیتے ہیں،

سنت :— قول رسولؐ، فعل رسول، تقریر کو کہتے ہیں جس کو آپ کے اہل بیت اور امین و عادل اصحاب نے بیان کیا ہے،

اجماع :— شیعوں کے نزدیک وہ اجماع حجت ہے جو قول معصوم کا کاشف ہو یا خود معصوم اس مجمع شامل ہو یہ اجماع بالتضمن دلالت کرے گا، مجمع کی تعداد کم ہو یا زیادہ اہم صرف معصوم کی

شمولیت ہے کہ علماء کی کثرت معصوم کی شمولیت کے علاوہ کسی اجماع کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ غیر معصوم سے خطا سرزد ہو سکتی ہے اس لئے ان کی کثرت واقع تک نہیں پہنچا سکتی

میری امت سے خطا :۔

لیکن یہ حدیث کہ میری امت کبھی خطا یا ضلالت پر اجماع نہیں کرے گی جیسا کہ ترمذی نے روایت کی ہے تو اس حدیث کے راوی ضعیف ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے اہل سنت کے نقادِ حدیث نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے

(۱) برائت (۲) استصحاب (۳) اشتغال (۴) تخییر ترجیح وغیرہ جو اصول فقہ کی کتابوں میں مفصل مرقوم ہیں ،

بہت سے قواعد ہیں جن سے گذشتہ اور موجودہ علماء نے مدالیل، احادیث و مضامین اخبار سے احکام شرعی کا استنباط کیا ہے ان قواعد کی تفصیل شیعوں کی اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے اس مختصر کتاب میں ان کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی ۔ شیعوں کے علاوہ مذاہب اربعہ والے ان سے کوئی استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے دروازۂ اجتہاد ہی بند کر دیا ہے وہ مذاہب اربعہ کے فتاویٰ پر باقی ہیں اور ان کے علاوہ انہوں نے دوسرے فتاویٰ کو اجماع کے لحاظ سے حرام قرار دے دیا ہے جیسا کہ علامہ مقریزی نے خطط کی چوتھی جلد کے ص۱۶۱ پر ملک ظاہر سے کہ جو قاہرہ مصر میں چار قاضیوں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کے افسر تھے نقل کیا ہے

۶۶۵ھ سے یہ بات استمرار پا گئی کہ مسلمانوں کے تمام شہروں میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب کو لوگ نہیں مانتے ہیں اور صرف اشعری عقیدہ سے واقف ہیں ــــ لکھتے ہیں

اگر کوئی شخص دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے تو اسے جبراً انہیں مذاہب اربعہ کی طرف پلٹا کر لایا جاتا ہے اور اسے قاضی کا عہدہ نہیں دیا جاتا ہے اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے خطابت و امامت و معلمی کی ذمہ داری اسی کے سپرد کی جاتی ہے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد ہوتا ہے تمام شہروں کے فقہا نے اس طویل مدت میں انہیں مذاہب کا اتباع کرنے کا فتویٰ دیا ہے اور دوسرے مذہب پر عمل کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

بارہویں فصل :-

اہل سنت کی شیعوں سے پرخاش

اہل سنت مذہب شیعہ کا انکار کرتے ہیں کہ شیعوں نے اصول دین میں مذہب اشعری کی اور فروع دین میں مذاہب اربعہ کی تقلید نہیں کی ہے، اہل سنت کا کہنا ہے کہ اگر شیعہ اہل سنت کا اتباع کرتے ہوئے ان مذاہب اربعہ کو اختیار کر لیتے تو امت کی ایک بات ہوتی اور اس کی اجتماعی طاقت بن گئی ہوتی۔

جو بات ہمارے سنی بھائیوں پر ناگوار گذری ہے وہ صرف یہ ہے کہ شیعوں نے، اصول دین میں مذہب اشعری اور فروع دین میں مذاہب اربعہ کا اتباع کیوں نہیں کیا — شیعوں نے یہ کام کسی مذہبی تعصب کی بناء پر نہیں کیا ہے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ہم شرعی دلیلوں کے سامنے سراپا تسلیم اور اس کے حکم کے تابع ہیں، کچھ وہ دلیلیں تھیں جو شیعوں پر اس لئے لادی

جاتی ہیں کہ وہ مذاہب اربعہ اختیار کرلیں، اور ان کے سامنے شیعوں کو سر خم کر دینا چاہیئے اور ان سے منحرف نہیں ہونا چاہیئے ،

لیکن جو دلیلیں شیعہ اہل سنت کے سامنے اصول و فروع دین اور اس کے احکام آداب اور علوم کے سلسلہ میں مذہب اہل بیتؑ کے قبول کر لینے کے لئے پیش کرتے ہیں وہ اتنی ٹھوس ہیں کہ ان کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی راہ فرار نہیں ہے اگر اہل سنت کی دلیلیں ائمہ اہل بیت کے خلاف کتاب و سنت سے ہوتیں یا شیعہ اپنے اعمال کو قربۃً الی اللہ انجام دینے پر قادر نہ ہوتے تو وہ جمہور کی بات کو ضرور تسلیم کر لیتے کیونکہ انہیں حق سے کوئی عداوت تو ہے نہیں لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں، قطعی دلیلیں ان کے اور اہل سنت کی خواہشات کے درمیان حائل ہیں، انہوں نے مسلمانوں کی دلیلوں کا بغور مطالعہ کیا اور ایک بصیرت رکھنے والے محقق کی طرح انہیں اچھی طرح پرکھا جب شیعوں کو ان میں کوئی ترجیح نظر نہ آئی ۔ بس یہی ملا کہ وہ عادل مجتہد ہیں ۔ اگر اتنی ہی بات کافی ہے کہ تو یہ اس بات کی دلیل تو نہیں ہے کہ تمام مسلمانوں کیلئے یہی مذاہب واجب ہیں یہی متعین ہیں ان کے علاوہ دوسرے ، عادل مجتہد کی طرف رجوع ہی نہیں کیا جا سکتا ، جبکہ اہل سنت کے نزدیک اور بہت سے عادل مجتہدین ہیں جیسے امام رازی ، امام ثعلبی ، خاتم حفاظ ، اہل سنت ابن حجر عسقلانی اور بہت سے ان کے عظیم علماء میں اس کی مثال مل جائے گی تو پھر ان مجتہدین کی طرف کیوں رجوع نہیں کیا جا سکتا ہے اور جمہور کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوگئی کہ وہ چاروں مجتہدین ان علماء سے زیادہ علم رکھتے تھے ۔ چھوڑیئے ان کو آپ ہمارے ساتھ رسولؐ کا قول ملاحظہ فرمایئے کہ ان کا قول حق اور ان کا حکم فیصل ہے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے :

"جو رسولؐ تمھارے پاس لائیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے
باز رہو" (سورۂ حشر آیت (۷))

اسی رسولؐ نے فرمایا: شیعوں کے آئمہ ثقلین کا جزو ہیں، جو ان سے تمسک کریگا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا اور ہر ایک کے لئے ہلاکت سے بچنے کیلئے سفینۂ نجات ہیں، اور دینی اختلاف میں امان کا باعث ہیں۔ امت کے لئے باب حطہ ہیں، ہدایت کے پرچم، عذاب کو رفع کرنے والے، زمین کو تباہی سے بچانے والے، اور عرب میں سے جو قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا وہ پراگندہ ہو کر گروہ شیطان بن جائیگا جیسا کہ احادیث نبی کے سلسلہ میں یہ حدیث گذر چکی ہے پس اہل بیتؑ کو چھوڑ کر غیروں کی طرف رجوع کرنا ان کے لئے کیسے جائز ہے؟ جبکہ انہوں نے رسولؐ کا یہ قول سنا کہ جو آپ نے امت کو اہل بیتؑ سے سرکشی کرنے سے ڈراتے ہوئے اور اہل بیتؑ کے علاوہ غیروں پر اعتماد کرنے سے منع فرمایا ہے اس قول کو اہل سنت کے علماء نے اپنی صحاح و مسانید میں متعدد جگہوں پر نقل کیا ہے:

"ان سے آگے نہ بڑھ جاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، انہیں چھوڑ کر نہ ہٹ
جاؤ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں"

میرا خیال ہے کہ اس حدیث کے بعد کسی میں یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ شیعوں کے ائمہ پر ائمۂ اربعہ (ابوحنیفہ، شافعی، مالک، حنبل) کو فوقیت دے وہ عترت نبیؐ ہیں اور امت میں آپ کی یادگار ہیں ـــــ شیعوں کے اسلاف اور ان کے بعد والے مذہب اہل بیتؑ نبویؐ سے متعلق ان شرعی دلیلوں کی بنا پر قریب ہوئے ہیں کہ جنہیں اہل سنت کے عظیم علماء نے اپنی صحاح اور معتبر تفاسیر میں نقل کیا ہے۔ یہ وہ دلیلیں ہیں جو گردن پکڑ کر

مذہب اہل بیتؑ قبول کرنے پر مجبور کرتی ہیں ۔ اور غیروں کی طرف رجوع کرنے سے منع کرتی ہیں ، پس شیعوں نے انہیں اہل بیتؑ کی بات کو تسلیم کیا ، اور مختلف زمانوں میں ان کے حکم کی اطاعت کی ، حیات امیر المومنین ، صدیقہ طاہرہ فاطمہ بنت رسولؐ کے زمانہ سے آج تک انہیں کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہیں اور قیامت تک اسی مسلک کے سالک رہیں گے ، یہ اشعری نہیں ہے کہ جو ۲۷۰ھ میں پیدا ہوا ، اور ۳۳۰ھ میں مرگیا اور ائمہ اربعہ میں سے بھی کوئی باقی نہیں ہے ۔

ابن خلکان "وفیات الاعیان" جلد ۲ کے ص۱۶۳ و ص۱۶۹ پر تحریر کرتے ہیں ، ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ، اور جلد اوّل کے ص۴۴۷ و ص۴۴۸ پر تحریر کرتے ہیں کہ شافعی محمد ابن ادریس ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں انکی رحلت ہوئی اور جلد اوّل کے ص۲۲۹ پر رقمطراز ہیں کہ مالک ابن انس ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں انکا انتقال ہوا ۔ اور جلد اوّل کے ص۱۷ پر لکھتے ہیں : احمد ابن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں رحلت کی ۔

قرون ثلاثہ والوں نے مذاہب اربعہ کو قبول نہیں کیا : —

ہمیں یقین ہے کہ قرون ثلاثہ والوں نے کہ جو اہل سنت کے نزدیک بہترین افراد ہیں انہوں نے اصول دین میں مذہب اشعری کو قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ مذاہب اربعہ کے پیرو تھے کیونکہ ان مذاہب کا ان کے زمانے کہیں وجود نہیں تھا کہ وہ ان پر عمل کرتے کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مذاہب تمام مذاہب سے افضل ہیں اور سب سے زیادہ معتدل ہیں جبکہ قرون ثلاثہ والوں کو ان میں سے کچھ بھی نہیں ملا ۔

شیعوں نے مذہب اہل بیت کو اختیار کیا، کیونکہ اہل بیت دین کو اور لوگوں سے زیادہ جانتے تھے شیعہ زمانۂ قدیم سے ان افراد کے مذہب پر عمل پیرا ہیں کہ جو اصحاب رسولؐ ہیں اور آپؐ کو تمام چیزوں کا علم نہیں دیا، مگر یہ کہ تمام امور ائمہ اربعہ کے سپرد کر دیئے ہوں اور انہوں نے صرف اپنے لئے اس کو جمع کر لیا اور دوسروں کو اس سے محروم کر دیا اور لوگوں کو اس درجے تک رسائی حاصل کرنے کیلئے منع کر دیا ہو، کون ہے جو یہ علوم اجتہاد کے نشانات مٹ چکے تھے آئمہ اربعہ کے علاوہ تمام مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو علوم اجتہاد سے آگاہ ہوتا، اور ایسی صورت میں تمام مسلمانوں کو ایک زمانہ تک جہالت پر قناعت کرنا چاہیئے تھی ـــــ کیونکہ انہیں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جس میں استنباط کی صلاحیت اور حلال و حرام کو دلیل سے جاننے کی استعداد ہوتی، ہاں ائمہ اربعہ ہی اس کے عالم تھے ان باتوں میں سے کسی کا بھی امکان نہیں ہے، اور نہ ہی کسی کو دروازۂ اجتہاد بند کرنے کا حق ہے اور نہ ہی لوگوں کے افہام میں وہ زنجیر ڈال کر اس کے ادراک سے منع کرنے کے مجاز ہیں، اور یہ بھی معقول نہیں ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے دروازۂ اجتہاد بند کر دیا جائے سے عالم تھے اسی طرح تابعین بھی ـــــ پس وہ کونسی چیز ہے کہ جس نے تین قرون کے بعد مذاہب اربعہ کا اتباع واجب قرار دے دیا ہے اور اس مذہب کو ترک کر دینے کا حکم دیدیا ہو کہ جس پر پہلے صحابہ اور بعد میں تابعین عمل پیرا تھے ـــــ اور وہ کونسی چیز ہے کہ جس نے قرآن کے ہم پلۂ حامل علم رسولؐ اہل بیتؑ سے لوگوں کو اعراض کرنے کی دعوت دی، وہ کون شخص ہے کہ جس نے مسلمانوں میں دروازۂ اجتہاد بند کر دیا جبکہ وہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں کھلا ہوا تھا تعجب ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد اس دروازہ کو ائمہ اربعہ نے کھولا

اور ان کے ختم ہو جانے کے بعد دوسرے مسلمان علماء کے لئے پھر اسکو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا، جب کہ علوم شرعیہ میں تبحر کے باوجود اور علوم سے وافر حصہ پانے کے باوجود وہ کونسی چیز ہے جو اجتہاد کے لئے مانع ہے، وہ کون شخص ہے جو اپنے لئے یہ کہے کہ اللہ نے اشرف الانبیاء (محمد مصطفیٰ) کو تمام ادیان سے بہتر دین کے ساتھ نہیں بھیجا تھا اور ان پر اشرف و افضل احکام پر مشتمل تمام کتابوں سے افضل کتاب نازل نہیں؟ اور خدا نے آپکا دین کامل نہیں کیا؟ اور اپنی نعمت کو ان پر تمام نہیں کیا؟

اسکو واضح الفاظ میں اس طرح بیان کریں کہ اگر احکام میں اجتہاد حلال ہے تو اسے حرام قرار دینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے کیونکہ حلال محمدؐ قیامت تک حلال ہے اور اگر حرام ہے تو آئمہ اربعہ کے لئے بھی حلال نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ حرام محمدؐ قیامت تک حرام ہے،

مذہب شیعہ ہی فلاح کا ذریعہ ہے:۔ اس بحث کے بعد ہم دوبارہ اہل سنت کے اس قول کا جائزہ لے رہے ہیں کہ اتحاد اور ایک کلمہ کا وجود یہ دونوں اس بات پر موقوف ہیں کہ شیعہ مذاہب اربعہ کو اختیار کریں۔ اس سلسلہ میں اہل سنت سے ہماری گذارش ہے ایک بات اور اتحاد و ہم آہنگی اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ شیعہ، مذاہب اربعہ کو اختیار کریں بلکہ یہ شیعوں کیلئے ایسی تکلیف ہے جسمیں ترجیح بلا مرجح ہی نہیں بلکہ راجح پر مرجوح کو ترجیح دی جارہی ہے اور "تکلیف مالا یطاق" دی جارہی ہے، کیونکہ مذہب شیعہ اولیٰ ہے نہ کہ مذاہب اربعہ دونوں میں مساوات نہیں ہے پس جو ہم نے دلیلیں بیان کی ہیں ان کے لحاظ سے مذہب شیعہ کو اختیار کرنا چاہیئے، کم از کم اہل سنت کو مذہب اہل بیتؑ کا اعتبار کرنا چاہیئے اور اگر ان دلیلوں سے ان کے نزدیک مذہب شیعہ متعین نہیں ہے تو اسے

اپنے مذاہب کی طرح ایک مذہب تسلیم کرنا چاہیئے تاکہ ائمہ اربعہ کا اتباع کرنے والے شیعیان آل محمدؐ کو اسی طرح دیکھیں جسطرح اپنے مذاہب والوں کو دیکھتے ہیں اس طرح اجتماعی طاقت بن جائے گی، بھائی چارگی قائم ہو جائے گی، اور پھر مذاہب اربعہ اور مذہب شیعہ کے درمیان اتنا ہی اختلاف ہے جتنا ان مذاہب کے درمیان آپس میں ہے شاید خود ان مذاہب کے درمیان اس سے کہیں زیادہ اختلاف ہے جتنا شیعہ اور مذاہب اربعہ کے درمیان ہے جیسا کہ فریقین کی اصول و فروع دین کے سلسلہ میں لکھی گئی کتابیں زندہ ثبوت ہیں بلکہ ممکن ہے کوئی کہے کہ مذہب شیعہ کے اصول و فروع کے سلسلہ میں ایک حدیث اہل سنت کے، طریقہ سے بیان ہوئی ہے کہ جس کے ذریعہ اس کی صحت کے بارے میں احتجاج کر سکتے ہیں اور اگر ہمیں کتاب کے ضخیم ہونے کا خوف نہ ہوتا تو ہم آپ کے سامنے ترتیب وار انہیں بیان کرتے، لیکن آپ کے لئے عبدالوھاب شافعی شعرانی کی المیزان الکبریٰ کا مطالعہ کافی ہے تاکہ آپ کو ہماری بات کی صداقت کا اندازہ ہو جائے، شاید مستقبل قریب میں قارئین کی دعا سے خدا ہمیں اس موضوع پر مستقل کتاب لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے، پس اہل سنت اپنے شیعہ بھائیوں پر صرف اس لئے تنقید کرتے ہیں کہ شیعوں کا راستہ الگ ہے تو پھر وہ شیعوں کی مخالفت کے سلسلہ میں اپنے اوپر کیوں تنقید نہیں کرتے؟ اور خود ان کے مذاہب کے درمیان جو ایک دوسرے کی مخالفت ہوتی ہے اس پر کیوں تنقید نہیں کرتے؟ اور جب چار مذاہب کا بن جانا ممکن ہے تو پھر پانچ مذاہب کا بن جانا کیوں ممکن نہیں ہے؟ اور تعجب تو اس بات پر ہے کہ چاروں مذاہب کے درمیان اصول و فروع دین میں اختلاف ہے لیکن اتحاد کی چادر پر سب کا اجتماع ہے کوئی تفرقہ نہیں ہے اور جب ان میں پانچواں

مذہب شامل ہو جاتا ہے تو نہ معلوم وہ اتحاد کی چادر کیو پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور اجتماع میں پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے اور مسلمان متعدد مذہبوں میں بٹ جاتے ہیں، اور جب اہل سنت شیعوں کو ایک مذہب کی دعوت دیتے ہیں تو پھر اپنے مذاہب اربعہ کو کیوں اتحاد کی دعوت نہیں دیتے کیونکہ ان کا آپس میں متحد ہونا اور اتحاد کی دعوت دینا شیعوں کو دعوت اتحاد دینے سے آسان ہے اس دعوت کو شیعوں ہی سے کیوں مخصوص کرتے ہیں قارئین کیا ائمہ آل رسولؐ کے اتباع کو معاشرہ کے درمیان پراگندگی اور پھوٹ کا سبب تصور کر سکتے ہیں اور سماج کے نظم و ضبط کے افتراق کا باعث تصور کر سکتے ہیں اور ان کے غیر کے اتباع کو اتحاد کا ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے خصوصاً اس وقت جبکہ ان کے درمیان اختلاف بھی ہو، ہر ایک کی رائے جدا بھی ہو ان کی خواہشات میں تباین بھی ہو، نظریات میں توافق نہ ہو

رسولؐ کے لئے اجتہاد جائز نہیں ہے :

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسولؐ شرعی احکام کو جاننے میں اجتہاد کے محتاج نہ تھے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے :

"مجھے بدل دینے کا اختیار نہیں ہے میں صرف اس امر کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے" (سورۂ یونس آیت پندرہ ۱۵)

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے :

"پیغمبر آپ ان کے درمیان تنزیل خدا کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کے خواہشات کا اتباع نہ کریں" (سورہ مائدہ آیت ۴۹)

اور اسی سورہ میں فرماتا ہے :

"اور جو ہمارے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ کافر شمار ہوگا" (سورۂ مائدہ آیت ۴۴)

سورۂ نجم میں ارشاد ہے:

"اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا ہے اس کا کلام وہی ہوتا ہے جو وحی ہوتی ہے"

اور خدا کی نازل کی ہوئی چیز میں یا وحی میں اجتہاد نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اور اجتہاد کے ذریعہ وحی سے مستنبط ہونے والے حکم کو وحی نہیں کہا جا سکتا ہے ورنہ آپ کی امت کے سارے مجتہدین اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہیں گے بلکہ ان کا کلام بھی وحی ہوگا جو وحی ہوگی یہ تو واضح طور پر باطل ہے اور آپ کا کلام وحی کے حصار میں جو محصور ہے وہ مائے نافیہ کے بعد لفظ الاّ کی وجہ سے ہے اسی سے ہم یہ سمجھے کہ رسولؐ کیطرف اجتہاد کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے، اور اس میں شک نہیں ہے کہ مجتہد کی مخالفت کی جا سکتی ہے جیسا کہ مختلف مجتہدین کے مذاہب کے درمیان احکام کے سلسلہ میں اختلاف رہتا ہے جبکہ نبیؐ کی مخالفت جائز نہیں ہے بلکہ اس بات پر اجماع ہے کہ رسولؐ کی مخالفت حرام ہے پس رسولؐ کی طرف اجتہاد کی نسبت دینا بھی صحیح نہیں ہے، نیز نبیؐ کے کلام میں شک کی گنجائش نہیں ہے جبکہ مجتہدین کا کلام اس سے خالی نہیں ہے، اور اگر اجتہاد کا تعلق وحی سے ہوتا تو وحی میں تناقض لازم آتا جیسا مجتہدین کے فتووں میں تناقض ہے اور وحی میں تناقض کا باطل ہونا آشکار ہے،

تیرہویں فصل

اجتہاد، تقلید اور احتیاط

اجتہاد :- شریعت کے فروعی احکام سے متعلق حتیٰ المقدور ظن کے حاصل کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں،

سے انسان اصل سے شریعت کے فرعی حکم کا استنباط کر سکتا ہے۔ ملکہ خواہ بالفعل ہو یا بالقوۃ ، تقلید کسی معین مجتہد کے فتویٰ پر عمل کرنے کا نام ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مجتہد کے فتوے پر عمل کرنے کا التزام کافی ہے اگرچہ اس پر عمل نہ کرے ، تقلید ہر اس بالغ مرد وعورت پر واجب ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو اور اجتہاد یا تقلید کے ذریعہ احتیاط سے نابلد ہو شرع کے فرعی احکام کے علاوہ تقلید (واجب) نہیں ہے ، اصول دین میں تقلید نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تعلق ضروریات سے ہے ، موضوعات خارجیہ بھی واجب نہیں ہیں تقلید ناخواندہ، بے سواد، لوگوں کی عبادات اور ان کے دیگر اعمال کی صحت کا سبب ہے

تقلید :- جس شخص میں دس شرطیں پائی جائیں اس کی تقلید کرنا صحیح ہے (۱) مجتہد (۲) بالغ (۳) عاقل (۴) آزاد (۵) مرد (۶) عادل (۷) حلال زادہ (۸) مومن (۹) مسائل سے بقدر ضرورت آگاہ، (۱۰) زندہ ہو

جس میں یہ شرائط پائے جائیں وہ غیبت کے زمانہ میں امام معصوم کا نائب ہے ، اس زمانہ میں اسے حاکم شرعی کہتے ہیں ،

احتیاط :۔ اس عمل کو کہتے ہیں جسمیں مکلف کو یہ یقین ہو جائے کہ میں تکلیف واقعی ، جو اس سے مخفی ہے ، سے بری ہو گیا ہوں احتیاط اسی شخص کے لئے صحیح ہے جو احتیاط کے مفہوم اور اس کے موارد سے واقف ہوتا ہے ،

چودہویں فصل :۔

فروع دین اور انکی تعریف

وہ اقسام جو اصول پر مبنی ہیں ان کی چھ قسمیں ہیں :۔

(۱) عبادات خواہ واجب ہوں یا مستحب (۲) محرمات (۳) مکروہات (۴) عقود (۵) ایقاعات ۔ (۶) احکام یا سیاسیات ،

عبادات ، وہ اعمال جن کی انجام دہی میں نیت اور قصد قربت واجب ہے جیسے نماز ، روزہ وغیرہ محرمات :۔ جن اعمال کے بارے میں نہی تحریمی وارد ہوئی ہے، مکروہات :۔ جن چیزوں سے پاکیزگی کے پیش نظر روکا گیا ہے اور عقود و معاملات وہ اعمال ہیں جو اپنے لزوم میں طرفین سے لفظ کے محتاج ہیں جیسے "بیع" "اجارہ" اور نکاح وغیرہ اور ایقاعات وہ اعمال و امور ہیں جو اپنے لزوم میں ایک طرف سے لفظ کے محتاج ہیں جیسے طلاق ، عتاق ۔ احکام و سیاسیات وہ امور و اعمال ہیں جو لفظ کے محتاج نہیں ہیں جیسے میراث و حدود اور دیات وغیرہ ۔

عبادات کے اقسام اور حکم شرعی :۔ اقسام عبادات دس ہیں (۱) طہارت (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) خمس (۶) حج (۷) جہاد (۸) امر بمعروف ، نہی از منکر (۹)

تولا (۱۰) تبرا

اقسام حکم شرعی پانچ ہیں :- (۱) واجب (۲) حرام (۳) مستحب (۴) مکروہ (۵) مباح

ہر وہ فعل جس کو بجالانا ضروری ہے وہ واجب ہے جیسے نماز ، زکوٰۃ وغیرہ اور جس فعل کو ترک کرنا لازم ہے وہ حرام ہے جیسے شراب پینا ، قمار اور زنا و لواط اور ناحق لوگوں کا مال کھانا ، اور جس فعل کے انجام میں ترجیح وتحسین ہو وہ مستحب ہے جیسے قبور کی زیارت کہ اس سے موت کی یاد تازہ ہوتی ہے یا اس سے انسان ثواب وعقاب سے دوچار نہیں ہوتا ہے اور جس چیز کے فعل کو ترجیح نہ ہو بلکہ ترک اچھا سمجھا جائے اسکو مکروہ کہتے ہیں جیسے پانی میں ، یا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ۔ اور جس کا انجام دینا اور ترک کر مساوی ہو اس کو مباح کہتے ہیں جیسے بیٹھنا ، اٹھنا ، تمام مکلف ان پانچ احکام کے تابع ہیں ان سے تجاوز نہیں کرسکتے ہیں اور واجب وحرام کو تکلیف کہتے ہیں کیونکہ ان میں قید وکلفت ہے ۔

پانی کی قسمیں اور مطہرات :- پانی کی دو قسمیں ہیں (۱) مطلق (۲) مضاف

آب مطلق :- جسمیں کوئی چیز نہ ملی ہو ۔ مضاف جس میں کوئی چیز ملی ہو اور اس کو خالص پانی نہ کہا جاسکے جیسے گلاب کا پانی اور انار کا پانی ۔

آب مطلق کی پانچ قسمیں ہیں :- (۱) "جاری" (۲) "کر" (۳) "بارش کا پانی" (۴) کنویں (۵) "آب قلیل" ، "آب جاری" ، "کر" ، بارش اور کنویں کا پانی" نجاست واقع ہونے سے اس وقت تک نجس نہیں ہوتا ہے جب تک نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ ، بو ، اور ذائقہ نہ بدل جائے ، آب قلیل صرف نجاست مل جانے سے نجس ہو جاتا ہے اسی طرح آب مضاف بھی نجاست واقع ہونے سے نجس ہو جاتا ہے خواہ آب مضاف کی مقدار ایک ہزار کر ہی

کیوں نہ ہو اور نجاست سوئی کے ناکہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو "کر" کی دو مقدار ہیں
(۱) وزن (۲) پیمائش ،
(۱) جس کا وزن تقریبًا ۳۷۷ کیلوگرام ہوتا ہے (۲) جس کی لمبائی چوڑائی ، اور گہرائی ساڑھے تین بالشت ہوتی ہے اس طرح اس کی ساحت تقریبًا ۴۳ بالشت ہوتی ہے ، اور ایک قول ہے کہ جس کی ساحت مکعب ۲۷ بالشت ہو ، دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ جس کی ساحت ۳۶ بالشت مکعب ہو اسے "کر" کہتے ہیں ۔

پاک کرنے والی چیزیں گیارہ ہیں :۔ (۱) پانی ہر نجس اور قابل طہارت چیز کو عین نجاست زائل ہو جانے کے بعد پاک کرتا ہے (۲) سورج زمین اور زمین میں گڑی ہوئی چیزوں کو تین شرائط کے تحت پاک کرتا ہے (۱) عین نجاست زائل ہو جائے (۲) سورج کی دھوپ خود اس پر پڑے اور خشک کر دے (۳) رطوبت ہو ۔

(۳) زمین پر چلنے والے کے تلوے اور چھڑی کی نوک کو نجاست زائل ہو جانے کے بعد پاک کرتی ہے ،

(۴) استحالہ : یعنی نجس چیز پاک چیز میں بدل جائے جیسے خون دودھ میں بدل جائے ،

(۵) اسلام :۔ مشرک کو نجاستِ کفر و شرک سے پاک کرتا ہے ،

(۶) آگ :۔ نجس چیز کو جلا کر پاک کرتی ہے جلنے کے بعد اس کی راکھ پاک ہے ،

(۷) انتقال :۔ یعنی نجس چیز کا پاک بدن میں منتقل ہونا جیسے انسان کا خون مچھر چوس لے اور وہ اس کے بدن کا جز بن جائے تو یہ خون پاک ہو جائیگا ۔

(۸) انقلاب :۔ یعنی نجس چیز پر پاک چیز کا اطلاق ہونے لگے جیسے شراب سرکہ بن جائے

(۹) عین نجاست کا زائل ہونا :۔ یعنی حیوان کے جسم اور انسان کے باطن سے جیسے منھ یا ناک وغیرہ سے نجاست کا زائل ہونا کیونکہ ان چیزوں کی طہارت نجاست زائل ہونے سے ہو جاتی ہے ،

(۱۰) تبعیت :۔ جیسے مشرک کا تھوک وغیرہ اسلام لانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے یا اس کا بچہ اس کے اسلام لانے سے پاک ہو جاتا ہے

(۱۱) مسلمان کا غائب ہونا :۔ غیبت سے خود مسلمان اور اس کے کپڑے اور ہر وہ چیز جو اس کے تصرف میں ہے دو شرطوں کے ساتھ پاک ہو جاتی ہے (۱) وہ نجاست سے واقف ہو (۲) اس کی طہارت کا احتمال ہو

نجس العین اور آداب بیت الخلاء :۔ نجس العین ہر اس حرام جاندار کا پیشاب، پخانہ نجس ہے جو خون جہندہ رکھتا ہو یعنی ذبح کرتے وقت اس کا خون دھار کے ساتھ نکلے مچھلی کی طرح نہ ہو ،

"کتا، خنزیر" خشکی کے رہنے والے کتے و خنزیر کے وہ اعضا و اجزا بھی نجس ہیں ، جن میں جان نہیں ہوتی ہے جیسے بال و ناخن وغیرہ، خون و منی اور ہر مسکر سیال، جو کی شراب نجاست خوار اونٹ : یعنی وہ اتنی مقدار میں انسان کا پخانہ کھاتا ہو کہ وہی اس کی غذا شمار ہونے لگے اور اسی سے اس کا گوشت و ہڈی مضبوط ہوئی ہو، ان چیزوں سے ہر اس فعل میں اجتناب ضروری ہے جس میں طہارت شرط ہے مثلاً کھانا پینا نماز گذار یا محرم کا لباس ، ہاں اگر کسی کے لئے استثنائی طور پر نص وارد ہوئی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے جیسے زخم ، پھوڑے کا خون یا وہ خون جو درہم بغلی سے زیادہ نہ ہو اور یہ خون حیض و نفاس اور استحاضہ نجس العین نجس کا

آداب بیت الخلاء :۔ طالب حدث کو تمام حالات میں اپنے آگے اور پیچھے کے حصہ کو ہر باتمیز دیکھنے والے سے چھپانا واجب ہے، قبلہ رو یا قبلہ کی طرف پشت کرکے بیٹھنا، حرام ہے، پیشاب کے مقام کو دو مرتبہ دھونا واجب ہے پانی کے علاوہ اور کوئی چیز کافی نہیں ہے لیکن پخانہ کے مقام کے لئے اختیار ہے خواہ پانی سے دھوئے یا تین ایسے پتھروں سے یا کسی اور چیز سے صاف کرے جو چکنے نہ ہوں لیکن پتھروں کا استعمال اس صورت میں صحیح ہوگا کہ جب مخرج سے پخانہ پھیلا نہ ہو اور وہ پتھر بھی مرطوب نہ ہو، نیز مخرج پر اور، کوئی نجاست نہ ہو اور وہ چیز محترم نہ ہو جیسے روٹی کا ٹکڑا۔ پانی سے دھونا افضل ہے اور اگر پہلے پونچھ لے اور پھر پانی سے دھوئے تو یہ بہتر ہے،

تین شرائط سے کسی چیز کا نجس ہونا ثابت ہوتا ہے (۱) یہ علم ہو کہ اس سے نجاست متصل ہوئی ہے یا دو عادل گواہی دیں (۲) رطوبت موجود ہو (۳) رطوبت جاری ہو۔

اگر کتا کسی برتن کو چھو دے تو اس کو تین مرتبہ پانی سے دھویا جائے گا یا مٹی سے مانجھا جائیگا اور خنزیر کے جھوٹے یا جس برتن میں چوہا مر جائے اس کو آب قلیل سے سات مرتبہ دھویا جائیگا اور اگر دریا وغیرہ میں دھوئیں تو ایک مرتبہ کافی ہے لیکن آب کثیر میں کتے کے جھوٹے برتن کو مٹی سے مانجھنا لازم ہے، برتن کے علاوہ دوسری چیزوں کو نجاست زائل ہونے کے بعد ایکمرتبہ آب قلیل سے دھونا کافی ہے لیکن اگر پیشاب سے نجس ہوا ہے تو دو مرتبہ دھونا واجب ہے ہاں اگر آب کثیر سے دھوئیں تو ایک مرتبہ کافی ہے، کہا گیا ہے کہ شراب کے برتن کو تین مرتبہ دھونا چاہیئے،

حدث سے طہارت :۔ حدث کے بعد تین طرح طہارت ہوتی ہے (۱) وضو (۲) غسل

(۳) تیمم اور یہ تینوں ذیل کے امور کیلئے واجب ہیں، نماز میت کے علاوہ تمام نمازوں کے لئے (۲) طواف کیلئے (۳) قرآن کے حروف اور خدا و نبی کے نام کو چھونے کیلئے، کہا گیا ہے کہ لفظ جلالت اور نام نبی کو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے

واجبات وضو :۔

۱۔ نیت جو چہرہ دھوتے وقت کی جاتی ہے ۲۔ آخر تک اسی نیت پہ قائم رہنا، ۳۔ چہرہ کو بال اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک، چوڑائی میں انگوٹھے اور انگلی کے درمیان جتنا حصہ آجائے دھونا، ۴۔ دائیں ہاتھ کو کہنی سے انگلیوں کے سرے تک دھوئے، ۵۔ بائیں ہاتھ کو بھی اسی طرح دھوئے، ۶۔ سر کا مسح کرنا، ۷۔ دائیں پیر کے ظاہری حصہ کا مسح ہاتھ کی تری سے کرنا، ۸۔ اسی طرح بائیں پیر کا مسح کرنا، ۹۔ نص قرآن کے لحاظ سے اعضا کو ترتیب وار دھونا، ۱۰۔ موالات یعنی ایک عضو کو دھونے کے بعد دوسرے کو اتنی دیر میں نہ دھوئے کہ پہلے کا بعض یا کل حصہ خشک ہو جائے ۔

وضو کو چھ چیزیں باطل کرتی ہیں :۔ ۱۔ پیشاب کرنا، ۲۔ پخانہ کرنا، ۳۔ ریاح کا، خارج ہونا، ۴۔ نیند کا اس طرح غالب ہونا کہ کان سن نہ سکے آنکھ دیکھ نہ سکے ۔ اور نشہ آور چیز جو عقل کو زائل کردے۔ ۶ عورتوں کیلئے استحاضۂ قلیلہ اور ان کے علاوہ کوئی چیز نواقض و موجبات وضو میں نہیں ہے ہاں آدمی کی میت کو بدن ٹھنڈا ہو جانے کے بعد اور غسل سے پہلے چھوئے تو احوط یہ ہے کہ وضو کرلے جبکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ چھونے سے وضو باطل نہیں ہوتا

وضو میں چہرہ اور ہاتھوں کو الٹا دھونا :۔ وضو میں چہرہ اور ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کی طرف دھونا چاہیئے نیچے سے اوپر کی طرف دھونا جائز نہیں ہے اور پورے سر کا مسح یا عمامہ

پر مسح کرنا بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی مسح کے بجائے پیروں کو دھونا جائز ہے ــــ ہاتھوں کو انگلیوں کی طرف سے نہیں دھویا جا سکتا ہے جیسا کہ اہل سنت کے چوٹی کے عالم سیوطی نے درمنثور کی جلد ۲ کے صفحہ ۲۶۲ پر تحریر کیا ہے کہ نبیؐ وضو میں ہاتھ دھوتے وقت کہنی پر پانی ڈالتے تھے اور فعل رسولؐ حجت ہے نہ کسی غیر کا فعل حجت ہے

تمام سر کا مسح یا دھونا خداوند عالم کے اس قول کی رو سے منع ہے : "وامسحوا برؤسکم" یہ آیت سر کے بعض حصہ مسح کے لئے نص ہے جیسا کہ روس پر "با" کے داخل ہونے سے آشکار ہے کیونکہ "با" تبعیض کا فائدہ دیتی ہے ، اگر تمام سر کا مسح مطلوب ہوتا تو ایسا لفظ استعمال کیا جاتا جو تمام کے اوپر دلالت کرتا اور اس طرح ارشاد ہوتا "وامسحوا روسکم" کیا آپ نے چہرہ اور ہاتھوں کے بارے میں ملاحظہ نہیں کیا ہے کہ خداوند فرماتا ہے "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم" پس جب سر کے متعلق اس طرح نہیں فرمایا تو ہم سمجھ گئے کہ سر کے بعض حصہ کا مسح مطلوب ہے نہ کہ پورے سر کا ۔

اور مسح کی جگہ سر دھونا اس لئے جائز نہیں ہے کہ آیت میں سر کے مسح کے متعلق کہا گیا ہے اور مسح غسل کے معنی نہیں دیتا ہے ۔ اور عمامہ پر مسح کرنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ عمامہ سر نہیں ہے نہ ہی سر کا جز ہے ، اور آیت میں سر کے مسح کے لئے کہا گیا ہے نہ کہ کسی اور شئی کے مسح کیلئے اس لئے عمامہ پر مسح کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ مالکی ، شافعی حنفی مذہب میں عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے جیسا کہ شعرانی نے اپنی کتاب میزان کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۱۷ پر وضو کے بارے میں تحریر کیا ہے ؛ اور خداوند عالم کے اس قول کے لحاظ سے پیروں کو دھونا جائز نہیں ہے ؛ـ

قال اللہ تعالیٰ :۔ "یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین ○" (سورہ مائدہ آیت ۶)

"اے ایمان لانے والو جب بھی نماز کے لئے اٹھو تو پہلے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھوو اور اپنے سر اور گٹے تک پیروں کا مسح کرو!"

یہ آیت چہرہ اور ہاتھوں کے دھونے کیلئے نص ہے اور ان کا مسح نہیں کیا جا سکتا ہے اور کسی عرب یا عربی سمجھنے والے کیلئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یہ کہدے کہ خدا نے اس قول میں چہرہ اور ہاتھوں کے دھونے سے مسح مراد لیا ہے اور خداوند عالم نے آیت کے دوسرے ٹکڑے میں مسح مراد لیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے: "وامسحوا برؤسکم وارجلکم" تاکہ سر و پیر کے مسح کے وجوب کا فائدہ دے یہاں بھی کوئی عربی یا لغت عرب سے واقف انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیت میں مسح سے دھونا مراد لیا گیا ہے بلکہ اس آیت میں صرف سر و پیر کے مسح کا حکم ہے جیسا کہ واؤ عاطفہ کے اقتضا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سر و پیر، مسح کے حکم میں مشترک ہیں لیکن آیت میں "ارجلَکم" لام پر جو زبر ہے تو یہ محل رؤس پر عطف ہے اور رؤس مفعول ہونے کی بنا پر محل نصب (زبر) ہے اور عبارت اس طرح ہوگی "وامسحوا رؤسکم"، جبکہ ارجلکم لام کو زبر والی قرات متواتر ہے اور اس صورت میں لفظ ارجلکم، رؤس پر عطف ہوگا کیونکہ رؤس مجرور (زیر) ہے، دونوں ہی قرائتیں یعنی نصب و جر متواتر ہیں پس دونوں قرائتوں کے لحاظ سے پیر کا مسح ثابت ہے اس لئے خدا نے دھوئے جانے والے مثلاً چہرے اور ہاتھوں کو الگ اور مسح کئے جانے والے اعضا سر و پیر کو الگ بیان کیا ہے تاکہ ہم ترتیب سمجھ لیں کیونکہ پہلے اعضا کو دھونے کا حکم ہے اور

دوسروں کے مسح کرنے کا حکم ہے ، اور دوسری بات یہ ہے کہ لفظ "ارجل" کو وجوہ یا ایدی پر عطف کرنا دو طریقوں سے صحیح نہیں ہے (۱) قریب والے جملہ پر عطف لغت عرب میں متعین ہے اور اسی کو استعمال کرتے ہیں جبکہ بعید والے پر عطف صحیح نہیں ہے پس اگر ارجل کو رؤس پر عطف کریں تو اسمیں عرب کا اتباع بھی ہے اور وجوہ وایدی کی بہ نسبت قریب بھی ہے

(۲) پہلا فقرہ وجوب غسل یعنی اس فقرہ میں چہرہ اور ہاتھوں کا دھونا واجب ہے اور اس کا حکم گذر چکا ہے دوسرے جملۂ استئنافیہ سے جس میں مسح واجب ہے نفی نہیں ہوئی ہے اور فقرہ اولیٰ کے منقطع ہو جانے کے بعد جائز نہیں ہے کہ اس کو فقرہ ثانیہ یعنی مسح والے فقرہ کو پہلے فقرہ پر عطف کیا جائے کیا آپ نے اپنے اس قول پر توجہ نہیں کی ہے اضرب زیداً و بکراً و اکرم محمداً وعلیاً ۔ پہلے دونوں افراد کو مارنے کا حکم ہے جبکہ بعد والے افراد کے اکرام کا حکم ہے ، اور یہاں بعد والے جملہ کو پہلے والے جملہ پر عطف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ پہلا جملہ ختم ہو چکا ہے اب دوسرے جملہ میں محمد کے اکرام کا حکم ہے اور اس پر علی عطف ہے علی کو محمد پر عطف نہ کر کے بکر و زید پر عطف کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ علی محمد پر عطف ہوگا کہ ان کا اکرام کیا جائیگا نہ کہ مارا جائیگا ،

یہ بات تو واضح ہے اس میں کوئی تامل نہیں ہے اس طرح آیت میں بھی "ارجل" رؤس پر عطف ہوگا ، اور پیر کا مسح کیا جائیگا نہ کہ "وجوہ" "وایدی" پر عطف ہوگا اور پیر کا مسح کیا جائیگا ، شیعہ پیر کا مسح کرتے ہیں اور یہی ظاہر قرآن اور عربیت کے موافق عمل ہے اور ظہور قرآن اور دلالت قرآن سے پیروں کا مسح ثابت ہے اور دھونے کی نفی کی گئی ہے اور جب ہم قرآن کے بعد حدیث کو دیکھتے ہیں تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں

جلد ۲ صـ ۲۶۲ پر مذکورہ آیت کی تفسیر حدیث کے ذیل میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: کہ تم میں سے کسی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک اس کا وضو کامل نہیں ہوگا جیسا کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے چہرہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ ـــ سر اور پیروں کا گٹے، تک مسح کرو، نیز سیوطی نے تحریر کیا ہے وضو میں دو پیروں کو دھویا اور دو کا مسح کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں ابن جریر سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ جبرائیل پیروں کے باطنی حصہ کے مسح کا حکم لیکر نازل ہوئے تھے لیکن لوگوں نے اس سے روگردانی کی اور پیروں کو دھونے لگے جبکہ میں نے کتاب خدا میں مسح کے علاوہ دوسرا حکم نہیں دیکھا ہے

امام احمد حنبل نے مسند میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:
" کہ میں باطنی قدمین سے زیادہ مناسب ظاہر قدمین کے مسح کو سمجھتا ہوں. حالانکہ رسولؐ ظاہر قدمین کا مسح کیا کرتے تھے. محمد ابن عبد الوہاب شعرانی نے میزان کی پہلی جلد کے صـ ۱۸۸ پر تحریر فرماتے ہیں: آئمہ کی ایک جماعت پیروں کے مسح کو صحیح قرار دیتی ہے اسی طرح کانوں اور گردن کا مسح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ آیت میں نہ ان کے مسح کا حکم دیا گیا ہے اور نہ ہی دھونے کا.

موزہ پر مسح منع ہے: ـــ موزوں پر مسح جائز نہیں ہے جبکہ ظاہر قرآن سے ثابت ہے کیونکہ پیروں کے مسح کا حکم ہے کیونکہ جورابوں کو لفظی، معنوی، عرفی، لغوی لحاظ سے پیر نہیں کہا جاسکتا ہے اور اگر آیتِ وضو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پیروں کو دھونا واجب ہے تو بھی موزوں پر مسح کرنا آیت سے ثابت نہیں ہے اس لئے کہ مسح کرنا اور ہے اور دھونا اور ہے جیسا کہ مسح غیر از غسل ہے پس موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور اگر آیت کی دلالت اس

بات پر ہے کہ پیروں کا مسح واجب ہے تو دھونا مطلق جائز نہیں ہے ورنہ ایک لفظ کہ جو ایک معنیٰ کے لئے وضع ہوا ہے، کا ایک سے زیادہ معنی میں استعمال ہونا لازم آئیگا اور یہ استعمال جائز نہیں ہے، یہانتک کہ یہ تو ان لوگوں کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے جو لفظ مشترک کو ایک سے زیادہ معنیٰ میں صحیح سمجھتے ہیں، اور امام اہل سنت احمد ابن حنبل اپنی مسند کی جلد ۱۱ کے ص۳۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے کبھی موزوں پر مسح نہیں کیا ہے

ہاتھوں کو الٹا دھونا جائز نہیں ہے :۔ ہاتھوں کو انگلیوں کے سرے سے دھونا جائز نہیں ہے کیونکہ آیت سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہاتھوں کو انگلیوں سے کہنیوں تک دھویا جائے۔ اس لئے کہ خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم انگلیوں کے سرے سے کہنو تک دھوؤ، اور اگر اس کا احتمال ہے تو اسی طرح کندھوں سے جوڑ سے کہنیوں تک دھونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ اس پر بھی ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہے جسطرح گٹے اور ہتھیلی اور انگلیوں کو بھی مجازاً ہاتھ کہنا صحیح ہے اور کل کو جز میں استعمال کرنا صحیح ہے اور اس کی تائید خداوند عالم کا یہ قول کرتا ہے: "فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم" (سورہ بقرہ آیت ۷۹)

آیت میں انگلیوں پر ہاتھ کا اطلاق ہوا ہے کیونکہ انگلیوں سے قلم پکڑ کر کتابت کی جاتی ہے پس اگر آیت نے کسی ایک کو مراد لیا ہے اور اس ایک کو آیت نے متعین نہیں کیا ہے تو اس کی تعیین کے لئے سنت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور سنت اس سلسلہ میں جیسا کہ سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور کی جلد ۲ ص۲۶۲ پر تحریر کیا ہے کہ رسولؐ جب وضو کرتے تھے تو کہنیوں پر پانی ڈالتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہنیوں سے انگلیوں تک دھونا، واجب ہے

غسل اور اس کے موجبات :۔ چھ امور سے غسل واجب ہوتا ہے
(۱) جنابت (۲) حیض (۳) نفاس (۴) استحاضۂ متوسطہ کثیرہ (۵) مسلمان آدمی یہانتک کہ چار ماہ کے ساقط شدہ بچہ کی میت چھونے سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے
غسل جنابت دو طرح واجب ہوتا ہے (۱) منی کا نکلنا خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے نکلے، منی شہوت کے ساتھ اور اچھل کر نکلے اور نکلنے کے بعد بدن سست ہو جائے اگر یہ علامت نہیں ہے تو مریض ہے اور عورت سے
اور اسی حکم میں وہ قطرہ ہے جو پیشاب کے بعد استبراء کرنے سے قبل نکلتا ہے
(۲) جماع کرنے سے بھی غسل واجب ہوتا ہے اور جماع حشفہ یا اس کے برابر حصہ آگے یا پیچھے داخل کرنے کو کہتے ہیں اگر چہ منی خارج نہ ہوئی ہو اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کے ساتھ یہ کام کیا گیا ہے وہ بچہ ہے یا مجنون یا ان کے علاوہ ۔
خون حیض وہ خون ہے جو زیادہ اور کالا سوزش حرارت کے ساتھ ہر مہینہ آتا ہے یہ کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس روز آتا ہے اور ۹ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے اور غیر قرشیہ کو پچاس سال تک آتا ہے اور قرشیہ کو ساٹھ سال تک آتا ہے جیسا کہ مشہور ہے اور اگر ۹ سال سے پہلے اور ساٹھ سال کے بعد خون آتا ہے تو وہ حیض نہیں ہے حائض کا تمام مساجد میں ٹھہرنا حرام ہے اور مسجد الحرام و مسجد نبوی سے تو گذرنا بھی حرام ہے قرآن کے حروف کا چھونا اور سورہ عزائم کا پڑھنا حرام ہے سورہ عزائم یہ ہیں
(۱) الم (۲) سجدہ (۳) حم (۴) فصلت (۵) والنجم (۶) اقرأ ۔ اس حالت میں وطی کرنا بھی حرام ہے اور اس حالت میں

اس کو طلاق دینا بھی صحیح نہیں ہے حائض عورت پر نماز روزہ حرام ہے بعد میں فقط روزوں کی قضا کرے گی نماز کی نہیں ہاں نماز آیات کی بھی قضا کرنا پڑے گی ایک قول ہے کہ نماز آیات کی بھی قضا ضروری نہیں ہے ۔

خون استحاضہ :۔ یہ زیادہ پیلا ٹھنڈا اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت اسے حیض یا نفاس کے بعد دیکھتی ہے ممکن ہے یائسہ بھی دیکھے اگر قلیلہ ہے یعنی جو روئی پر لگ جائے لیکن روئی اس میں ڈوبے نہ تو عورت کو چاہیئے کہ روئی بدل دے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے، اگر متوسطہ ہے یعنی خون روئی کے اندر سرایت کر آیا ہے اور کپڑے پر نہیں لگا ہے تو روئی بدلے گی اور ایک غسل کرے گی نیز ہر نماز کے لئے جداگانہ طور پر وضو کرے گی اگر خون استحاضہ کثیرہ ہے یعنی روئی سے تجاوز کرکے کپڑے تک پہنچ جائے تو عورت پر روئی بدلنے کے ساتھ تین غسل واجب ہیں اگر نماز صبح سے پہلے خون آئے تو صبح کی نماز کیلئے ظہر و عصر کی نماز کے لئے اور مغرب و عشا کی نماز کیلئے جداگانہ طور غسل کرے اور اس طرح وہ طاہرہ کے حکم میں شمار ہوگی، آخر میں دو غسلوں کے ساتھ ہر نماز کے لئے وضو بھی کریگی ایک قول یہ ہے کہ جنابت کی طرح ایک غسل کافی ہے

نفاس :۔ نفاس وہ خون ہے جسکو عورت ولادت کے بعد یا وقت ولادت دیکھتی ہے یہ خون کم از کم ایک لحظہ اور زیادہ سے زیادہ دس روز آتا ہے اس کے احکام وہی ہیں جو حائض کے ہیں ۔

جبیرہ :۔ وہ لکڑیاں یا پٹی، پلاستر کہ جو زخم یا ٹوٹی ہوئی ہڈی کی جگہ پر باندھتے ہیں پس جس شخص کے اعضاء وضو یا غسل پر پٹی بندھی ہے اور اس کا الگ کرنا ممکن ہے تو اسے

جدا کرنا واجب ہے یا اسکے نیچے مسح کرے لیکن اگر علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو اور مسح کی جگہ پر ہو تو اسی پر مسح کرے اور اگر دھونے کے مقام پر ہے اور اس کے نیچے پانی پہنچانا ممکن ہے تو پانی پہنچانا واجب ہے ورنہ مسح کرنا کافی ہے ۔

احکامِ میت :۔ احکام میت پانچ ہیں (۱) احتضار (۲) غسل (۳) کفن (۴) نماز (۵) دفن ، اور بالغ و عاقل اور زندہ انسان پر واجب ہے کہ جس شخص پر موت کے آثار نمودار ہوں اس کو قبلہ رو لٹائے کہ اگر بیٹھے تو اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو ،

ہر مسلمان کی میت یہاں تک کہ چار ماہ کا ساقط شدہ حمل کو بھی تین پانی سے غسل دینا واجب ہے اس ترتیب سے کہ پہلے آب سدر سے پھر آب کافور سے اور آخر میں آب خالص سے غسل دینا چاہیئے ۔ غسل کے بعد اعضا سجدہ یعنی پیشانی ، ہتھیلوں ، پاؤں کے انگوٹھوں اور دونوں گھٹنوں پر کافور لگانا واجب ہے لیکن اگر میت محرم ہے (یعنی اس شخص کو حالت احرام میں موت آئی ہے) تو اس کے غسل کے پانی میں کافور نہیں ملانا چاہیئے بلکہ اسے آب خالص سے غسل دینا چاہیئے اور جیسے طواف عمرہ یا حج کے بعد موت آئی ہے تو کافور لگایا جائیگا اور کہا گیا ہے کہ حج عمرہ میں سعی کرنے کے بعد اگر موت آئے تو حنوط کیا جائیگا

اور تین پارچوں میں کفن دینا واجب ہے (۱) قمیص کہ جو نصف ساق تک چھپا لے (۲) ایک لنگی جو ناف سے گھٹنوں تک ہو اور ایک سرتاسری کہ جو پورے بدن کیلئے ساتر ہو ، مرنے کے بعد میت نجس ہو جاتی ہے اور تینوں غسلوں کے بعد پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے یہ بات شعرانی نے اپنی کتاب میزان کی جلد اول کے ص ۱۱۶ پر باب وضو میں تحریر کی ہے ۔

رسولؐ جنازہ پر پانچ تکبیریں کہتے تھے :۔ رسولؐ جنازہ پر پانچ کہتے تھے تنہا عمر نے لوگوں سے چار تکبیروں کی تاکید کی ۔

ہر اس مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے جو چھ سال یا اس سے زیادہ کی عمر میں انتقال کرے ، نماز جنازہ میں طہارت شرط نہیں اور نہ ہی اس نماز میں رکوع وسجود ہے یہ نماز غسل وکفن کے بعد واجب ہوتی ہے میت کا سر نماز پڑھنے والے کے دائیں جانب ہو، نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں ہیں اور ان تکبیروں کے درمیان مخصوص دعا ہے اس کی ترتیب یہ ہے قصد قربت ونیت کے بعد اللہ اکبر کہے اور شہادتین یعنی " اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ "، اس کے بعد دوسری تکبیر کہے اور نبیؐ وآل نبیؐ پر اس طرح درود بھیجے ، " اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد " اس کے بعد تیسری تکبیر کہے اور مومنین کے لئے دعا کرے :

" اللھم اغفر للمومنین والمومنات "، اس کے بعد چوتھی تکبیر کہے اور میت کے لئے دعا کرے :" اللھم اغفر لھذا المیت " کے بعد پانچویں تکبیر کہکر نماز تمام کرے ہمارا مسلک ہے کہ نماز میت میں پانچ تکبیریں واجب ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند کی چوتھی جلد کے صفحہ ۳۷۰ پر زید بن ارقم کی حدیث سے عبدالاعلیٰ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے زید بن ارقم کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی اور انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو ابو عیسیٰ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے انکا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ کیا تم بھول گئے تھے زید نے کہا نہیں لیکن میں نے رسولؐ کی اقتدا میں ایک مرتبہ نماز پڑھی تو انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں پس میں نے اسی طریقہ پر عمل کیا ، اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند کی پانچویں جلد کے صفحہ ۴۰۲

حذیفہ کی حدیث کو یحییٰ بن عبداللہ جابر کے طریق سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے، مولائے حذیفہ کی اقتدا میں مدائن میں ایک نماز جنازہ پڑھی تو انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں اس کے بعد ہماری طرف ملتفت ہوئے اور کہا مجھے نہ تو وہم ہوا ہے اور نہ ہی میں بھولا ہوں لیکن میں نے اپنے مولا حذیفہ بن یمانی کی طرح تکبیریں کہیں ہیں کہ انہوں نے ایک نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہی تھیں۔ اور امام اہل سنت ذہبی نے میزان الاعتدال میں یحییٰ بن عبداللہ جابر کے حالات میں جدیر ضبی سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے عمر نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں اور لوگوں کو اس پر جمع کر لیا جیسا کہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے اولیات کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے اور ابن شحنہ اپنی "روضۃ المناظر" جو اثیر کی تاریخ کا حاشیہ ہے میں عمر کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "رسولؐ آب سدر و آب کافور سے میت کو غسل دیتے تھے" آب سدر و آب کافور سے میت کو غسل دینا معتبر ہے جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح کی جلد اول کے صفحہ ۱۴۵ "باب غسل میت" ——— کے سلسلہ میں ام عطیہ انصاری سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ رسولؐ اس وقت ہماری پاس تشریف لائے جب ان کی بیٹی نے وفات پائی، اور فرمایا کہ اس کو تین یا پانچ یا اس سے زیادہ، غسل دینا ایکمرتبہ خالص پانی سے اور پھر بیری کے پانی سے۔ اور آخر میں آب کافور سے غسل دینا۔

غسل کا طریقہ:۔ غسل کے دو طریقے ہیں (۱) ترتیبی (۲) ارتماسی، دونوں میں قصد قربت واجب ہے اور اسی پہ آخر تک باقی رہنا اور بدن کا پاک ہونا، ان چیزوں کا بدن سے الگ ہونا جو پانی پہنچنے میں مانع ہوتی ہیں

غسل ترتیبی میں پہلے سر و گردن دھونا چاہیئے اور پھر دایاں حصہ کو اس طرح دھو ئے کہ نصف سے زیادہ حصہ پر پورے طریقہ سے پانی پہونچ جائے اور اسی طرح بائیں حصہ کو دھوئے کہا گیا ہے کہ دائیں بائیں کی ترتیب ضروری نہیں ہے ،

غسل ارتماسی میں تمام بدن ایک دم پانی میں ڈوب جائے مستحب ہے کہ جنابت کے بعد پیشاب کرے ۔

اور میت کو غسل ترتیبی ہی دیا جائیگا اور واجب ہے کہ مرد کو مرد اور عورت کو عورت غسل دے ہاں شوہر اپنی زوجہ اور زوجہ اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اور تین سال کے بچے کو بھی عورت غسل دے سکتی ہے لیکن شہید کہ جو اسلام کی حمایت میں قتل ہو جاتا ہے اسکو غسل وکفن دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس پر نماز پڑھ کر اسی لباس میں دفن کیا جائیگا

میت کے اجزا اور اس کے احکام :۔ میت کا سینہ بھی تمام احکام میت کی طرح ہے لیکن سینے کے علاوہ اگر اس میں ہڈی ہے تو اسکو غسل وکفن دیا جائیگا اور اگر بھولے سے یا کسی عذر کی بناء پر نماز سے پہلے دفنا دیا گیا یا میت کے سڑنے کی وجہ سے جلد دفنا دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائیگی اسوقت تک جب تک اس پر میت کا اطلاق ہوگا ایک قول یہ ہے کہ ایک دن رات گذرنے تک اس پر نماز پڑھی جائیگی ،

میت کو دفن کرنا واجب ہے یعنی اس کو زمین میں اس طرح چھپائیں کہ درندے شیر وغیرہ اسے نکال نہ سکیں اور لوگوں کو اس کی بو محسوس نہ ہو سکے ، میت کے داہنی طرف کوئی چیز رکھدیں تاکہ اس کا سر مغرب کیطرف اور پاؤں مشرق کی جانب اور چہرہ رو بقبلہ ہو جائے

تمام بدن سرد ہو جانے کے بعد اور غسل دینے سے قبل میت کو چھونے سے غسل واجب ہو جاتا

ہے لیکن وہ ٹکڑا جو زندگی میں اُس کے بدن سے جدا ہو گیا تھا وہ بھی میت کے حکم میں ہے لیکن جب اس ٹکڑے میں ہڈی موجود ہو اگر فقط گوشت ہے تو اسکو چھونے سے غسل واجب نہیں ہوتا اگرچہ احوط یہ ہے کہ تنہا ہڈی کو گوشت سے ملحق کیا جائے

لیکن اگر مرنے کے بعد بدن سے کوئی ٹکڑا جدا ہو گیا ہے تو اس کے چھونے کا وہی حکم ہے جو اتصال کی صورت میں تھا

تیمم کا طریقہ :۔ تین چیزوں کیلئے تیمم واجب ہوتا ہے (۱) اتنا پانی نہ ہو جو وضو یا غسل کیلئے کافی ہو سکے (۲) مرض کی بناء پر پانی استعمال نہیں کر سکتا یا اس کے استعمال سے سردی کا خطرہ ہے یا خود اس کی پیاس یا جس کی حفاظت اس پر واجب ہے اس کے لئے مضر ہے ۔ (۳) وقت اتنا کم ہے کہ جس میں غسل و وضو نہیں کر سکتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے دونوں ہاتھوں کو ملا کر بانیت و قصد قربت کے ساتھ ملا کر زمین پر مارے اور دونوں سے پیشانی اور بھوؤں پہ بال اگنے کی جگہ سے ناک تک مسح کرے اور پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کا گٹے سے انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور اسی طرح دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کا مسح گٹے سے انگلیوں تک کرے ۔ اور پھر دوبارہ زمین پہ ہاتھ مارے اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کا مسح کرے جس جس چیز سے وضو یا غسل باطل ہو جاتا ہے تیمم بھی باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر پانی مل جائے تو تیمم بھی ختم ہو جائیگا بشرطیکہ پانی کفایت کناں اور استعمال میں کوئی ضرر نہ ہو ۔۔۔ تیمم سے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ نہیں کیا جائیگا اگرچہ نماز گذار پانی کے استعمال پر قادر تھا لیکن اس وقت کہ جب وہ نماز میں مشغول ہو اور رکوع کے بعد اسے معلوم ہو کہ پانی موجود ہے اور اگر رکوع سے پہلے معلوم ہو جائے کہ پانی موجود ہے

تو وضو کر کے نماز پڑھے گا، غسل وضو تیمم تین امور میں مشترک ہیں (۱) پانی اور زمین پاک و مباح ہو (۲) بدن پر کوئی ایسی چیز نہ ہو جو کھال تک پانی نہ پہنچنے دے اسی طرح زمین یا ہاتھ کے درمیان رکاوٹ نہ ہو جیسے انگوٹھی وغیرہ۔

(۳) مکان اور اس کی فضا مباح ہو اور غسل و وضو کے لئے شرط ہے کہ پانی کا برتن سونے چاندی کا نہ ہو۔ اور جب مٹی نہ ملے تو غبار پر تیمم کرنا چاہئے۔

پندرہویں فصل :-

نماز اور اس کے اقسام

نماز دین کا ستون ہے، اگر یہ قبول ہو گئی تو دوسرے اعمال بھی قبول ہو جائیں گے اور اگر یہ رد کر دی گئی تو دوسرے اعمال بھی رد کر دیئے جائیں گے، قیامت کے دن معرفت کے بعد پہلا سوال نماز کے بارے میں کیا جائیگا اگر کامل طور سے نماز پڑھی ہو گی تو دوسرے اعمال کو دیکھا جائیگا ورنہ جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔

نماز مومن کی معراج ہے، نماز پرہیزگار کی قربانی ہے یہ کسی حال میں نہیں چھوڑی جا سکتی ہے جیسا کہ نبیؐ سے نص وارد ہوئی ہے۔

نماز کی دو قسمیں ہیں (۱) واجب (۲) مستحب۔ واجب نمازیں ۹ ہیں ۱۔ نماز یومیہ ۲۔ نماز جمعہ شرائط کے ساتھ، ۳۔ نماز عیدین جب معصوم موجود ہو، ۴۔ نماز آیات، ۵۔ نماز طواف ۶۔ نماز میت، ۷۔ نماز نذر و عہد وغیرہ خواہ نمازیں عذر و مرض کی بنا پر قضا ہوئی ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام نمازیں واجب ہیں سوائے ان نمازوں کے کہ جو اس نے پڑھی تھیں لیکن فاسد

تھیں اسی طرح وہ نمازیں بھی بڑے بیٹے پر واجب نہیں ہیں کہ جنکو باپ نے اجارہ پر لے لیا تھا اور وہ ادا نہیں ہوئی تھیں اور اسی طرح ماں کو بھی باپ سے ملحق نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(۹) فوت شدہ نمازوں کی قضا، شب و روز میں پانچ نمازیں واجب ہیں جن کی تعداد ۱۷ رکعت ہیں صبح کی دو رکعت، ظہر کی چار رکعت، عصر کی چار رکعت، مغرب کی تین رکعت، عشا کی چار رکعت اور ان کے نوافل کی تعداد ۳۴ رکعت ہے نماز صبح سے پہلے ۲ رکعت، نماز ظہر سے قبل آٹھ رکعت، اور نماز عصر کے قبل آٹھ رکعت، نماز مغرب کے بعد چار رکعت، نماز عشا کے بعد دو رکعت بیٹھ کر، نوافل شب (نماز شب) دو دو کر کے آٹھ رکعت اور ان کے بعد دو رکعت نماز شفع اور آخر میں ایک رکعت نماز وتر ہے، چار رکعتی نماز کے نوافل، سفر میں ساقط ہو جاتے ہیں یعنی ظہر و عصر و عشاء کے نوافل سفر میں ساقط ہو جاتے ہیں

نماز جمعہ: — نماز جمعہ دو رکعت ہے اس کا وقت، زوال آفتاب کے بعد اس وقت تک ہے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کے پہلے سایہ کے برابر نہ ہو جائے اس کے وجوب کی شرط امام معصوم یا جسکو امام نے نصب کیا ہو کہ زمانہ غیبت امام میں نماز جمعہ واجب تخییری ہے، دوسرا قول ہے کہ جامع الشرائط مجتہد سے اس کا وجوب مخصوص ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے اس عادل پیشنماز کی امامت میں نماز جمعہ قائم کرنا واجب ہے جو خطبے دے سکتا ہو، نماز جمعہ میں کم از کم پانچ افراد ضروری ہیں کہا گیا ہے کہ پیش نماز سمیت ۷ افراد کا ہونا ضروری ہے، نماز جمعہ سے قبل دو خطبے ہیں، اور اگر اس جگہ اور جمعہ ہوتا ہے تو دوسرا جمعہ قائم نہیں کیا جا سکتا ہے مگر یہ کہ دونوں کے درمیان معین فاصلہ ہو یہ نماز شرائط کی موجودگی میں ہر آزاد مرد مسلمان پر واجب ہے مریض اندھے اور بوڑھے پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے اور نہ ہی مسافر پر نماز جمعہ واجب ہے، نماز جمعہ سے

قبل دو خطبے ہونے چاہئے اور اگر خطیب قدرت رکھتا ہے تو کھڑے ہو کر خطبے دینا چاہئیے ۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب ہے کہ عادل بادشاہ کی موجودگی میں نماز جمعہ قائم ہو سکتی ہے جیسا کہ شیخ محمد بن عبد الرحمٰن شافعی نے کتاب الرحمہ کی جلد ۱، صا۱۷ پر شعرانی میزان الاعتدال کے حاشیہ پر دونوں (ابو حنیفہ و مالک) کے اقوال نقل کیئے ہیں، اور خود شعرانی نے میزان الاعتدال جلد اوّل کے صہ۲۴ پر نماز جمعہ کے ذیل میں تحریر کیا ہے

تعجب :- تعجب تو ان لوگوں پر ہے کہ جو نماز جمعہ پڑھتے ہیں نماز ظہر پڑھنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں ان کے اندر عیب نکالتے ہیں اور انہیں فریضہ ترک کرنیوالے قرار دیتے ہیں اور ان پر سورۂ جمعہ کی اس آیت " ایمان لانے والو! جب تمھیں جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو ذکر خدا کی طرف دوڑ پڑو" سے استدلال کرتے ہیں لیکن جو چیز ان سے پوشیدہ رہی ہے وہ یہ ہے کہ سورۂ جمعہ کی فقط ایک آیت ہے جو نماز جمعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جیسا کہ اس بات پر آیت کا منطوق دلالت کر رہا ہے کہ عام نماز مراد ہے اور عام کی دلالت خاص پر نہیں ہوتی ہے اس آیت سے صرف نماز جمعہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے لیکن کم کیف اور متیٰ و این میں سے کسی پر اس کی دلالت نہیں ہے اور جب ہم آیت سے قطع نظر اس سلسلہ میں سنت کو ملاحظہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس نماز کا وجوب بہت سے امور پر مشروط ہے اور ان میں سب سے اہم عادل بادشاہ کا ہونا ہے کہ جو حدود کو اسی طرح قائم کرتا ہے جسطرح خدا نے قرآن میں حکم دیا ہے اور جسے نبیؐ نے انجام دیا ہے اس زمانہ ایسے بادشاہ کا وجود نہیں ہے لیکن ہم نے کبھی انہیں فریضہ جہاد کے وجوب کے سلسلہ میں استدلال کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے کہ جسکے بارے میں دسوں آتیں نازل ہوئی ہیں اور ہر حال میں تمام فریضوں سے

اشرف ہے اور اس نماز کے قائم کرنے سے اسلام و مسلمین کا کیا فائدہ ہے جو ظہر میں نہیں ہر
اور نماز ظہر پڑھنے میں کیا ضرر ہے جو جمعہ میں نہیں ہے اور ان کی اس نماز سے کیا فائدہ کہ،
جس سے پوری زندگی میں اسلام قائم نہ ہو اور تمام کافروں کا استیصال نہ ہو عیسائیت و یہودیت
جس سے لرزہ براندام نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ موت سے فرار کر
رہے ہیں اور اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ راہ خدا میں کوئی مصیبت نہ آپڑے یا وہ
نماز جمعہ میں عزت و شوکت کا حصول سمجھتے ہیں اگر نماز جمعہ میں جان و مال کی قربانی دینا پڑتی
تو وہ اسے بھی چھوڑ دیتے جیسا کہ انہوں نے اشرف الفرائض کلمہ اسلام کی سربلندی کیلئے جہاد کو
چھوڑ دیا ہے اس بات سے انکار کرنا کھلم کھلا مکابرہ ہے

نماز عیدین و آیات:۔ نماز عیدین دو رکعت ہے پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد مستحب
ہے کہ سورۂ اعلیٰ پڑھے اور پانچ قنوت پڑھے تکبیر کہے اور رکوع و سجود بجالائے، اور دوسری
رکعت میں سورہ حمد کے بعد مستحب ہے کہ سورہ والشمس پڑھے اور چار قنوت پڑھے اور
رکوع و سجود کے بعد تشہد و سلام پر نماز تمام کرے، نماز عید اس زمانہ میں مستحب ہے
خواہ باجماعت پڑھے یا فردا

نماز آیات، سورج گہن چاند گہن اور آسمان و زمین پر ہر خوفناک آثار کے نمودار ہونے،
سے واجب ہوتی ہے۔ کالی، پیلی آندھیوں کے چلنے زلزلوں کے آنے سے نماز آیات
واجب ہوتی ہے اگرچہ زلزلے خوفناک نہ بھی ہوں نماز آیات دو رکعت ہے ہر رکعت میں
پانچ رکوع ہیں اور ہر رکوع سے قبل سورہ حمد اور کوئی ایک سورہ پڑھنا چاہیئے پانچویں رکوع
کے بعد سجود بجالائے اور اسی طرح دوسری رکعت کو بھی بجالائے اور تشہد و سلام کے بعد نماز

تمام کرے نماز آیات کے وجوب کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری نے اپنی صحیح کے صفحہ ۱۳۶ پر باب الصلوٰۃ فی کسوف الشمس میں حسن سے اور انہوں نے بکرہ سے نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسولؐ کے ساتھ تھے تو سورج گہن لگا پس رسولؐ اٹھے اور عبا دوش پہ ڈالی اور مسجد میں داخل ہوئے ہم نے آپ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا پس نبیؐ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو کسی کی موت کیوجہ سے گہن نہیں لگتا ہے پس اگر تم انہیں گہن میں دیکھو! تو نماز پڑھو! اور دعا کرو! یہانتک کہ تم پر منکشف ہو جائے اور یہی حدیث اسی صفحہ پر ابی مسعود وابن عمر اور مغیرہ بن شعبہ وام المومنین عائشہ سے نقل کی ہے اور نماز آیات پڑھنے کا حکم اس کے وجوب پہ دلالت کر رہا ہے۔

نماز طواف، عہد و نذر وغیرہ :۔ نماز طواف نماز صبح کی طرح دو رکعت ہے جو کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے قریب پڑھی جاتی ہے۔ نذر و عہد اور قسم سے جو نماز، واجب ہو جاتی ہے اس کو انہیں نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ مشروع ہے۔

نماز خوف قضا اور نماز مسافر :۔ دشمن کے خوف سے (حضر میں چار رکعتی نماز) نماز مسافر کیطرح دو رکعت ہے یہ نماز فرادیٰ اور جماعت سے تین شرائط کے بعد پڑھی جاتی ہے (۱) مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو کہ وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں اور یکے بعد دیگرہ وہ دشمن کے مقابلہ میں مورچہ پر پہنچیں۔ (۲) دشمنوں کی تعداد زیادہ ہو کہ ان کی کثرت سے خوف پیدا ہوتا ہو، (۳) دشمن سمت قبلہ میں نہ ہو۔ نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے دستہ میں ایک رکعت نماز پڑھے اور دوسری رکعت کو اتنا طول دے کہ پہلا گروہ اپنی دوسری رکعت ختم کر کے مورچہ پہ پہنچے دوسرا گروہ آئے اور امام دوسری رکعت اس گروہ کے ساتھ پڑھے اور تشہد میں اتنی دیر ٹھہرے کہ یہ گروہ اپنی

دوسری رکعت تمام کرکے امام کے تشہد میں شریک ہو جائے اور اب امام سلام پھیریگا۔
اور اگر نماز تین رکعتی ہے تو پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت اور دوسرے گروہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے گا اور اس کے برعکس بھی جائز ہے اور شدید خوف کی حالت میں اسلحہ ساتھ رکھنا واجب ہے اور جہاں تک ہوسکے چلتے ہوئے کھڑے ہوکر اور سواری پر نماز پڑھے اور بقدر امکان سجدہ کرے اور اگر ممکن نہ ہو تو اشارہ سے سجدہ وغیرہ کرے اور بقدر امکان سمت قبلہ کا تعین کرے اور جب اشارہ سے بھی عاجز ہو جائے تو ہر رکعت کے عوض تسبیحات اربعہ یعنی "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر" کہے

ہر مسلمان پر اس کی فوت شدہ نماز اسی طرح واجب ہے جس طرح فوت ہوئی ہوگی ،
مسافر چار رکعتی نماز یعنی ظہر و عصر اور عشا کو دو رکعت پڑھے گا لیکن اس کیلئے سات شرائط ہیں
(۱) شرعی مسافت یعنی ۸ فرسخ کی مسافت کا قصد رکھتا ہو (۲) اپنے ارادہ پر برقرار رہے (۳) آغاز سفر میں یہ ارادہ نہ ہو کہ کسی منزل پر دس روز قیام کرونگا یا اس ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے کے درمیان متردد نہ ہو (۴) سفر مباح ہو (۵) سفر اس کا پیشہ نہ ہو جیسے ملاح یا ڈاک لے جانے والا (۶) خانہ بدوش نہ ہو جیسے بادیہ نشین کہ جو معین جگہ پہ نہیں رہتے ہیں (۷) اس کے شہر کی ، دیواریں وہاں سے نظر نہ آتی ہوں اور آواز اذان سنائی نہ دیتی ہو پس جب شرائط پائے جائیں گے تو چار رکعتی نماز کی آخری دو رکعت ساقط ہو جائینگی جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح کی جلد (۱) کے صـ۱۳۱ باب تقصیر میں تحریر کیا ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے سفر کرے تو اسکو نماز قصر پڑھنا چاہیئے اور ابن ابی اسحاق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ وہ رسولؐ کے ساتھ مدینہ سے مکہ گیا تو رسولؐ نے مکہ میں دو دو رکعت نماز پڑھی اور پھر ہم مدینہ لوٹ آئے

اور یہ بھی کہا میں نے نبی کے ہمراہ مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی اور یہی بات امام اہل سنت ابو حنیفہ نے بیان کی ہے جیسا کہ محمد بن عبد الرحمٰن شافعی نے ابو حنیفہ سے اپنی کتاب الرحمۃ جلد (۱) ص۳۷ پر تحریر کیا ہے اور شعرانی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال کی جلد (۱) ص۱۹۵ پر تحریر کیا ہے

نماز جماعت

نماز جماعت مستحب موکد ہے اور نماز پنجگانہ میں سنت ہے بالخصوص ادا نمازوں اور ان میں بھی صبح، مغرب اور عشا کی نماز میں امام مالک کا بھی یہی عقیدہ ہے جیسا کہ شافعی لوگوں نے ان سے نقل کیا ہے، محمد بن عبد الوہاب شعرانی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال کی جلد (۱) ص۱۸۶ باب نماز جماعت میں اور محمد بن عبد الرحمٰن دمشقی عثمانی نے میزان الاعتدال کے حاشیہ کتاب الرحمۃ جلد (۱) ص۵۸ پر تحریر کیا ہے۔

جماعت کی تین قسمیں ہیں (۱) واجب (۲) مستحب (۳) حرام۔ واجب جیسے نماز جمعہ جبکہ شرائط پائے جائیں اور ان میں اہم امام معصوم یا ان کے نائب کا حضور ضروری ہے،

مستحب نماز پنجگانہ و نماز آیات اور نماز میت، ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز طواف کو جماعت سے پڑھنا مستحب ہے نماز عیدین اور استسقاء کے علاوہ تمام مستحب نمازوں کو جماعت سے پڑھنا حرام ہے۔

پیشنماز کے شرائط :- بالغ، عاقل، عادل، حلال زادہ، آزاد، اور مرد ہو اور امام کی جگہ ماموین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہو اور ماموم کے درمیان ایک قدم سے زیادہ

فاصلہ نہ ہو، ماموم امام سے آگے نہ کھڑا ہو امام و ماموم کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو کہ جس سے ماموم امام کو نہ دیکھ سکے اور اسی طرح ماموین کے درمیان میں کوئی ایسی چیز ہو جس سے تمام ماموین کا اتصال امام سے برقرار رہے امام اور ماموم کی نمازوں میں اختلاف نہ ہو مثلاً پیش نماز پنجگانہ پڑھ رہا ہو اور ماموم یا پیشنماز نماز میت پڑھ رہا ہو اور ماموم نماز پنجگانہ

امام صحیح قرائت سے عاجز اور ماموم اس پر قادر نہ ہو، نماز جمعہ وعیدین کے علاوہ جماعت میں کم از کم دو نفر ہونے چاہیئے کہ ایک امام ہوگا دوسرا مقتدی اور جماعت اسی وقت منعقد ہوگی جب ماموم پیشنماز کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائیگا یا تکبیرۃ الاحرام کے بعد نماز میں شریک ہوگا، اخفاتی نمازوں کی جماعت میں الحمد و سورہ پڑھنا ساقط ہے اور نماز جہریہ میں اگر امام کے ہمہمہ کی آواز سن رہا ہے تو ساقط ہے ورنہ خود بھی پڑھ سکتا ہے۔

تراویح سنت نہیں ہیں:- تراویح کی نماز یعنی ماہ رمضان کی نوافل جماعت سے پڑھنا زمانۂ نبیؐ میں شروع نہیں تھا اور نہ ہی اس کا رواج عہد ابوبکر میں تھا رسولؐ ماہ رمضان کی شبوں میں ان نوافل کو فرادیٰ ادا فرماتے تھے اور اسی طرح دوسرے لوگ بھی فرادیٰ پڑھتے تھے لیکن خلیفہ عمر نے تراویح کو لوگوں کیلئے سنت قرار دے دیا اور لوگوں کو اس پر جمع کرلیا اس کو نماز تراویح اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت ہے۔

بخاری اپنی صحیح کی جلد (۱) ص ۲۲۳ پر نماز تراویح کے سلسلہ میں ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا جو شخص ماہ مبارک میں ایمان و احتساب کے ساتھ نماز پڑھے گا خدا گذشتہ گناہوں کو بخش دے گا، ابن شہاب کہتے ہیں رسولؐ دنیا سے چلے گئے اور نوافل رمضان ایسے ہی فردیٰ ہوتی رہی اسی طرح زمانۂ ابوبکر میں بھی اور خلافت عمر کے ابتدائی

زمانہ میں بھی اس میں کوئی ردو بدل نہیں ہوئی ، اور عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کہتے ہیں کہ میں رمضان (المبارک) کی ایک رات میں جناب عمر کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا لوگ فرادیٰ نماز پڑھ رہے ہیں تو جناب عمر نے کہا میرا خیال ہے کہ اگر تمام لوگ ایک قاری کی اقتداء میں نماز پڑھیں تو زیادہ مناسب ہے پھر جناب عمر نے سب کو ابی بن کعب کی امامت پر جمع کر دیا، ایک رات میں پھر خلیفہ عمر کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا تمام لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں عمر نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا یہ اچھی بدعت ہے اور مسلم نے اپنی صحیح جلد (۱) ص۲۸۳ باب ترغیب قیام میں یہی تحریر کیا ہے اور قسطلانی ارشاد ساری کی پانچویں جلد میں جناب عمر کا قول نقل کرتے ہوئے، فرماتے ہیں اس حدیث (یعنی یہ اچھی بدعت ہے) میں جو جناب عمر نے اسکو بدعت کہا ہے وہ اس لئے کہ اس نماز کو رسولؐ نے لوگوں کے لئے سنت قرار نہیں دیا تھا اور نہ ہی یہ نماز اس شکل میں زمانۂ صدیق میں پڑھی جاتی تھی نہ پہلی شب میں اور اس تعداد میں اسی طرح تحفۃ الباری، وغیرہ میں بھی مرقوم ہے

علامہ اہل سنت ابو الولید محمد بن شحنہ اپنی تاریخ روضۃ المناظر میں جناب عمر کے اولیات میں تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں سب سے پہلے امہات الاولاد کے فروخت کرنے سے جناب عمر نے منع کیا، اور نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر لوگوں کو جمع کیا اور سب سے پہلے تراویح کی نماز میں ایک امام کی اقتدا پر لوگوں کو جمع کرنے والے سب سے پہلے جناب عمر ہی ہیں ابن سعد نے بھی طبقات میں عمر کے تذکرہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں، اور سیوطی نے اپنی تاریخ میں ان باتوں کو نقل کیا ہے لیکن شیعہ اس سنت کو کم و کیفیت کے لحاظ سے رسولؐ کی طرح ادا کرتے ہیں جیسا کہ رسولؐ نے ارشاد فرمایا ہے صلوا کما رأیتمونی

اصلّی۔" یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو!"

مقدمات واوقات نماز:۔ مقدمات نماز آٹھ ہیں (۱) حدث سے پاک ہونا (۲) خبث سے بدن اور لباس کو پاک کرنا (۳) ستر عورتین یعنی مرد آگے پیچھے کے حصہ کو چھپائے اور عورت چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارے بدن کو چھپائے (۴) اوقات نماز کی شناخت قبلہ کی پہچان (۵) نماز گذار کا لباس اس جانور کے اجزا کا نہ ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اور نہ ہی مردار کی کھال وغیرہ کا ہو خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ ہو۔ اور نہ ہی اس جانور کے اجزاء کا ہو جو خون جہندہ رکھتا ہے اور مردوں کا لباس خالص حریر کا نہ ہو (۷) نماز گذار کا لباس، مکان، اور فضا، مباح ہو غصبی نہ ہو اعضاء سجدہ کی جگہ ہموار ہو اونچی نیچی نہ ہو اور چار انگشت سے زیادہ بلند نہ ہو (۸) مکان نجس نہ ہو اس طرح کہ اس کی نجاست نماز گذار کے لباس یا بدن میں سرایت کر آئے لیکن پیشانی رکھنے کی جگہ کو پاک ہونا چاہیئے نماز ظہر وعصر ،مغرب وعشأ ہر ایک کے دو وقت ہیں ایک مختص دوسرا مشترک کسی نماز کے مخصوص وقت میں دوسری نماز کو پڑھنا جائز نہیں ہے نماز صبح کا وقت طلوع فجر یعنی مشرق سے سفیدی نمودار ہونے سے طلوع آفتاب تک ہے اور نماز ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد یعنی جب سورج نصف النہار سے گذر جائے یا کم ہونے کے بعد شاخص کا سایہ بڑھ جائے یا شاخص کا سایہ غائب ہونے کے بعد ظاہر ہو جائے، شاخص وہ علامت ہے جو ستون کی شکل میں ہموار زمین میں اس طرح نصب کی جاتی ہے کہ جو زاویہ قائمہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے کی تشخیص کے لئے نصب کی جاتی ہے، ظہر کا وقت اس سایہ کے نکلنے بعد اس وقت تک ہے کہ جس میں وطن میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت نماز ادا ہو جائے اور اس کے **بعد ظہر** وعصر کا وقت مشترک ہے، اور مغرب کا مخصوص وقت مشرق سے سرخی زائل ہونے

سے تین رکعت نماز ادا ہونے کے وقت تک ہے اور اس کے بعد نصف شب اسوقت ہے جب وطن میں طلوع فجر سے پانچ رکعت پڑھنے کا وقت باقی رہے ،
اور جو نیند سے پریشان ہو یا بھول گیا ہو اس کے لئے سفر میں ہے تو تین رکعت نماز پڑھنے کا وقت باقی رہے اور نماز عشا کا وقت بھی دو وقتوں سے مخصوص ہے وطن میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت کا وقت جب باقی ہے اس سے پہلے دونوں کا وقت مشترک ہے
نماز آیات کا وقت سورج گہن و چاند گہن میں دونوں کی ابتداء سے روشن ہونے سے قبل، زلزلہ کی نماز تمام عمر ہے اس کے علاوہ جو نماز آیات ہیں ان کا وقت وہی ہے جب رونما ہوں ، اگر سورج گہن و چاند گہن کی نماز جان بوجھ کر یا بھولے سے چھوٹ جائے تو قضا واجب ہے اگر بالکل جاہل ہے تو علم کے بعد قضا واجب ہے اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے کہ نماز آیات و پنجگانہ نمازوں میں سے کسی ایک وقت ہو اگر وقت زیادہ ہے تو جسکو چاہے مقدم کرے لیکن اگر دونوں کا وقت تنگ ہے تو حاضرہ (پنجگانہ والی نماز میں سے کسی کو) مقدم کرے گا ۔
جمع بین الصلاتین :- دو نمازوں کو الگ الگ پڑھنا واجب نہیں ہے اگرچہ جدا گانہ پڑھنا ہمارے نزدیک افضل ہے دونوں کو ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے اور اس بات کو اہل سنت کے علماء نے صحاح ستہ میں تحریر کیا ہے اور ان سب کے سردار بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں تحریر کیا ہے بخاری نے جامعۃ الصحیح جلد (۱) ص۷۱ باب تاخیر الظہر الی العصر کتاب مواقیت الصلواۃ میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے مدینہ میں سات مغرب و عشا آٹھ ظہر و عصر رکعت نماز پڑھی ۔ اور جلد (۱) ص۷۲ باب وقت مغرب میں عمر بن دینار سے روایت کی کہ

کہ میں نے جابر ابن زید سے ابن عباس کا یہ قول سنا ہے کہ نبیؐ نے سات (۷رکعت) نماز ایک ساتھ اور آٹھ (۸رکعت) نماز ایک وقت میں ادا کی اور جلد (۱) ص۱۳۹ پر بھی یہی تحریر کیا ہے کہ اور مسلم نے اپنی صحیح کی جلد (۱) ص۱۴۶ پر باب جواز الجمع بین الصلاتین کے سلسلہ میں سعد بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے مدینہ میں نماز مغرب و عشاء ایک ساتھ اور نماز ظہر و عصر ایک ساتھ ادا فرمائی جبکہ نہ کوئی خوف تھا اور نہ بارش ابن عباس سے پوچھا گیا کہ رسولؐ نے ایسا کیوں کیا؟ ابن عباس نے فرمایا تاکہ آپ کی امت تنگی و دشواری سے دو چار نہ ہو اور جلد (۱) ص۲۴۶ پر اسی باب میں جابر سے اور انہوں نے زید سے اور زید نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے مدینہ میں نماز مغرب و عشاء ایک ساتھ اور ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھی اور اسی باب میں جلد (۱) ص۲۴۶ پر تحریر کیا ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک شخص نے متعدد بار الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ کہا تو ابن عباس نے کہا کمینہ کیا تم ہمیں نماز سکھاؤ گے ہم نے عہد رسولؐ میں دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی ہیں

احمد بن حنبل نے مسند کی جلد (۱) ص۲۲۳ پر ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ نبی نے مدینہ میں نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ایک ساتھ ادا فرمائی ہے جبکہ نہ کوئی خوف تھا اور نہ ہی بارش تھی   نے مسلم کی شرح میں اسی حدیث کو نقل کیا ہے (اور ائمہ کی ایک جماعت نے جمع بین الصلاتین کو جائز قرار دیا ہے) پس شیعہ انہیں احادیث کی بناء پر جمع بین الصلاتین کرتے ہیں کہ جو اہل سنت کی قرآن کے بعد صحیح ترین کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ابن حجر نے صواعق کے ص۵ باب اوّل میں حکایت کی ہے کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کے بعد یہ کتابیں معتبر و صحیح ہیں۔

جمع بین الصلاتین پر قرآن کی صریح دلالت :- سنت نبویؐ کے بعد جمع بین الصلاتین کو ہم قرآن کی رو سے دیکھتے ہیں تو نماز تین اوقات پر قرآن کی واضح نص ملتی ہے اور قرآن سے نماز کے پانچ اوقات سمجھ میں نہیں آتے ہیں وقت کا تذکرہ ان دو آیتوں میں ہے

"اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر"[1]

پس خداوند عالم کا یہ قول "لدلوک الشمس" یعنی زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک نماز ظہر وعصر کا وقت رہتا ہے اور (الی غسق اللیل) یعنی رات کی تاریکی کے ساتھ نماز مغرب وعشاء کا وقت ہو جاتا ہے اور اس کے بعد برقرار رہتا ہے اور (وقرآن الفجر) یعنی صبح کی نماز کا وقت"

دوسری آیت : "واقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیأت"[2]

"طرفی النہار" سے نماز صبح اور نماز ظہر وعصر مراد ہے اس میں کوئی تفریق نہیں ہے اور "زلفا من اللیل" سے نماز مغرب وعشا کا ایک ساتھ پڑھنا مراد ہے نہ کہ جدا جدا پس نماز پنجگانہ کے فقط تین اوقات قرآن وسنت میں مخصوص ہیں اور شیعہ انہیں دو آیتوں پر عمل کرتے ہیں اور جمع بین الصلاتین سنت صریحہ اور مشروع ہے مطلقاً شیعہ قرآن و نبیؐ کا اتباع کرتے ہوئے دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔

قبلہ اور اذان واقامت :- قبلہ یعنی کعبہ جو مشاہدہ کر رہا ہے اور دور والے کیلئے

---

[1] سورۂ اسرأ آیت ۷۸ • [2] سورۂ ھود آیت ۱۱۴

جہت وسمت قبلہ ہے اور جو شخص کعبہ کے اندر ہے وہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھے سمت قبلہ، مسجدوں اور مسلمانوں کی قبور سے اور صاحب خانہ کے قول سے پہچانا جاتا ہے اگر وہ مسلمان ہے اور اگر یہ علامات نہ ہوں اور یہ ظن بھی حاصل نہ ہو سکے کہ قبلہ کس سمت میں ہے تو چاروں طرف رخ کر کے نماز پڑھے جیسا کہ مشہور ہے اور وقت بھی وسیع ہو اور اگر وقت کم ہو تو جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھے، نماز پنجگانہ سے قبل اذان واقامت سنت موکدہ ہیں، اذان : چار مرتبہ "اللہ اکبر" اور دو مرتبہ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ" اور دو مرتبہ "اشھد انّ محمدا رسول اللہ" دو مرتبہ "اشھد انّ علیاً ولی اللہ" اور دو مرتبہ "حیّ علی الصلوٰۃ" دو مرتبہ "حیّ علی الفلاح" دو مرتبہ "حیّ علیٰ خیر العمل" دو مرتبہ "اللہ اکبر" اور دو مرتبہ "لا الٰہ الا اللہ"

اقامت کے شروع میں دو مرتبہ "اللہ اکبر" اور آخر میں ایکمرتبہ "لا الٰہ الا اللہ" اور "حیّ علیٰ خیر العمل" کے بعد دو مرتبہ "قد قامت الصلوٰۃ" کا اضافہ ہوتا ہے باقی سب اذان کی طرح ہیں،

"اشھد ان علیا ولی اللہ اور حیّ علیٰ خیر العمل"

اذان واقامت میں تیسری شہادت حضرت علیؑ کی ولایت کی شہادت ہے اور یہ شیعوں کے نزدیک جزِ ایمان ہے نہ کہ جزِ اذان واقامت اور شیعہ اس شہادت کے ذریعہ خداوند عالم کے اس قول پر ایمان کا اعلان کرتے ہیں :

"انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ

وَ یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ومن یتولی اللہ ورسولہ و
الذین اٰمنوا فانّ حزب اللہ ھم الغالبون ٥ سورۂ مائدہ آیت ۵۵و۵۶

اور یہ بات ہم اہل سنت کے مفسرین کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی ولایت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خداوند عالم سورۂ یونس کی آیت ۶۲ و ۶۳ میں ارشاد فرماتا ہے:

" الاانّ اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون الذین آمنوا
وکانوا یتقون ٥ "

اور اہل اسلام کے کسی ایک فرد کو اس بات میں شک نہیں ہے کہ بعد رسولؐ علیؑ ہی اوّل المومنین اور افضل المتقین ہیں پس علیؑ اولیاء اللہ میں بلند ہیں بلکہ بعد رسولؐ ان کے سردار ہیں اور جب خود قرآن میں خدا اس طرح شہادت دے رہا ہے کہ علیؑ میرے مخلصین اولیاء اور سب سے زیادہ متقی ہیں پس شیعہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ اللہ کے ولی اور زمین پر خدا کی حجت ہیں ۔

کلمہ حی علیٰ خیر العمل جزو اذان و اقامت ہے کیونکہ یہ کلمہ زمانۂ نبیؐ میں بھی جز اذان و اقامت تھا اور خلافت ابوبکر اور خلافت عمر کے ابتدائی زمانہ میں بھی جز اذان و اقامت تھا بعد میں عمر نے اس کلمہ کو اذان و اقامت سے نکال دیا جیسا کہ اہل سنت کے علامہ علاء الدین علی بن محمد قوشجی نے شرح تجرید الاعتقاد میں بحث امامت کے آخر میں ص۳۸۲ پر تحریر کیا ہے اسی کتاب کی شرح میں مرقوم ہے کہ عمر نے فرمایا کہ تین چیزیں عہد رسولؐ میں حلال تھیں میں ان کی انجام دہی سے منع کرتا ہوں ۔ اور جو انہیں انجام دے گا میں اسے سزا دونگا ، متعہ نساء

متعہ حج ، اور حیَّ علیٰ خیر العمل ، اور علی بن برہان الدین حلبی شافعی نے سیرت حلبیہ کی جلد ۲ ص۱۱۰ باب بدء الاذان و مشروعیہ میں تحریر کیا ہے کہ ابن عمر اور امام زین العابدین علی ابن الحسینؑ اذان میں حی علی الفلاح کے بعد حی علیٰ خیر العمل کہتے تھے ،

الصلوٰۃ خیر من النوم سنت نہیں ہے : "الصلوٰۃ خیر من النوم" کو فصول اذان میں داخل کرنا سنت نہیں ہے کیونکہ عہد رسولؐ میں یہ جملہ اذان میں نہیں تھا اور نہ ہی جناب ابوبکر کے زمانہ میں اذان و اقامت میں شامل تھا لیکن عمر نے اپنے موذن کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کو اذان صبح میں شامل کرے جیسا کہ امام اہل سنت مالک نے موطا میں حضرت عمر سے نقل کیا ہے (جب موذن اذان صبح دینے کی غرض سے عمر کے پاس گیا تو دیکھا وہ محو خواب ہیں تو موذن نے کہا : الصلوٰۃ خیر من النوم) عمر نے موذن سے کہا اس جملہ کو تم اذان صبح میں داخل کر لو ،

واجبات نماز :- واجبات نماز ۱۲ ہیں (۱) نیت (۲) تکبیرۃ الاحرام (۳) قیام (۴) رکوع (۵) سجود (۶) قرأت (۷) تشہد (۸) سلام (۹) موالات (۱۰) ترتیب (۱۱) ذکر (۱۲) طمانینت ، ان میں سے پہلے پانچ واجب رکنی ہیں ان میں عمداً یا سہواً کمی و زیادتی سے نماز باطل ہو جاتی ہے ، اور قیام متصل بہ رکوع یعنی جس کے بعد نماز گذار رکوع کرتا ہے اور ہر رکعت میں دو سجدے ،

نیت یعنی معین نماز کا قصد قربۃً الی اللہ ، تکبیرۃ الاحرام اللہ اکبر نیت اور قیام کیساتھ اور نیت و تکبیرۃ الاحرام حالت قیام میں کہے اور حمد و سورہ بھی کھڑے ہو کر پڑھے اور اگر کھڑے ہونے سے عاجز ہو تو کسی چیز کے سہارے کھڑا ہو کر پڑھے اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو تو لیٹ کر اشاروں سے پڑھے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو

تو چت لیٹ کر پڑھے اور رکوع و سجود اشاروں سے بجالائے اگرچہ پلکوں کے اشارہ ہی سے پڑھے کیونکہ نماز کسی حالت میں ترک نہیں کی جاسکتی ہے

قرائت یعنی پہلی دونوں رکعتوں میں حمد و سورہ کو مکمل پڑھنا مگر "سورہ فیل" اور "سورہ لایلاف" کو تنہا نہیں پڑھنا چاہیئے بلکہ دونوں ترتیب کے لحاظ سے پڑھنا واجب ہے اسی طرح "سورہ ضحیٰ" اور "سورہ الم نشرح" کو بھی تنہا نہیں پڑھنا چاہیئے ۔ ظہر و عصر اور نماز عشا کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں انسان مختار ہے خواہ سورہ حمد آہستہ پڑھے یا تسبیحات اربعہ یعنی "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" آہستہ پڑھے احوط یہ ہے کہ تسبیحات اربعہ پڑھے اور اگر قدرت رکھتا ہے تو اس کا سیکھنا واجب ہے اور اگر عاجز ہے تو جس قدر پڑھ سکے پڑھے اور اگر نہیں پڑھ سکتا ہے تو تین مرتبہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کہے، نماز مغرب و عشا اور صبح کی نماز کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور نماز ظہر و عصر کو آہستہ پڑھنا واجب ہے، واجب نمازوں میں سورہ عزائم کا پڑھنا جائز نہیں ہے اور نہ اتنے طویل سوروں کا پڑھنا جائز ہے کہ جن کے پڑھنے سے نماز قضا ہو جائے، اخفاتی نمازوں میں بھی بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا مستحب ہے نماز جمعہ اور اگر جمعہ ہو تو ظہر میں سورہ جمعہ و منافقین کا پڑھنا مستحب ہے،

نماز میں آمین کہنا اور ہاتھ باندھنا جائز نہیں ہے :۔ سورہ حمد کے آخر میں عمداً آمین کہنا جائز نہیں ہے اور اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ سورہ حمد دعا نہیں ہے کہ جس پر آمین کہی جائے بلکہ وہ قرآن کا جز ہے اور قرآن دعا نہیں ہے پس اسکو دعا کے حکم میں نہیں لایا جا سکتا جیسا کہ سرور کائنات کا ارشاد ہے " لا تبطلوا صلواتکم بکلام الآدمیین " اپنی نمازوں کو آدمیوں کے کلام سے باطل نہ کرو اور آمین آدمیوں کا قول ہے کیونکہ آمین دعا کے بعد کہی جاتی ہے اور قرآن پر دعا کا اطلاق نہیں ہوتا ہے ۔

نماز میں ہاتھ باندھنا نہ مشروع ہے اور نہ سنت اور عمداً ہاتھ باندھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور یہ ہاتھ باندھنا اس حدیث کی بنا پر ہے کہ جو نبی کی نماز کی صفت پر مشتمل ہے اس میں ایک صفت ہاتھ باندھنا بھی ہے ، بخاری نے اپنی صحیح کی جلد ۱، ص ۱۰۱ کتاب الاذان میں اور صدیق حسن قنوجی بخاری نے اپنی روضۃ الندیہ شرح درر البہیہ کے ص ۶۹ میں نقل کیا ہے اور محمد بن عبد الرحمان شافعی نے میزان الاعتدال کے حاشیہ کتاب الرحمہ کا ص ۱۴ پر امام مالک سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ ہاتھ باندھتے تھے اور اسی کو شعرانی نے میزان الاعتدال کی جلد ۱، ص ۱۵۰ پر نقل کیا ہے ۔

رکوع اور سجدہ : کسوف و خسوف اور نماز آیات کے علاوہ ہر رکعت میں ایک رکوع واجب ہے جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے ، رکوع رکن ہے رکوع میں اتنا جھکنا واجب ہے کہ ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور اگر اتنا جھکنے سے عاجز ہے تو جتنا ممکن ہو جھکے ورنہ اشارہ سے رکوع کرے رکوع میں بقدر ذکر طمانیت واجب ہے ایک مرتبہ ذکر واجب ہے یعنی "سبحان ربی العظیم وبحمدہ" اور اس کے بعد اطمینان کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو جائے اور ہر رکعت میں دو سجدے واجب ہیں ہر رکعت میں دونوں سجدے رکن ہیں سجدہ میں سات اعضاء کو زمین یا فرش پر ٹیکنا واجب ہے یعنی پیشانی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے انگوٹھے زمین پر ٹیکنا واجب ہیں ، اور اگر سجدہ کرنے سے عاجز ہے تو اشارہ سے سجدہ کرے اگر کوئی چیز اٹھا سکتا ہے اور نہ اس پر سجدہ کر سکتا ہے تو بقدر ذکر مطمئن رہے ہر سجدہ میں ایک مرتبہ ذکر یعنی سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ کہنا واجب ہے یا تین مرتبہ سبحان اللہ کہے ، دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھے ،

کن چیزوں پر سجدہ صحیح ہے : ۔ تعظیم خدا اور اس کی وحدانیت کے قصد سے زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں زمین اور زمین سے اگنے والی چیزوں پر سجدہ کرنا صحیح ہے لیکن وہ چیزیں کھائی

اور پہنچی نہ جاتی ہوں ۔ شیعوں کی دلیل یہ وہ حدیث ہے جس کو بخاری نے اپنی صحیح کی جلد ۱ ص ۹۱ نقل کی ہے اور وہ یہ ہے "جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً" اور اہل سنت کے چوٹی کے عالم ابن حجر عسقلانی فتح الباری کی جلد ۱ ص ۳۴۱ پر اسی باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ۔

رسول اللہ نے زمین کے علاوہ دوسری چیزوں پر سجدہ کرنے سے کراہت فرماتے تھے

جس خاک پہ شیعہ سجدہ کرتے ہیں :۔ لیکن جس مشہور خاک پر اور خاص شکل کی بنی ہوئی خاص مٹی پر شیعہ سجدہ کرتے ہیں کہ جسکی بنا پر لوگ انہیں مشرک کہتے ہیں جبکہ شیعہ اس تہمت سے بری ہیں اور وہ خدا کی عبادت کرنے والے اور لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والے ہیں پس انکی طرف شرک وغیرہ کی نسبت دینا جائز نہیں ہے وہ آل محمدؐ کے شیعہ ہیں کہ جو ائمہ ہدیٰ ، مصابیح الدجیٰ ، انہوں نے کبھی غیر خدا کو سجدہ نہیں کیا اور نہ اس کے سوا کسی کی عبادت کی خدا ہی سے مدد چاہی وہ اصول و فروع دین کو تمام لوگوں سے زیادہ جاننے والے اور اس کے حلال وحرام اور احکام سے بخوبی واقف ہیں سب سے زیادہ خدا کے عارف اور اسکی عبادت میں سب سے بڑے مخلص ہیں لیکن دشمنوں نے انصاف نہیں کیا حیف ہے انکے دشمنوں پر کہ جنہوں نے بغض و حسد کی بنا پر ان کی طرف ناروا نسبت دی ہے ورنہ اگر خاک (شفا) پر سجدہ کرنا سنگ پرستی ہوتی ، شرک ہوتا تو پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ سنگ پرستی قرار پائیگی ، لیکن پتھر پر سجدہ کرنے والا پتھر کو اپنا معبود نہیں سمجھتا ہے بلکہ وہ صرف اسے اپنا قبلہ قرار دیتا ہے ، انکی باتوں کا باطل ہونا واضح ہے شیعہ اس خاک پر خدا کا سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ غیر شیعہ اس خاک کے علاوہ دوسری چیزوں پر خدا کو ہی سجدہ کرتے ہیں ، اور اگر یہی بات ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں جس چیز پر سجدہ کرتا ہے وہ اس کی عبادت کرتا ہے تو پھر (العیاذ باللہ) نبیؐ نے زمین کی ،

زمین کی پرستش کی کیونکہ آپ زمین پر سجدہ کرتے تھے اور زمین کو سجدہ کرنا صریح طور پر کفر ہے (نعوذ باللہ منہ) اور بخاری نے اپنی صحیح کی جلد (۱)، ص۱۰۲، کتاب اذان کے باب السجود علی الانف فی الطین میں ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے دیکھا ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور بارش ہوئی نبی کے ہمراہ نماز پڑھی بعد نماز سب نے نبیؐ کی پیشانی پر پانی اور خاک کا اثر دیکھا کیا آپ اس بات کو معقول سمجھتے ہیں کہ رسولؐ اور ان کے اصحاب کے لئے مسجد کوئی فرش، کپڑا ہی نہیں تھا بالکل خالی تھے کہ رسولؐ اصحاب رسول کو مجبوراً زمین پر سجدہ کرنا پڑا۔ اور کیا یہ بات کہنا صحیح ہے کہ انہوں نے زمین کو سجدہ کیا تھا کیا آپ میرے ہم خیال نہیں ہیں کہ وہ فرش و کپڑے وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے پس انہوں نے گیلی زمین پر سجدہ کرنا صحیح سمجھا چہ جائیکہ خشک زمین کو اور شیعہ جس چیز پر سجدہ کرتے ہیں وہ بھی زمین کا ایک ٹکڑا ہے نہ کہ کسی اور چیز کا لہذا شیعوں نے اس پر سجدہ کرنا افضل سمجھا اور پھر یہ کہ رسولؐ نے بھی زمین پر سجدہ کیا ہے اور رسولؐ کا فعل حجت ہے کسی اور کا فعل حجت نہیں ہے اور اگر زمین پر سجدہ کرنا شرک ہوتا تو پھر تمام مسلمانوں کا مشرک ہونا لازم آتا خواہ وہ زمین پر سجدہ کرتے یا کپڑے و فرش وغیرہ پر اور اسی طرح وہ شخص بھی مشرک قرار پائیگا کہ جو کعبہ کے اندر نماز پڑھتا ہے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے یا درخت و پہاڑوں کے رو برو نماز پڑھتا ہے،

آپ کا کیا خیال ہے کیا اس شخص کا یہ کہنا جائز ہے کہ تمام مسلمان اپنی زمین اور ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ خاک (شفا) پر سجدہ کرنے کے سبب شیعوں کو مشرک کہتے ہیں اگر یہ بات کہنے والا تھوڑا غور کرے اور شیعوں کیلئے شرک کا اور ایک خاک کے ٹکڑے پر سجدہ کرنے کے سلسلہ میں سنگ پرستی کا الزام لگانے میں فتویٰ دینے میں تعجیل نہ کرے تو اسے معلوم

ہوگا کہ خاک (شفا) پر سجدہ کرنے میں بارگاہ خدا میں زیادہ خضوع و تذلل کا سبب ہے اور خاک پر سجدہ کرنا کپڑے پر سجدہ کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ عسقلانی کی حدیث میں بیان ہو چکا ہے کہ نبی زمین کے علاوہ اور کسی چیز پر سجدہ کرنے میں کراہیت فرماتے تھے اور شیعہ کے خاک (شفا) پر سجدہ کرنے کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ دوسری چیزوں پر سجدہ جائز نہیں ہے شیعہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ چند وجوہ سے خاک (شفا) پر سجدہ کرنا افضل ہے۔

(۱) جیسا کہ نبی کی حدیث بیان ہو چکی ہے (زمین میرے لئے جائے سجدہ اور پاک کرنے کا ذریعہ قرار دی گئی ہے) کہ آپ زمین کے علاوہ دوسری چیزوں پر سجدہ کرنے میں کراہیت فرماتے تھے اور یہ خاک بھی جس پر شیعہ سجدہ کرتے ہیں" زمین ہی سے ہے نہ کسی اور چیز سے، اس زمین کے ٹکڑوں پر سجدہ کرنا کہ جس میں نبیؐ اہل بیت نبی میں سے کوئی دفن ہے یا آپ کے اصحاب میں سے کوئی مدفون ہے دوسری زمینوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے بالخصوص اس زمین سے کہ جس میں دشمنان خدا دفن ہیں اور یہ وہی زمین ہے جسمیں سید الشہدا شباب اہل جنۃ ریحانۂ نبیؐ حسینؑ دفن ہیں اور اس نظریہ کی تائید خدا کا یہ قول کر رہا ہے "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع" سورہ نور آیت ۳۶ -

جلال الدین سیوطی در منثور کی پانچویں جلد کے ص۵۰ کے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی نے فرمایا کہ میرا اور میرے اہل بیت کے گھر تمام گھروں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ ان گھروں کی فضیلت ان کی سکونت سے ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی گھر کی عظمت و قدامت مکین کی عظمت و منزلت پر موقوف ہے پس اہل بیتؑ کے گھروں کا تقدس ان کے وجود مبارک کی وجہ سے ہے اور تمام گھروں سے ان کے گھر طاہر

ومطہر ہیں اور اسمیں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ ان میں ظاہری حیات میں زندگی گذارتے تھے یا بعد وفات آغوش قبر میں آرام فرما ہوتے ہوں پس آیت کا اطلاق عام ہے یعنی انکا اکرام واحترام جیسا حیات ظاہری میں تھا ایسا ہی بعد وفات بھی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی نص وارد ہوئی ہے

(۳) اور ہمیشہ نماز گذار کو زمین میسر بھی تو نہیں رہتی ہے کہ اس پر سجدہ کرے، دوسری طرف رسولؐ غیر زمین پر سجدہ کرنے میں کراہت فرماتے ہیں اور رسولؐ کی کراہت اس کی واضح دلیل ہے کہ کسی اور چیز پر سجدہ جائز نہیں ہے لہذا شیعوں نے طیب وطاہر مٹی سے سجدہ گاہ بنائی اور اس کو سجدہ کی غرض سے اپنے ساتھ رکھنے لگے ۔

(۴) جب نجس زمین پر سجدہ جائز نہیں ہے جیسا کہ رسولؐ کا ارشاد ہے دزمین میرے لئے جائے سجدہ اور طاہر قرار دی گئی ہے) اور "طہور" طاہر کا مبالغہ ہے یعنی جائے سجدہ کا پاک ہونا واجب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نماز گذار کو پاک زمین میسر نہیں آتی تو اس وقت ایک مخصوص سجدگاہ پر سجدہ کیا جاتا ہے ۔

(۵) اس خاک کی طہارت شیعوں کے نزدیک مسلم ہے اور اس خاک کے علاوہ کبھی دوسری خاک کی طہارت معلوم نہیں ہو پاتی تو

(۶) قبر نبیؐ یا اہل بیت نبی کی قبر سے لی گئی مٹی پر سجدہ کرنا افضل ہے جیسا کہ ائمہ اہل بیت نبوی سے متواتر احادیث منقول ہیں ۔ اور انہوں نے اس کی تصریح کی ہے ایسی خاک پر سجدہ کرنا افضل ہے ۔

تشہد وسلام :۔ نماز صبح میں ایک مرتبہ تشہد واجب ہے اور نماز مغرب وعشا اور ظہر و عصر میں دو مرتبہ واجب ہے اور تشہد کے لئے اتنی دیر بیٹھنا واجب ہے کہ جس میں تشہد اور محمدؐ وآل محمدؐ پر درود بھیجا جا سکے تشہد میں کم از کم اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا الرسول اللہ، اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد کہنا واجب ہے ،

شیعوں پر تہمت :۔ ہر نماز میں ایک سلام واجب اور وہ یہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین یا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ،، سلام لفظ علیکم کے کُم پر ختم ہو جاتا ہے ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مستحب ہے سلام کے بعد کانوں تک ہاتھ بلند کر کے تین تکبیریں کہنا مستحب ہے لیکن شیعوں کی طرف جو یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ سلام کے بعد شیعہ تین مرتبہ (خان الامین) کہتے ہیں اور اس کلمہ سے وہ جبرئیل کو مراد لیتے ہیں کہ انہوں نے رسولؐ تک وحی پہنچائی علیؑ پر وحی لیکر نازل نہیں ہوئے یہ افترا ہے اور کوئی بھی دیندار اور تھوڑی سی عقل رکھنے والا بھی ایسی بات نہیں کہے گا ، اوّل تو یہ کہ شیعوں کے نزدیک سلام کے بعد تین مرتبہ تکبیر کہنا مستحب ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور جملہ سلام کے نہیں کہتے کہ جسکو بے دین اور قیامت سے نہ ڈرنے والے افراد نے مومنین کی طرف منسوب کر دیا ہے اور بہت سی جھوٹی باتوں کو ان سے نسبت دے دی ہے ان باتوں کے ذریعہ وہ لوگوں کو شیعوں کی بات سننے سے روکتے ہیں اور ان کی عزت وعظمت کو برباد کرتے ہیں انکی قدر ومنزلت میں کمی کرتے ہیں ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں یا ان میں سے کسی کو قتل کر دیتے ہیں ،

اور شیعہ اس سے اس طرح بری ہیں جسطرح خون جناب یوسف سے بھیڑیا بری ہے ،

دوسرے یہ کہ خائن امین کیسے بن سکتا ہے اور امین خائن کیسے قرار پا سکتا ہے کہ جس سے یہ جملہ صحیح ہو جائے یہ بات وہ لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں " انا للہ وانا الیہ راجعون "

نماز میں درود :۔ شیعوں کے نزدیک رکوع و سجود کے ذکر کے بعد محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجنا مستحب ہے یعنی قول نبیؐ کے لحاظ سے "اللھم صلے علی محمدؐ و آل محمدؐ" جیسا کہ بخاری جلد ۳ ص ۱۱۹ میں اس پر نص وارد ہوئی ہے چنانچہ خداوند عالم کے اس قول کی تفسیر کے بارے میں "ان اللہ و ملائکتہ یصلون علے النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً ؐ"

کعب ابن عجرہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ہم آپ پر سلام بھیجنا تو جانتے ہیں لیکن درود کیسے بھیجیں تو آپ نے فرمایا: "اللھم صل علی محمد و آل محمد" کہا کرو! ابن حجر صواعق کے گیارہویں باب کی پہلی فصل کے ص ۱۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا کہ مجھ پر مقطوع صلوٰۃ نہ بھیجا کرو! لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلوٰۃ مقطوع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللھم صل علی محمدؐ کہکر نہ رک جایا کرو! بلکہ اللھم صل علی محمد و آل محمد کہا کرو! نبیؐ نے امر کا صیغہ (قولوا) استعمال کیا ہے جو وجوب میں ظہور رکھتا ہے اور امام شافعی کا تو یہ قول مشہور ہے:

" اے اہلبیت رسولؐ آپ حضرات کی محبت خدا کی طرف سے فرض ہے۔ قرآن میں اس کا حکم ہے آپ کی عظمت و قدر کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو نماز میں آپ حضرات پر درود نہ بھیجے اس کی نماز، نماز نہیں ہے"

مذہب شافعی میں تشہد کے اوّل و آخر میں درود بھیجنا واجب ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے اپنی کتاب "نسیم الریاض" کی جلد ۳ ص ۴۵۲ پر تحریر کیا ہے۔

شیعوں پر ایک اور تہمت :۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ شیعہ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کو واجب سمجھتے ہیں کہ ستارے نکل آئیں اور اسی لئے شیخ الاسلام عبدالحلیم بن تیمیہ نے اپنی کتاب

منہاج السنہ میں شیعوں کو یہودیوں سے تشبیہ دی ہے تو یہ شیعوں پر بہتان باندھا گیا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے شیعہ فقط یہ کہتے ہیں کہ جو بخاری نے بھی اپنی صحیح کی جلد ۱ صفحہ ۲۲۸ کتاب الصوم میں نبیؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب تم دیکھو کہ مشرق کی طرف رات کی تاریکی چھا گئی ہے تو روزہ افطار کرو! اور الروضہ الندیہ صفحہ ۴۷ و صفحہ ۴۶ پر مرقوم ہے کہ مغرب کا وقت مشرق سے سرخی زائل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور سورۂ انعام کی آیت ۷۶ میں ہے کہ جب اس پر رات طاری ہو گئی اور اس نے ستارے کو دیکھا پس مشرق میں سرخی کا موجود رہنا سورج کی، موجودگی کا پتہ دیتا ہے بالخصوص ان شہروں میں جو پہاڑوں پر آباد ہیں اس وقت تک رات کا تحقق نہیں ہوتا جب تک مشرق سے سرخی زائل نہیں ہو جاتی ہے جیسا کہ نبی کا صریح قول ہے

قنوت :۔ دوسری رکعت میں رکوع سے قبل اور قرأت کے بعد قنوت مستحب ہے اور اگر بھول جائے تو رکوع کے بعد پڑھے بخاری اپنی صحیح کی جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ باب قنوت کتاب الجمعہ میں عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے انس بن مالک سے قنوت کے متعلق معلوم کیا تو انہوں نے کہا : کہ قنوت پڑھنا چاہیئے میں نے دریافت کیا کہ رکوع سے قبل یا رکوع کے بعد انہوں نے کہا رکوع سے قبل .

مبطلات نماز :۔ مبطلات نماز آٹھ ہیں (۱) جن کے صادر ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے (۲) جن کو جان بوجھ کر انجام دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے جن کو عمداً یا سہواً بجالانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے ان کی تین قسمیں ہیں (۱) ہر وہ چیز جسکے سبب وضو یا غسل واجب ہوتا ہے (۲) ارکان نماز میں کمی زیادتی (۳) طویل خاموشی یا فعل کثیر کہ جس سے نماز کی صورت ختم ہو جائے جنکو عمداً انجام دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس کی چھ قسمیں ہیں (۱)

قرآن ودعا کے علاوہ نماز میں کوئی دُوحرفی بات کہنا یا ایک حرف کہنا کہ جس کے معنی سمجھ میں آتے ہوں
(۲) قہقہہ مار کے ہنسنا (۳) دنیوی بات پر رونا (۴) سورہ حمد کے بعد آمین کہنا (۵) ہاتھ باندھنا
(۶) نماز کے بعض واجبات میں کمی زیادتی کرنا ،

شک وسہو :- جو شخص عمداً واجبات نماز کو ترک کردے اگرچہ وہ اس سے جاہل تھا تو بھی اس کی نماز باطل ہے ہاں اگر جہر واخفات اور قصر وتمام میں ایسا ہو جائے تو نماز صحیح ہے اور اگر کسی سے بھولے سے کوئی رکن چھوٹ جائے اور دوسرے رکن میں داخل ہونے سے پہلے ، اسے یاد آجائے تو اس رکن کو بجالائے گا ورنہ اعادہ کرے گا اور اگر بھولے سے غیر رکن چھوٹ جائے اور دوسرے رکن میں داخل ہونے سے قبل یاد آجائے تو بجالائے ، اور اگر نماز تمام ، ہونے کے بعد یاد آئے تو اس کی نماز صحیح ہے اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے ہاں اگر سجدہ یا تشہد بھول جائے تو نماز کے بعد ان دونوں کی قضا کریگا اور دو سجدۂ سہو بجالائیگا مشہور ہے کہ سہواً ہونے والی کمی یا زیادتی پر سجدۂ سہو کرنا چاہیئے اگر رکعات کے اعداد میں شک ہو جائے تو اس کی تین قسمیں ہیں (۱) شک غیر معتبر (۲) شک مبطل (۳) شک صحیح ہے اس کے معتبر اقسام پانچ ہیں (۱) محل کے بعد شک ہونا جیسے حمد وسورہ کے بارے میں رکوع میں داخل ہونے کے بعد شک یا محل اس فعل کے بجالانے کا محل باقی ہے اگر باقی ہے تو اسے بجالانا واجب ہے (۲) نماز کا وقت گذر جانے کے بعد شک جیسے مغرب کے بعد ظہر وعصر کی نماز میں شک (۳) نماز کے بعض اجزا یا رکعات کے متعلق سلام کے بعد شک (۴) کثیر الشک کہ جس کو اپنے شک کی کوئی پروا نہیں کرنا چاہیئے کثیر الشک یعنی جسکو نماز میں تین مرتبہ شک ہو جائے (۵) امام وماموم کا شک اگر ایک شک سے محفوظ ہے تو دوسرا اس کی اتباع کرے گا ،

نماز کو باطل کرنے والے شکوک تین ہیں (۱) دو اور تین رکعتی نماز میں شک جیسے نماز صبح و نماز آیات و سفر اور نماز مغرب میں شک (۲) ایک سے زیادہ شک (۳) رکعات کے درمیان شک اس حیثیت سے کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ کتنی رکعات نماز پڑھی ہے

وہ شکوک جن سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے (۱) دونوں سجدے کے کامل ہونے کے بعد دو اور تین میں شک ہو جائے تو تین پر بنا رکھے گا اور نماز تمام کرنے کے بعد ایک رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر بجالائے گا ۔ (۲) تین اور چار میں شک خواہ کسی بھی جگہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ چار پر بنا رکھے گا اور نماز تمام ہونے کے بعد ایک رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر بجالائیگا (۳) دونوں سجدے تمام ہونے کے بعد دو اور چار کے درمیان شک میں چار پر بنا رکھے گا اور دو رکعت احتیاط کھڑے ہو بجالائیگا (۴) دو تین اور چار کے درمیان شک دونوں سجدے کامل ہونے کے بعد اس کا حکم یہ ہے کہ چار پر بنا رکھے گا اور دو رکعت نماز احتیاط کھڑے ہو کر اور دو رکعت بیٹھ کر بجالائیگا ، (۵) دونوں سجدے کامل ہونے کے بعد چار و پانچ کے درمیان شک ــــ تو یہاں چار پر بنا رکھے گا نماز تمام کرنے کے بعد دو سجدۂ سہو بجالائے گا ، (۶) اگر قیام کی حالت میں چار و پانچ کے درمیان شک ہو جائے تو وہیں بیٹھ جائے اور چار پر بنا رکھکر نماز تمام کر کے ایک رکعت کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر نماز احتیاط بجالائے گا ۔ (۷) اگر حالت قیام میں تین اور پانچ کے درمیان شک ہو جائے تو بیٹھ جائے اور چار پر بنا رکھکر نماز تمام کرے اور کھڑے ہو کر دو رکعت نماز احتیاط بجالائے (۸) اگر قیام کی حالت میں تین، چار اور پانچ کے درمیان شک ہو جائے تو بیٹھ جائے اور چار پر بنا رکھکر نماز تمام کرے اور دو رکعت

نماز احتیاط کھڑے ہوکر اور دو رکعت بیٹھکر بجالائے (۹) اگر پانچ اور چھ کے درمیان حالت قیام میں شک ہوجائے تو بیٹھ جائے اور چار پر بنا رکھکر نماز تمام کرے اور چار سجدۂ سہو بجالائے

نماز احتیاط اور سجدۂ سہو :- نماز احتیاط میں نیت تصد قربت تکبیرۃ الاحرام ضروری ہے، اس میں نفقط آہستہ آہستہ سورۂ حمد پڑھا جاتا ہے اس کے بعد رکوع اور دو سجدے کرکے تشہد پڑھ کے سلام پھیرے اگر ایک رکعت ہے اور دو رکعت ہے تو دوسری کو بھی اسی طرح بجالائے نماز احتیاط میں دوسرا سورہ اور قنوت نہیں ہے

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کے بعد سجدہ میں جائے اور یہ ذکر کرے "بسم اللہ و باللہ السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ" پھر بیٹھ جائے اور اسی طرح دوسرا سجدہ بجالائے اور تشہد پڑھکر اس سلام "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" پر نماز تمام کرے،

سولھویں فصل ۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ ارکان دین میں سے ہے اور مالی فرض ہے جو خدا نے فقرائکی امداد اور ان کی حاجت روائی کیلئے مالدار لوگوں کے مال میں مقرر کیا ہے زکوٰۃ کا منکر کافر ہے اور جو زکواۃ کا ایک درہم روکے اس کی نماز اس وقت تک موقوف رہے گی جب تک زکوٰۃ ادا نہیں کر دی جائیگی اور جو زکوٰۃ نہیں دیتا وہ یہود و نصرانیوں کی موت مرتا ہے یہ وہ عبادت ہے جس میں نیت اور قصد قربت بھی واجب ہے ، زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں (۱) اموال کی زکوٰۃ (۲) ابدان کی زکوٰۃ ، یہ دونوں ہر مکلف اور اس شخص پر واجب ہے جس میں زکوٰۃ وجوب کے شرائط پائے جاتے ہیں ۔

شرائط چھ ہیں (۱) بالغ (۲) عاقل (۳) آزاد (۴) ملک (۵) نصاب (۶) مال پر تصرف و اختیار رکھتا ہو ، اموال کی زکوٰۃ ۹ چیزوں پر واجب ہے (۱) سونا (۲) چاندی (۳) گیہوں (۴) جو (۵) کھجور (۶) کشمش (۷) اونٹ (۸) گائے (۹) بھیڑ بکری ،

سونے چاندی کی زکوٰۃ کے وجوب کیلئے تین شرائط ہیں (۱) سکہ دار ہو (۲) مالک کے تصرف میں ایک سال پورا گذر گیا ہو (۳) اس کی مقدار شریعت کے معین کردہ نصاب تک پہنچ گئی ہو ،

سونے کے دو نصاب ہیں (۱) سونے کا وزن ۲۰ مثقال شرعی ہو (۲) دیناروں کا وزن چار مثقال یا اس سے زیادہ ہو پس ۲۰ مثقال اور چار دینار سے کم پر زکواۃ نہیں ہے سونے کے بیس دیناروں پر ربع العشر یعنی نصف دینار واجب ہے جس کا وزن دس قیراط ہوتا ہے اور ہر چار دینار پر دو قیراط واجب ہے اور یہ اس کا ربع العشر ہے اسی طرح ہر چار دینار پر دو قیراط واجب ہے ،

چاندی کے بھی دو نصاب ہیں (۱) چاندی دو سو شرعی درہم ہو (۲) چالیس درہم یا اس سے زیادہ ہو چاندی کے دو سو درہموں پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور یہ ربع العشر ہے اور دو سو سے کم درہموں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور دوسرے نصاب میں ہر چالیس درہموں پر ایک درہم زکوٰۃ واجب ہے اور یہ ربع العشر ہے اس طرح جب چالیس درہم ہو جائیں گے ان پر ایک درہم زکوٰۃ واجب ہو جائے گی

انعام ثلاثہ پر زکوٰۃ واجب ہے :۔ انعام ثلاثہ پر تین شرائط کے لئے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (۱) مالک کے تصرف میں ایک سال گذر گیا ہو (۲) پورے سال وہ حیوان چرتا رہا ہو اور درمیان سال گھر پہ اس نے اتنی گھاس نہ کھائی ہو کہ جس سے عرف میں اس کو چرنے والا کہا جا سکے (۳) ایک سال تک اس سے کام نہ لیا گیا ہو، اگر سال میں ایک دو مرتبہ بھی کام لیا گیا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، حیوانوں کی تعداد نصاب کے برابر ہو، اونٹ کے بارہ نصاب ہیں (۱) پانچ اونٹوں پر ایک بکری (۲) اور دس پر دو بکریاں (۳) پندرہ پر تین بکریاں (۴) بیس پر چار بکریاں (۵) پچیس پر پانچ بکریاں (۶) چھبیس پر ایک اونٹ کا وہ بچہ جو دوسرے سال میں لگ گیا ہو (۷) تیس پر اونٹ کا وہ بچہ جو تیسرے سال میں چل رہا ہو، (۸) ۴۶ پر ایک وہ بچہ جو چوتھے سال میں ہو (۹) ۶۱ پر وہ اونٹ جو پانچویں سال میں ہو (۱۰) ۷۶ پر وہ دو بچے جو دو سال کامل کر چکے ہوں اور تیسرے میں چل رہے ہوں (۱۱) ۹۱ پر اونٹ کے وہ دو بچے جو تین سال کامل کر چکے ہوں اور چوتھے میں چل رہے ہوں (۱۲) ایک سو اکیس پر ہر پچاس پر ایک حقہ اور چالیس پر ایک بنت لبون دینا ہوگا۔

گائے کے دو نصاب ہیں (۱) اگر گائے کی تعداد تیس ہو جائے جبکہ اس میں وہ بچھڑا اور بچھڑی شامل ہیں جو دوسری سال میں چل رہی ہو (۲) چالیس سن رسیدہ یعنی تیسرے سال میں ہوں،

غلات اربع اور ان کا نصاب :۔ غلات اربع کا نصاب تقریباً ۸۴۷ کلوگرام ہے اور اگر بارش کے پانی سے پکے تو اس کا دسواں حصّہ زکوٰۃ دینا واجب ہے خواہ وہ پانی کہیں سے بہہ آیا ہو یا برسا ہو اور سینچائی کے ذریعہ پکے تو اس کا بیسواں حصّہ زکوٰۃ دینا واجب ہے ۔

زکوٰۃ کے مستحق :۔ زکوٰۃ کے مستحق آٹھ ہیں (۱) فقراء یعنی جو لوگ اپنا اور اپنے عیال کا خرچ اپنی کمائی سے پورا نہ کر سکیں (۲) مساکین وہ لوگ ہیں جو فقراء سے بھی زیادہ برے حال میں ہوں اور ایک روز کا کھانا بھی ان کے پاس نہ ہو اور کام کرنے سے بھی عاجز ہوں کہ جس کے ذریعہ وہ آزوقہ فراہم کریں ، (۳) زکوٰۃ کے سلسلہ میں کام کرنے والے وہ لوگ جو زکوٰۃ جمع کرتے ہیں اور اسے تقسیم کرتے ہیں (۴) مولفۃ قلوب وہ لوگ جو زکوٰۃ کے ذریعہ جہاد میں شرکت کرتے ہیں خواہ کافر ہی کیوں نہ ہوں

ابوبکر و عمر نے مولفۃ القلوب کا حق نہیں دیا :۔ رسولؐ نے عرب کے شریف لوگوں کو زکوٰۃ میں سے عطا کیا تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب ہو جائیں اور وہ اسلام لے آئیں ان کو تھوڑی بخشش اسی طرح دی جاتی تھی جس طرح ان کو مالی امداد دی جاتی تھی جو اسلام تو لے آئے تھے لیکن ان کا اسلام و عقیدہ کمزور ضعیف تھا ان کے تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دیتے تھے ،

لیکن خلیفہ ابوبکر و عمر نے ان مولفۃ القلوب لوگوں کو زکوٰۃ نہ دی جیسا کہ جوہرۃ النیرہ علی مختصر القدوری فی فقہ الحنفی کی جلد (۱) صفحہ ۱۶۴ پر مرقوم ہے یہی بات اہل سنت کے اور بہت سے محدثین نے ابوبکر و عمر کے مناقب میں تحریر کی ہے جبکہ ان کے (مولفۃ القلوب) بارے میں قرآن کی نص مطلق موجود ہے اور اس نص مطلق کو ایک زمانہ میں مقید کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی حالت سے مخصوص کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی چیز سے اس کی تعلیل کی جا سکتی ہے

(۵) رقاب غلام اور مکاتب غلام ہیں کہ جن پر ان کے آقا ظلم کرتے ہوں ، (۶) غارمین وہ جو اپنی حاجات پورا کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں اور پھر اسکو ادا نہ کر پائیں اس صفت کے لوگوں کو دو شرائط کے بعد زکوٰۃ دی جائیگی (۱) قرض کو انہوں نے معصیت خدا میں خرچ نہ کیا ہو (۲) اور فضول خرچ نہ کیا ہو (۷) فی سبیل اللہ یعنی ہر وہ چیز جسکا فائدہ مسلمانوں کی طرف عود کرتا ہو جیسے دین قائم کرنے کیلئے جہاد کرنا ، چھاونی کی تعمیر اسلحوں کی خریداری دینی مدرسوں مسجدوں اور پلوں کی تعمیرات راستوں کی درستی وغیرہ فی سبیل اللہ دینا ، (۸) ابن سبیل یعنی وہ شخص جس کا مال روپیہ وغیرہ دوسرے شہر یا ملک میں ختم ہو جائے اور اپنے وطن واپس نہ ہو سکے اگرچہ وہ اپنے شہر میں مالدار ہی کیوں نہ ہو

زکوٰۃ کے مستحق کے لئے چار شرائط معتبر ہیں (۱) مومن ہو (۲) معصیت کار نہ ہو کہ زکوٰۃ معصیت میں خرچ کرے (۳) زکوٰۃ دینے والے کے لئے وہ شرعی طور پر واجب النفقہ نہ ہو والدین اور دادا دادی اسی طرح دادا دادی کے والدین زکوٰۃ دینے والے کی اولاد خواہ پوتا پوتی ہی ہو وہ زوجہ جس کا دائمی طور پر نفقہ زکوٰۃ دینے والے کے ذمہ ہے یا غلام کہ واجب نفقہ ہے (۴) باپ کی طرف سے زکوٰۃ لینے والے کا رشتہ جناب ہاشم جد نبیؐ سے نہ ملتا ہو ایک قول یہ ہے کہ اگر ماں کی طرف زکوٰۃ لینے والے کا نسب جناب ہاشم سے ملتا ہے تو وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے ہاں اسکو خمس میں سے دیا جائیگا اور جائز ہے کہ اسی طرح ہاشمی کو بھی دیا جائیگا اور کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہے

فطرہ اور اس کی مقدار و وقت :- ابدان کی زکوٰۃ ہر غنی مکلف پر شرعی طور پر واجب ہے یعنی جو شخص اپنے اور اپنے عیال کے ہر ایک کے اخراجات رکھتا ہو قرض اور دیگر اخراجات کے علاوہ

مجلد رکھتا ہو خواہ اس کے پاس موجود ہو یا آنے کی امید ہو کہ اسکو وہ حاصل کرنے پر قادر ہو اگرچہ وہ مال رفتہ
رفتہ حاصل ہو، ہر سال رویت ہلال کے وقت فطرہ نکالنا واجب ہے
مقدار تقریباً تین کلو ہے اور جو چیز زیادہ لوگ ہیں۔ جیسے گیہوں، جو، خرما، کشمش
چاول، ان کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے فطرہ خود ان کا اپنا اور ان لوگوں کا دینا واجب ہے
جن کی وہ کفالت کرتا ہے خواہ وہ لوگ مسلمان ہوں یا کافر وغلام، چھوٹے ہوں یا بڑے یہاں تک کہ
اس بچہ کا فطرہ دینا بھی واجب ہے جو مغرب سے قبل پیدا ہوا ہے چاند رات سے روز عید فطر زوال
آفتاب تک فطرہ دینا واجب ہے فطرہ میں نیت اور قصد قربت واجب ہے فطرہ کے مصارف وہی
ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور فطرہ کے مستحق کو تین کلو سے کم دینا جائز نہیں ہے ہاں ایک آدمی کو اتنا فطرہ
دیا جاسکتا ہے جس سے وہ مالدار ہو جائے۔

سترہویں فصل

خمس

خمس واجبات مالیہ میں سے ایک ہے خمس کا ایک درہم روکنے والا بھی آل محمدؐ کے حق میں
ظالم ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں حدیث میں نص وارد ہوئی ہے اور قرآن نے ایمان کی شرط
کے ساتھ خمس کا اعتبار کیا ہے چنانچہ سورہ انفال میں خداوند عالم کا ارشاد ہے: "اعلموا
انّ ما غنمتم من شئ فانّ للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربٰی والیتامٰی والمساکین و
ابن السبیل ان کنتم آمنتم باللّٰہ وا نزلنا علٰی عبدنا"
اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خمس نہ دینے والا مومن نہیں ہے جیسا کہ خداوند

عالم کے اس قول کے مفہوم کا اقتضا ہے، "ان کنتم امنتم باللہ وما انزلنا علیٰ عبدنا"

خمس سات چیزوں پر واجب ہے (۱) وہ مال جو جنگ کے دوران کافر حربی سے بطور غنیمت لیا جاتا ہے جب کہ یہ جنگ معصوم کے اذن سے ہوئی ہو (۲) معدن جیسے چاندی، سونا، نفط معدنی وغیرہ جب انکی مقدار خمس نکالتے وقت سونے کے بیس یا بیس سے زیادہ ہو اور جو کچھ اس پر خرچ ہوا ہے (۳) خزانہ جو زمین کے نیچے پایا جائے یا دیوار وغیرہ میں پایا جائے جیسے سونے کے دینار یا چاندی کے سکے دار درہم جب سونے کے بیس ہوں (۴) جو غوطہ زنی کر کے دریا سے جواہر و لولو نکالے جاتے ہیں جب ان کی قیمت ایک دینار یا اس سے زیادہ ہو (۵) جو زمین کافر ذمی سے بیع یا اور کسی ذریعہ سے مسلمان کی طرف منتقل ہو کیونکہ ذمی پر اس کا خمس واجب تھا (۶) وہ حلال مال جسیں حرام مال مل گیا ہو اور حرام کو جدا نہ کیا جا سکتا ہو اور نہ ہی اس کی مقدار معلوم ہو اور نہ ہی اس کے مالک کا علم ہو (۷) جو اہل و عیال کے سال بھر کے خرچ سے بچ جائے لیکن ایک سال کے اخراجات میں اعتدال سے کام لیا گیا ہو صناعات، زراعت اور تجارت وغیرہ پر خمس ہے جیسے فوائد و منافع ہیں، کہا گیا ہے کہ مکاسب پر خمس ہے مطلق منافع پر نہیں خمس ادا کرتے وقت نیت اور قصد قربت واجب ہے۔ خمس کی چھ قسمیں ہیں جیسا کہ قرآن کی نص ہے۔ (۱) سہم خدا (۲) سہم رسولؐ (۳) سہم ذی القربیٰ (۴) سہم ایتام ہاشمی (۵) سہم ہاشمی مساکین (۶) سہم ابن سبیل، ابن سبیل کی تعریف زکوٰۃ میں بیان ہو چکی ہے۔

غنیمت وانفال کے معنی :- عرب میں غنیمت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس سے انسان استفادہ کرتا ہے پس آیت میں غنیمت کو جنگ میں ہاتھ آنے والے فوائد سے مخصوص کرنا تخصیص بلا مخصص ہے اور تخصیص بلا مخصص شیعہ و اہل سنت کے علمائے اصول کے نزدیک صحیح نہیں ہے

اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبیؐ نے خمس کا ایک حصہ اپنے لئے مخصوص کیا تھا اور ایک اپنے اقرباء کیلئے آپ کی زندگی میں ایک مدت تک ایسے ہی ہوتا رہا یہانتک کہ آپ رفیق اعلےٰ سے جا ملے۔

لیکن نبیؐ کی وفات کے بعد خلیفہ ابوبکر نے خمس سے نبیؐ اور نبیؐ کے قرابت داروں کا حصہ ختم کر دیا اور ہاشمیوں کو خمس سے محروم کر دیا، اور ہاشمیوں کو بھی عام یتیم و مسکین اور ابن سبیل مسلمانوں کی صف میں شمار کیا جیسا کہ زمخشری نے آیت خمس کے ذیل میں اپنی تفسیر کشاف میں تحریر کیا ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ خمس کے چھ حصے تھے سہم خدا اور رسولؐ دو حصے اور سہم اقارب نبیؐ کی وفات تک اسی طرح ہوتا رہا بعد میں ابوبکر نے خمس کو تین حصوں میں منحصر کر دیا، اسی طرح زمخشری نے ابن عمر سے بھی روایت کی ہے، اور ابوبکر کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی اس پر عمل کیا ـــــ روایت کی گئی ہے کہ ابوبکر نے بنی ہاشم کو خمس سے محروم کر دیا۔

انفال :ـــ انفال کا استحقاق منصب نبوت کی وجہ سے نبیؐ کو اور نبیؐ کے بعد منصب امامت کی وجہ سے امام کو ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں قرآن کی نص ہے چنانچہ سورہ انفال میں آیت (۱) میں ارشاد ہے

"یسئلونک عن الانفال قل الانفال للّٰہ وللرسول"

انفال کی قسمیں ہیں: (۱) وہ تمام زمینیں جو ان کے مالکوں نے بغیر قتال و جدال کے نبیؐ کو دیدی تھیں (۲) وہ تمام زمینیں جو بے کار پڑی ہیں، (۳) نہروں اور سمندروں کے کنارے اور وہ تمام زمینیں کہ جنکا کوئی مالک نہیں ہے اگرچہ بنجر بھی نہیں ہیں (۴) پہاڑوں کی چوٹیوں پر اگے ہوئے درخت وادیوں کے درخت اور جھاڑیاں وغیرہ یعنی وہ زمینیں جو نرکل سے بھری ہوں (۵) بادشاہوں کے وہ حصے اور قطعے جو انہوں نے غصب نہ کئے ہوں اور اپنے لئے مخصوص کر لئے ہوں (۶) وہ

مال غنیمت جو معصوم کی اجازت کے بغیر حاصل کیا گیا ہو (۷) صفو الغنیمت وھو کل شی ناخر (۸) وہ میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو (۹) وہ معادن جن کا کوئی خاص مالک نہ ہو خواہ وہ زمین کے ساتھ ہوں یا زمین سے بعد میں نکالے گئے ہوں اور یہ تعداد اس زمانہ میں مومنین کیلئے مباح ہے

اٹھارہویں فصل

روزہ

روزہ نیت وقصد قربت کے ساتھ مفطریات سے اجتناب کرنے کا نام ہے، روزے کی چار قسمیں ہیں (۱) واجب (۲) مستحب (۳) حرام (۴) مکروہ، واجب کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) ماہ رمضان کا روزہ کہ یہ ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا منکر دین سے خارج اور واجب القتل ہے، اور جو شخص رمضان میں جان بوجھکر روزہ توڑ دے اس پر تعزیر جاری ہوگی، چار شرائط کے بعد روزہ واجب ہوتا ہے (۱) بالغ (۲) عاقل (۳) بے ہوش نہ ہو مگر یہ کہ وہ بے ہوشی سے قبل روزہ کی نیت کرچکا ہو کہا گیا ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کا روزہ صحیح نہیں ہے (۴) ایسا مرض نہ ہو کہ جس میں روزہ سے اضافہ ہوگا، روزہ کی صحت کے پانچ شرائط ہیں (۱) ایمان (۲) عقل (۳) عمداً صبح تک حالت جنابت میں نہ رہا ہو (۴) عورت کو پورے دن حیض ونفاس نہ آیا ہو ایسا سفر نہ ہو جو قصر کا موجب ہو جبکہ اس کے حکم سے واقف بھی ہو خداوند عالم کا ارشاد ہے، ومن کان مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر (سورہ بقرہ آیت ۱۸۵)

پس جسطرح آیت کے منطوق کا اقتضاء ہے مریض کے لئے روزہ جائز نہیں ہے اسی طرح عطف کے ذریعہ مسافر کے لئے بھی روزہ رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ مریض ومسافر اس حکم میں مساوی

ہیں ، خدا نے سفر کو مرض پر عطف فرمایا ہے اور دونوں کیلئے ایک حکم مقرر کیا ہے اور نبی کی مشہور حدیث ہے " سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے " حالت سفر میں تین قسم کے روزے رکھے جا سکتے ہیں اوّل وہ تین روزے جو حج تمتع کے قربانی نہ کرنے کے عوض رکھے جاتے ہیں دوم جو شخص غروب شرعی سے قبل جان بوجھکر روانہ ہو جائے اور اونٹ کی قربانی دینے سے معذور ہے تو وہ اٹھارہ روزے رکھے گا سوم جو شخص سفر و حضر میں روزہ رکھنے کی نیت کرے یا یہ کہ سفر میں روزہ رکھنے کی نذر کی ہو (۲) چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا (۳) کفارہ کے روزے (۴) حج میں اگر قربانی نہ کر سکے تو تین روزہ رکھے (۵) عہد و نذر اور قسم کے روزے (۶) اجارہ کے روزے (۷) اعتکاف کے تیسرے دن کا روزہ (۸) بڑے بیٹے پر والد کے قضا روزے ،

مستحب کی سترہ قسمیں ہیں (۱) عیدین اور جو منیٰ میں ہو اس کے لئے ایام تشریق کے علاوہ پورے سال کے روزے رکھنا مستحب ہیں (۲) ہر مہینہ میں تین روزہ رکھنا مستحب ہے (۳) ہر مہینے میں ایام بیض میں یعنی ہر مہینے کی ۱۳/۱۴/۱۵ میں روزہ رکھنا مستحب ہے (۴) ۱۷ ربیع الاوّل کہ جو روز ولادت نبی ہے روزہ رکھنا مستحب ہے (۵) ۲۷/ رجب کو روزہ رکھنا مستحب ہے کہ یہ روز مبعث نبی ہے (۶) ۱۸/ ذی الحجہ روز غدیر روزہ رکھنا مستحب ہے (۷) روز دحو الارض یعنی ۲۵/ ذی قعدہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے (۸) عرفہ میں جو شخص دعا نہ کر سکے (۹) ۲۴/ ذالحجہ کو روز مباہلہ ہے (۱۰) ہر جمعہ و جمعرات یا فقط جمعہ کو (۱۱) پہلی ذالحجہ بلکہ ۹ رسے پورے مہینے کے ، (۱۲) نوروز کا روزہ (۱۳) رجب و شعبان کے پورے ماہ یا چند روز اگرچہ دونوں میں سے ایک ایک روزہ رکھے (۱۴) پہلی ، تیسری اور چوتھی محرم کا روزہ ۱۵/ ذیقعدہ کا روزہ ، (۱۶) عید فطر کے بعد ۶/ روزے اور چھٹے روزے کو عید ہے (۱۷) ماہ جمادی الاوّل کے نصف کا روزہ ،

مکروہ روزوں کی چار قسمیں ہیں (۱) دسویں محرم کا روزہ (۲) اس شخص کا روزہ جو یوم عرفہ اس خوف
سے روزہ رکھے کہ دعا پڑھنے سے خستہ ہو جائیگا جبکہ دعا پڑھنا روزہ رکھنے سے افضل ہے
(۳) میزبان کی بغیر اجازت کے مہمان کا روزہ (۴) والد کی اجازت کے بغیر (نابالغ) لڑکے کا روزہ،

حرام روزوں کی تیرہ قسمیں ہیں :- (۱) روز عید الفطر (۲) روز عید الضحیٰ (۳) ایام تشریق یعنی
ذی الحجہ کی گیارہ بارہ تیرہ کے روزے اس شخص کے لئے جو منیٰ میں ہو (۴) یوم الشک یعنی جس دن
کے بارے میں یہ شک ہو کہ یہ شعبان ۳۰ ہے یا رمضان کی پہلی اور رمضان کی پہلی کے حساب
سے روزہ رکھے (۵) معصیت کی نذر کا روزہ (۶) پورے دن یا دن کے بعض حصہ میں خاموشی
کا روزہ اس طرح سے کہ بولنے کو مبطلات روزہ میں سمجھے یا ترک کلام کو روزہ کی قید شمار کرے
بغیر افطار کے دو روزے رکھنا یا پورے دن روزہ رکھ کے آنے والی رات کی سحر تک روزہ
رکھنا (۸) شوہر کی اجازت کے بغیر زوجہ کا روزہ (۹) غلاموں کو وہ روزے جن سے
کا تلف ہوتا ہو (۱۰) نابالغ بچوں کا وہ روزہ جس سے اس کے والدین کو رنج پہنچے (۱۱) زمانہ
کا روزہ تک عیدین کا روزہ (۱۲) سفر میں جن روزوں کی اجازت دی گئی ہے ان کے
علاوہ مسافر کا روزہ (۱۳) مریض کا روزہ ۔

حالت روزہ میں کن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے :- رمضان یا غیر رمضان کے روزہ
کی حالت میں طلوع فجر سے نیت و قصد قربت کے ساتھ مغرب تک دس چیزوں سے اجتناب
کرنا واجب ہے (۱ و ۲) کھانا پینا اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ یا عادتاً جو کھانا پینا شمار نہیں ہوتا (۳)
جماع آگے ہو یا پیچھے فاعل ہو یا مفعول زندہ کے ساتھ ہو یا مردہ کے ساتھ اگرچہ حیوان ہی کے
ساتھ ہو (۴) کسی بھی سبب سے منی کا خارج ہونا (۵) ماہ رمضان یا رمضان کے روزوں کی

قضا کرتے وقت صبح تک حالت جنابت میں باقی رہنا اسی طرح حیض و نفاس میں (۶) خدا و رسولؐ اور ائمہ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا اسی طرح انبیاء و اوصیاء کی طرف جب ان کی طرف جھوٹ کی نسبت خدا پر جھوٹ کا باندھنے کا سبب ہو یہ نسبت خواہ اخبار کے ذریعہ سے ہو یا کتابت و اشارہ اور فتویٰ کے ذریعہ، کہا گیا ہے کہ یہ فعل حرام ہے لیکن اس سے روزہ باطل نہیں ہوتا (۷) پورے سر کو پانی میں ڈبونا کہا گیا ہے کہ پورے سر کو ڈبونا حرام ہے اسی طرح ایک قول یہ بھی کہ مکروہ ہے (۸) گرد و غبار اور دھویں کا نگلنا (۹) سیال چیزوں سے حقنہ کرنا، کہا گیا ہے یہ حرام ہے (۱۰) قے کرنا

ان چیزوں سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور اگر عمداً واقع ہونگی تو کفارہ بھی دینا پڑے گا اور جب یہ جانتا ہو کہ اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور یہ حرام ہے تو کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر بھولے سے یا غیر ارادی طور پر یا غیر اختیاری طور پر ان میں سے کسی ایک کو انجام دے گا تو کفارہ واجب نہ ہوگا ، ماہ رمضان کے ایک روزہ کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے یا پے در پے دو ماہ کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، ہر مسکین کو تین پاؤ کھانا دے، اور اگر رمضان کے قضا روزہ کو زوال کے بعد توڑ دے تو دس مسکینوں کو اس طرح کھانا دے کہ ہر ایک کو تین پاؤ ملے اور اگر کھانا نہیں کھلا سکتا تو پے در پے تین روزے رکھے گا اور اگر کوئی شخص نذر معین کے روزے کو توڑ دے تو ایک غلام آزاد کرے گا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے گا یا لباس دے گا۔ اور اگر اس سے عاجز ہے تو پے در پے تین روزے رکھیگا اور اگر حرام چیزوں سے روزہ افطار کرے تو گذشتہ تینوں چیزوں پر ایک ساتھ عمل کرنا واجب ہے کہا گیا ہے ایک بھی کافی ہے اور دو ماہ کا تتابع اس طرح ہو سکتا ہے کہ پہلے مہینے کی پہلی تاریخ اور دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ روزہ رکھنا اور باقی میں تفریق کرسکتا ہے ،

جن پر روزہ واجب نہیں ہے :۔ (۱) بہت زیادہ بوڑھا کہ جس کے لئے روزہ رکھنا مشکل ہو (۲) اسی طرح بڑھیا (۳) جس کو پیاس کا مرض ہو کہ پیاس برداشت نہیں کر سکتا ہے ان تینوں کو ہر روز ایک مد تین پاؤ کھانا دینا ہوگا اور عذر کے بعد قضا بھی کرے گا (۴) حاملہ کا روزہ اگر بچہ کیلئے مضر ہو (۵) دودھ پلانے والی کا روزہ اگر دودھ پیتے بچے کیلئے مضر ہو اور یہ دونوں (حاملہ اور دودھ پلانے والی) ان روزوں کی قضا کریں گی ،

ماہ رمضان کا چاند چھ امور میں سے کسی ایک ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے (۱) مکلف خود چاند دیکھے جیسا کہ رسولؐ کا ارشاد ہے چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر افطار کرو! (۲) یقین آور خبروں سے (۳) مفید علم شہرت سے (۴) دو عادل مردوں کی گواہی سے (۵) تیس دن پورے ہوجانے سے (۶) عادل مجتہد کے حکم سے جبکہ وہ مجتہد کی سند کے بارے میں یہ نہ جانتا ہو کہ اس نے خطا کی ہے کہا گیا ہے کہ اطمینان آور شہرت سے بھی چاند ثابت ہوجاتا ہے فاسق کی خبر سے چاند ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے :

"یاایھا الذین امنوا ان جائکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا بجھالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین" (سورہ حجرات آیت ۶)

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عادل مجتہد کے حکم سے بھی چاند ثابت نہیں ہوتا ،

اعتکاف :۔ عبادت کے قصد سے مسجدوں میں اعتکاف کرنا مستحب ہے اسکی صحت کیلئے آٹھ شرائط ہیں (۱) مومن (۲) عاقل (۳) قربت (۴) روزہ (۵) روزے تین سے کم نہ ہوں (۶) اعتکاف مسجد میں (۷) غلام کے لئے آقا کی اجازت ہو (۸) مستقل مسجد میں رہنا مگر ضرورت کے وقت نکل سکتا ہے ۔

معتکف پر پانچ چیزیں حرام ہیں (۱) جماع خواہ آگے ہو یا پیچھے، شہوت سے بوسہ لینا یا چھونا اسی طرح عورت کے لئے بھی، (۲) منی نکالنا، (۳) خرید و فروخت بلکہ کوئی بھی تجارت ہاں ضرورت کے وقت کر سکتا ہے (۴) لذت کی غرض سے خوشبو سونگھنا (۵) دنیوی و اخروی امور میں غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے جدال کرنا ہاں اگر اظہار حق اور مد مقابل کی ہدایت کیلئے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور روزہ کو باطل کرنے والی چیز اعتکاف کو بھی باطل کر دیتی ہے اگر جماع کریگا تو اس پر کفارہ واجب ہے اگرچہ رات ہی میں کیوں نہ کیا ہو اگر معتکف عورت کو حیض آجائے یا معتکف مرد بیمار ہو جائے تو مسجد سے خارج ہو جائیں اور افاقہ کے بعد اس کی قضا کریں اگر واجب ہو تو

انیسویں فصل :-

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

مکلف کو ہر اچھے کام کی تعلیم دینے یا اچھے راستہ کی ہدایت کرنا معروف ہے اسی طرح مکلف کو بری باتوں سے آگاہ کرنا منکر ہے اور یہ دونوں اعظم واجبات اور اسلام کے اہم فرائض میں سے ہیں کیونکہ اسی سے مذاہب محفوظ رہتے ہیں مکاسب حلال ہوتے ہیں مظالم کا سدباب کیا جاتا ہے زمین کی تعمیر کی جاتی ہے ظالم سے مظلوم کا حق دلایا جاتا ہے فدکی بیخ کنی کی جاتی ہے یہ دونوں امت میں حاکم کی حیثیت رکھتے ہیں قرآن نے انہیں ایمان سے ملایا چنانچہ ارشاد ہے

"کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر و تومنوا باللہ" (سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر چار شرائط سے واجب ہوتا ہے (۱) معروف و منکر کی معرفت واجب ہے

(۲) یہ احتمال ہو کہ مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے (۳) کوئی شخص نیک کاموں کے ترک اور برے افعال کے ارتکاب پر مصر ہو (۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کی یا دوسرے مسلمانوں کی جان، مال اور بے عزتی کا خطرہ نہ ہو ، اس کے تین درجے ہیں (۱) قلبی طور پر منکر سے اظہار نفرت وکراہت یا برے کاموں کے مرتکب کے ساتھ کوئی نیکی نہ کی جائے یا قطع تعلق کر لی جائے (۲) زبانی طور پر اسکو وعظ ونصیحت اور ہدایت ارشاد اور عاصیوں کے لئے خدا نے جو عذاب تیار کر رکھا ہے کی یاد دہانی اور اطاعت گذاروں کے اجر کے تذکرہ سے اسکو برائیوں سے روکیں یا ہاتھ سے روکیں یعنی معصیت وغلط روی سے روکنے کیلئے اسے ماریں اور خود مکلف و اس کے متعلقین کے لئے بھی اس کا حکم موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہے : " یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ علیھا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون ۝ (سورہ تحریم آیت ۶)

امر بمعروف اور نہی از منکر کی شرائط کی موجودگی میں تمام بالغ وعاقل مرد، عورت پر واجب ہیں جب کچھ لوگ اسے انجام دینے کے لئے آمادہ ہوں گے اور ان کی تبلیغ سے لوگ برے سے اجتناب کرنے لگیں گے تو دوسرے افراد پر واجب نہیں رہیں گے ورنہ سب گنہگار اور معذب ہوں گے ،

بیسویں فصل

حج

حج، ارکان دین میں سے ایک ہے اس کی بہت تاکید کی گئی ہے حج یعنی بیت اللہ الحرام کا قصد کرنا اور جس نے حج کی استطاعت کے بعد حج نہ کیا اور مر گیا تو وہ اس آیت کا مصداق قرار پائیگا: " ومن كان في هذه اعمى فهو في الآخرة اعمى واضل سبيلاً "[1] نیز خدا کے اس قول کا مصداق بنے گا: و نحشره يوم القيامة اعمى "[2] "حج ان ارکان میں سے ہے جن پر اسلام کی بنیاد استوار ہے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور اجر و ثواب بے شمار ہے اور آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ غلام اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اس کے در دولت پر دستک دیتا ہے اس کا مہمان بنتا ہے اور کریم و شریف ذات پر مہمان کی ضیافت اور پناہ طلب کرنے والے کو پناہ دینا واجب ہے، حج شریعت کے لحاظ سے پوری عمر میں ایک مرتبہ ہر مسلمان مرد عورت اور خنثیٰ پر واجب ہے اسی طرح عمرہ بھی پوری عمر میں ایکمرتبہ واجب ہے اس کی ۹ شرائط ہیں (۱) بالغ (۲) عاقل (۳) آزاد (۴) آمد و رفت اور اہل و عیال کے نفقہ کے لئے پونجی رکھتا ہو (۵) آمد و رفت کیلئے سواری رکھتا ہو (۶) جانا ممکن ہو (۷) راستہ محفوظ اور بے خطر ہو (۸) وقت وسیع ہو (۹) تجارت یا حرفہ یا مالی منفعت کی طرف رجوع کرنا اگر احرام اور حرم میں داخل ہونے کے بعد مرجائے

---

[1] سورہ اسرٰء آیت ۷۲،   [2] طٰہٰ آیت ۱۲۴ -

تواسکا حج کافی ہے ، میت ، عاجز ، سن رسیدہ ، اور مریض کی طرف سے نائب بن کے حج کرسکتا ہے ایک ضعیف قول یہ ہے کہ واجب حج میں نائب نہیں بنایا جاسکتا نائب کے چھ شرائط ہیں (۱) بالغ (۲) عاقل (۳) مومن (۴) عادل یا اس کے عمل کے صحیح ہونے کا یقین ہو (۵) نائب حج کے افعال و مناسک اور احکام سے واقف ہو (۶) خود اسی سال نائب پر حج واجب نہ ہو نائب بنانے والا خود بھی مسلمان ہو نائب بنانے والے اور بننے والے کے درمیان مشابہت و مماثلت کی شرط نہیں ہے عورت کا نائب مرد بن سکتا ہے اسی طرح عورت بھی اگر احرام باندھنے اور حرم میں داخل ہونے کے بعد مر جائے تو نائب بنانے والے کا حج ادا ہو جائے گا اور اگر اجیر اعراض کرے یا اس کو پکڑ لیا جائے تو اس کا وہی حکم ہے جو خود اپنا حج کرنے والے کا ہے اور اگر اجارہ میں اسی سال حج کرنے کی قید ہو تو اجارہ فسخ ہو جائیگا ،

حج کے تین مہینے ہیں ۔ (۱) شوال (۲) ذی قعدہ (۳) ذی الحجہ ، جس شخص پر ان مہینوں میں حج واجب ہو جائے وہ انہیں میں ادا کرے حج واجب ہونے کے ساتھ ساتھ وصیت بھی واجب ہو جاتی ہے اور حج اصل ترکہ سے کیا جائیگا ۔

حج کے اقسام :- حج کے اقسام تین ہیں (۱) تمتع (۲) اِفراد (۳) قران ، حج تمتع مکہ سے ۸۶ء۴ کلومیٹر اور اس سے زیادہ دوری پر واجب ہوتا ہے اس کا عمرہ اس کا مقدمہ ہوتا ہے یہ حج ہی کے مہینوں میں ہو سکتا ہے اس میں طواف نساء واجب نہیں ہے اور افراد و قران اس سے کم مسافت پر واجب ہو جاتے ہیں ان دونوں حجوں کا عمرہ بعد میں کیا جاسکتا ہے قران کا احرام ہدی اور تلبیات اربعہ کے درمیان بھی باندھ سکتے ہیں افراد کا احرام تلبیات اربعہ کے ساتھ مخصوص ہے عمرۂ تمتع عمرۂ مفردہ سے چھ امور میں ممتاز ہے (۱) اس میں طواف

نساء واجب نہیں ہے جبکہ مفردہ میں واجب ہے (۲) تمتع میں تقصیر سے پہلے احرام نہیں اتارا جاسکتا جبکہ مفردہ میں اتارا جاسکتا ہے کیونکہ مفردہ میں حلق و تقصیر کا اختیار ہے (۳) تمتع میں کسی ایک میقات میں احرام باندھنا واجب ہے برخلاف مفردہ کے کہ میقات سے اگر نہ گذرے تو احرام باندھنا ضروری نہیں ہے ۔ (۴) عمرہ تمتع حج تمتع کا جز ہے اس معنی میں کہ جو بغیر حج کے عمرہ مستحبہ کا ارادہ کرے اس کو عمرہ مفردہ بھی بجالانا پڑے گا برخلاف تمتع کے (۵) عمرۂ تمتع حج والے مہینوں میں بھی کیا جاسکتا ہے جبکہ عمرۂ مفردہ کسی بھی مہینہ میں کیا جاسکتا ہے ہاں بہتر ہے کہ ماہ رجب میں انجام دیں (۶) استطاعت اسی وقت کامل ہوگی جب عمرۂ تمتع اور اس کے حج کی ہو جائے برعکس عمرۂ مفردہ اور اس کے حج کے ان دو کی استطاعت مستقل ہے عمرہ ایک سال میں کیا جاسکتا ہے اور حج دوسال میں جبکہ عمرۂ تمتع اور حج تمتع دونوں کو الگ الگ انجام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

عمرہ تمتع اور حج کے افعال :۔ عمرۂ تمتع کے پانچ افعال ہیں (۱) احرام (۲) خانۂ کعبہ کا ۷/ مرتبہ طواف اس طرح کہ حالت طواف میں خانہ کعبہ داہنی طرف رہے اور حجر اسماعیل اس میں داخل رہے (۳) مقام ابراہیمؑ کے پاس دو رکعت نماز طواف (۴) سعی "صفا و مروہ" کے درمیان ۷/ مرتبہ اس طرح سعی کرے کہ صفا کے جزء اول سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کر دے اور سعی کے درمیان قبلہ رو رہے (۵) تقصیر یعنی کچھ بال یا ناخن تراشنا ۔

حج تمتع کے افعال چودہ ہیں (۱) مکہ سے احرام باندھنا افضل ہے کہ مسجد سے باندھے (۲) زوال آفتاب سے مغرب تک عرفہ میں ٹھہرنا (۳) طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیان مشعر میں ٹھہرنا (۴) طلوع آفتاب کے بعد مشعر سے منیٰ کی طرف روانہ ہونا (۵) جمرۂ عقبہ پر سات کنکریاں مارنا (۶) منیٰ میں ذبح یا نحر کرنا ، اونٹ چھ سال اور گائے بکری تین سال سے

کم نہ ہو اگر بچہ ہو تو سات ماہ سے کم نہ ہو ایک قول یہ ہے کہ ایک سال سے کم نہ ہو عیب دار نہ ہو یعنی لنگڑا سینگ ٹوٹا کان کٹا ہوا نہ ہو (۷) پورا سر یا تھوڑے سے بال منڈوانا (۸) سات مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف کرنا جیسا کہ عمرہ میں بیان ہو چکا ہے (۱۰) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (۱۱) طواف نساء کرنا (۱۲) دو رکعت نماز طواف پڑھنا (۱۳) منیٰ میں دو راتیں گذارنا یعنی ذالحجہ کی ۱۱ر۱۲ راتیں مگر وہ شخص جو عورت اور شکار سے نہ ڈرتا ہو یا اس کو منیٰ ہی میں رات ہو جائے تو ان لوگوں کو تیرہویں رات وہاں گذارنا پڑے گی (۱۴) ایام مذکورہ تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں مارنا۔ افعال حج و عمرہ میں بقصد قربت اور نیت واجب ہے اور احرام پہنتے وقت چار مرتبہ تلبیہ کہنا واجب ہے یعنی "لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک"

محرم پہ کونسی چیزیں حرام ہیں اور ان کے ارتکاب کا کفارہ کیا ہے :۔ عمرہ یا حج کے محرم پر چار مرتبہ تلبیہ کے بعد ۲۵ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں (۱) خشکی کے وحشی جانوروں کا شکار خواہ خود کرے یا شکار کرنے میں کسی دوسرے کی مدد کرے یا کھائے اس کے ارتکاب میں کفارہ ہے جس کا بیان آئے گا، اگر شتر مرغ کو شکار کرے تو اس کا کفارہ ایک اونٹ یا اونٹنی اور نیل گائے، جنگلی گدھے کے شکار پر ایک گائے بطور کفارہ دینا ہوگی اور لومڑی خرگوش کے بچوں کے شکار کا کفارہ ایک بکری ہے شتر مرغ کے انڈے توڑنے کا کفارہ ہر ایک انڈے کے عوض جبکہ انڈوں میں بچہ حرکت کرنے لگا ہو تو ہر ایک انڈے کے عوض ایک باکرہ اونٹنی دے گا اور بچہ نہ بنا ہو تو انڈوں کی تعداد کے برابر اونٹنیوں کو حاملہ کرایا جائے گا اور ان سے پیدا ہونے والے بچوں کو خانۂ خدا کے ہدیہ کیا جائے گا اور اگر تیتر کے انڈوں کے لئے جبکہ ان میں بچہ بن گیا ہو تو ایک انڈے کے عوض چھوٹی گوسفند اور اگر بچہ نہ پڑا

ہو تو انڈوں کی تعداد کے برابر گوسفندوں کو حامل کرائے اور ان سے پیدا ہونے والے بچوں کو خانۂ کعبہ کے لئے ہدیہ کرے اور کبوتر کے انڈے کیلئے ایک بکری ہے اور اگر ان میں بچہ بن جائے تو تیتر کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر فقط انڈا ہے تو چاندی کا ایک درہم شرعی بطور کفارہ دینا ہوگا ، اور اگر کوئی شخص محل ہے لیکن حرم میں اس نے کبوتر شکار کر لیا تو اسے ایک درہم اور اگر ایک انڈا توڑ دیا ہو جبکہ اس میں بچہ پڑ گیا ہو تو نصف درہم اور اگر بچہ نہ پڑا ہو تو ۱/۴ درہم ، اور بجّو قنفذ کیلئے یکسالہ بکری کا بچہ اور بٹیر و کبوتر وغیرہ کے لئے اس اونٹنی کو حامل کرایا جائے گا جس کے بچہ کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو اور سرخاب و چڑیا کے لئے تین پاؤ اناج اور اگر جوں بدن سے گرا دے یا ٹڈی کا شکار کرے تو ایک مٹھی اناج صدقہ کے طور پر دینا چاہیئے اور اگر زیادہ ٹڈیوں کو مار دے تو ایک بکری اور اگر شکار کرکے کھائے تو دو کفارے دینا ہونگے اور اگر دوسرے کے ذبح کئے ہوئے کا گوشت کھائے تو ایک کفارہ دینا ہوگا اور اگر ایک جماعت نے شکار کیا ہے تو ہر ایک پر ایک کفارہ ہے (۲) اگر شہوت ولذت کی بنا پر عورت کا بوسہ لے یا چھوئے یا خوش فعلی کرے اور اگر عمرہ میں جماع کرے تو ایک پنج سالہ اونٹنی بطور کفارہ دینا چاہیئے یا ایسا ہی اونٹ دے اور اسی طرح اگر شہوت سے بوسہ لینے میں انزال ہو جائے تو ایک اونٹ یا اونٹنی دینا چاہیئے اور اگر شہوت نہ ہو اور انزال ہو جائے تو ایک بکری بطور کفارہ دینا چاہیئے اور شہوت سے اگر عورت کو چھوتا ہے تو بھی ایک بکری دینا چاہیئے (۳) اپنا یا دوسرے کا عقد کرنا ، شہادت دینا (۴) کسی بھی طریقہ سے منی نکالنا اس کے کفارہ کا بیان گذر چکا ہے (۵) تمام قسم کی خوشبو کا استعمال سونگھنا، بدن پر ملنا ، کپڑوں پر لگانا وہ کھانا کھانا کہ جس میں خوشبو ملی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے (۶) مردوں کیلئے عمدہ سلا ہوا کپڑا پہننے میں ایک بکری

کفارہ میں دینا چاہیئے (۷) زینت کے لئے سرمہ لگانا (۸) آئینہ دیکھنا یہ حکم مرد و عورت دونوں کیلئے ہے (۹) مرد کا ایسا لباس پہننا کہ جو قدم کے ظاہری حصہ کو چھپا لے اور علم کے باوجود اس کا ارتکاب کرے تو ایک بکری کفارہ میں دینا چاہیئے (۱۰) جھوٹ بولنا (۱۱) جدال یعنی لا واللہ و بلیٰ کہنا اگر جھوٹ بولے تو پہلی مرتبہ ایک بکری دوسری مرتبہ دو بکری تیسری مرتبہ گائے بطور کفارہ دینا چاہیئے (۱۲) جوں، پشہ وغیرہ کو مارنا (۱۳) زینت کی غرض سے انگوٹھی وغیرہ پہننا (۱۴) عورت کا زینت کی غرض سے زیور پہننا (۱۵) بدن پر تیل ملنا اگرچہ اس میں خوشبو بھی نہ ہو اگر عمداً ملے گا تو ایک بکری کفارہ میں دینا ہوگی (۱۶) اگر بغیر ضرورت بال کاٹے خواہ کم ہوں یا زیادہ اگر جان بوجھکر ایک ہی بال کاٹے ۔ سر منڈوانے میں ایک ایک بکری کفارہ میں دے اور اگر ضرورت کی بنا پر سر منڈائے تو بطور کفارہ تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو اسطرح کھانا دے کہ ہر ایک کے حصہ میں ڈیڑھ کیلو اناج آئے یا ایک بکری دے ، اگر اپنی بغلوں کے بال صاف کریگا تو ایک بکری کا کفارہ ہوگا یا ایک ہی بغل کے بال صاف کرے تب بھی یہ ہی حکم ہے اور اگر (داڑھی یا سر پر ہاتھ پھیرنے سے) بال گر جائے تو ایک مٹھ اناج مسکین کو صدقہ دینا چاہیئے (۱۷) پورے سر کو پانی میں ڈبونا (۱۸) عورت کا چہرہ چھپانا اور جان بوجھکر اس کا ارتکاب کرنے میں ایک گوسفند کا کفارہ ہے (۱۹) مرد کا سایہ میں چلنا اور جان بوجھکر اس کے ارتکاب میں ایک گوسفند کا کفارہ ہوگا ۔ (۲۰) بغیر ضرورت کے بدن سے خون نکالنا (۲۱) بلا ضرورت ناخن کاٹنا اور اگر عمداً کاٹے گا تو ہر ناخن کے عوض ایک سیر اناج دینا ہوگا اور اگر ایک ہی مرتبہ میں ہاتھ کے سارے ناخن کاٹ ڈالے تو ایک گوسفند کفارہ میں دینا پڑے گی اور اگر اسی وقت پاؤں کے بھی ناخن کاٹے تو بھی ایک ہی گوسفند کفارہ دینا چاہیئے لیکن اگر الگ الگ وقت میں کاٹے تو ایک ایک گوسفند

کاکفارہ ہوگا (۲۲) حرم میں اگی ہوئی گھاس یا درخت کو اکھاڑنا اور کاٹنا اور عمداً اگر اس کا ارتکاب کریگا تو اس کی قیمت کفارہ میں دے گا (۲۳) بغیر ضرورت بدن پر اسلحہ لگانا اور جان بوجھکر اگر اس کا مرتکب ہوگا تو ایک گوسفند کفارہ میں دے گا (۲۴) مرد کا بلا ضرورت پورے سر کو چھپانا عمداً اس کے ارتکاب میں ایک گوسفند دے گا (۲۵) مرد کا سلا ہوا لباس پہننا اور عمداً اس کے ارتکاب میں بھی ایک گوسفند کفارہ میں دے گا ،

میقات :- میقات آٹھ ہیں (۱) وادیٔ عقیق اور افضل یہ ہے کہ مسلخ مقام سے احرام باندھے یعنی وادیٔ عقیق کے ابتدائی حصہ اور درمیانی حصہ کو غمرہ اور آخری حصہ کو ذات عرق کہتے ہیں ، یہ اہل عراق اور ان لوگوں کا میقات ہے جو وہاں سے گذریں ۔ (۲) مسجد شجرہ ہے جو ذوالحلیفہ میں واقع ہے یہ اہل مدینہ اور وہاں سے گذرنے والوں کا میقات ہے (۳) جحفہ ہے یہ اہل شام، مصر اور وہاں سے گذرنے والوں کا میقات ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مکۂ مکرمہ سے دو سو بیس کلو میٹر دور ہے (۴) یلملم ہے یہ حجاز کا ایک پہاڑ ہے جو مکۂ معظمہ سے تقریباً ۹۴ ر کلو میٹر دور واقع ہے یہ اہل یمن اور وہاں سے گذرنے والوں کا میقات ہے (۵) قرن المنازل ، یہ اہل طائف اور وہاں سے گذرنے والوں کا میقات ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مکہ سے ۹۷ ر کلو میٹر دور کے فاصلہ پر واقع ہے (۶) حج تمتع کرنے والوں کے لئے مکہ کا میقات ہے (۷) عمرۂ مفردہ کرنے والوں کے لئے ادنی الحل میقات ہے (۸) شخص کسی میقات کے مقابل سے بھی احرام باندھا جا سکتا ہے اور اگر کسی نے یہ نیت کر لی کہ میں میقات پہنچنے سے قبل ہی احرام باندھوں گا تو یہ بھی جائز ہے ،

جہاد :- جان ، مال اور فکر کو کلمۂ توحید اور توحید کلمہ کیلئے دشمنان اسلام سے جنگ میں

صرف کرنے، ایمان کی علامتوں کے قیام کے لئے، دین اسلام کی سربلندی کیلئے کہ یہ اسلام کا امتیازی نشان ہے جنت کے دروازوں میں سے ایک ہے، رکن اسلام ہے،

جہاد کی دو قسمیں ہیں (۱) جہاد خاص جو معصوم یا ان کے نائب کی اجازت سے کیا جاتا ہے (۲) جہاد عام یعنی دفاع اس جہاد میں فقیہ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، جہاد خاص ۹/ شرائط کے بعد واجب ہوتا ہے (۱) بالغ (۲) عاقل (۳) آزاد (۴) مرد (۵) اتنا بوڑھا نہ ہو کہ جو جہاد سے عاجز ہو (۶) اپاہج نہ ہو (۷) اندھا نہ ہو (۸) مریض نہ ہو (۹) معصوم یا نائب معصوم نے اس کی دعوت دی ہو۔ طاغوت کے ساتھ ہو کر جہاد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ حاکم جور جو حکم خدا کے بغیر حاکم بن گیا ہے مگر یہ کہ مقابل مسلمانوں کا دشمن ہو تو اس صورت میں مسلمان اس سے لڑیں گے لیکن طاغوت کی مدد کا ارادہ نہیں ہے

جہاد عام میں کوئی شرط نہیں وہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے وہ ہر کافر و استعمار سے جہاد کریں خواہ وہ مشرک ہوں یا ملحد وغیرہ جب وہ ناموس اسلام اور ملت بیضہ پر حملہ کرے یا مسلمانوں کے اموال و شہروں پر حملہ آور ہوں کافروں سے محبت و دوستی رکھنا جائز نہیں خصوصاً یہودیوں اور صیہونیوں کو دوست رکھنا جائز نہیں کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے :

"ایمان لانے والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست و سرپرست نہ بناؤ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اگر تم میں سے انہیں کوئی دوست بنائیگا تو انہیں میں شمار ہوگا"، (سورۂ مائدہ آیت ۵۱)

خداوند عالم اسی سورہ میں دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے :

"آپ دیکھتے ہیں کہ صاحبان ایمان سے سب سے زیادہ عداوت رکھنے

والے یہودی اور مشرک ہیں" (سورۂ مائدہ آیت ۸۲)

اور ان لوگوں سے دوستی رکھنا جائز نہیں ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرتے ہیں اور ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور بغیر حکم خدا اپنی محور فکر کی گہرائی سے ایک نظام حکومت وضع کرلیا ہے اور اس میں مشرق و مغرب کے کافر ساوی ہیں خدا نے ان سے محبت رکھنے پر ایمان کی نفی کی ہے جو شخص بھی ان سے محبت رکھیگا اور ان سے دفاع کرے گا، مدح کریگا ان سے تولی رکھے گا وہ خدا کے اس قول کی روشنی میں دائرۂ ایمان سے خارج ہے:

(رسولؐ) آپ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو قوم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے
وہ ان لوگوں سے دوستی کر رہی ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی
کرنے والی ہے خواہ وہ انکا باپ، دادا یا اولاد یا خاندانی بھائی برادری کیوں
نہ ہوں

کافروں کی دوستی سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ وہ دھوکا دینے کیلئے مختلف طریقوں سے کام لیتے ہیں مکر و فریب کے وسائل فراہم کرتے ہیں اور مسلمانوں سے اظہار محبت کرتے ہیں ـــــ یہ تو کھلم کھلا دشمن مسلمانوں کے درمیان میں فسادات و شر کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں، دوستی کے مفہوم سے قطعی واقف نہیں ہیں اس لئے ان سے بچنا اور ان سے نفرت کرنا واجب ہے اور ان سے جہاد کرنا ضروری ہے اور جو کچھ خدا فرماتا ہے اسکو کان دھر کر سننا واجب ہے، "بلکہ کافر جھوٹ بولتے ہیں" (سورۂ انشقاق آیت ۲۲)

اور سورہ انفال میں ارشاد فرماتا ہے:

"اور تم سب کے مقابلہ کیلئے امکانی قوت، گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو!

جس سے اللہ کے دشمن، اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کردو! (انفال آیت ۶۰)

یہ تھے اہم عبادات کہ جنھیں شیعوں نے بذریعہ اہل بیتؑ نبیؐ سے لیا ہے ہم نے انہیں اجمالی طور سے بیان کیا ہے ان کی تفصیل کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے تفصیل کیلئے شیعوں کی فقہی اور استدلالی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں،

تجارت و مکاسب:۔ تجارت و مکاسب (ذریعہ معاش) کی پانچ قسمیں ہیں (۱) واجب (۲) حرام (۳) مستحب (۴) مکروہ (۵) مباح

کمائی کی اتنی مقدار واجب ہے کہ جو کمانے والے اور اہل وعیال، واجب النفقہ لوگوں کے آزوقہ کے لئے کافی ہو لیکن اس کمائی کو مباح ہونا چاہیئے

حرام:۔ جس کی حرمت پر نص وارد ہوئی ہے۔ اس کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) شراب کی خرید و فروخت اور اسی طرح اعیان النجسہ کا لین دین (۲) موسیقی کے آلات کے، اور قمار کے آلات کو ذریعہ معاش بنانا (۳) صلیب سازی، اور بت تراشی سے کسب معاش کریں (۴) اس چیز کو پیشہ بنانا کہ جو حرام میں مددگار ہو جیسے شراب بیچنا، زنا، لواط اور مساحقہ کے لئے اسباب فراہم کرنا وغیرہ (۵) ان چیزوں کی اجرت لینا جو شرعی لحاظ سے حرام ہیں جیسے جاندار چیزوں کی مجسمہ سازی، کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کا مجسمہ بنانا جائز ہے، گانے موسیقی کی اجرت لینا لیکن شادیوں میں عورتیں گا سکتی ہیں جبکہ وہ باطل نہ بک رہی ہوں اور مرد بھی انمیں داخل و شامل نہ ہوں گانے میں کوئی موسیقی کا آلہ نہ ہو، ان کی آواز سے شہوت برانگیختہ نہ ہوتی ہو (۶) گمراہ کر دینے والی اور الحاد آمیز کتابیں بیچنا لکھنا مطالعہ کرنا، ہاں تردید کی غرض سے پڑھا جا سکتا ہے (۷) ایسی چیز کو ذریعہ معاش بنانا کہ جسمیں شرعی اور عرفی لحاظ سے نفع نہ ہو جیسے حشرات بیچنا (۸) اس چیز کی

اجرت لینا جو مکلف پر واجب ہوتی ہے جیسے مسلمانوں کی اموات کو غسل دینا، کفن پہنانا، نماز جنازہ پڑھنا، دفنانا، فیصلہ کرنے کی اجرت فیصلہ کے لئے رشوت لینا زندگی کے گذران کے لئے. مسلمانوں کے بیت المال سے لیا جائیگا،

مکروہ پیشے :۔ جن کاموں کو ترک کرنا بہتر ہے وہ یہ ہیں، کفن فروشی، قصابی ، حجامت اور رنگ ریزی حیاکت دبنکری لگائے، یا بکری کے حامل کرانے کی اجرت لینا، قرآن کی تعلیم وکتابت کی اجرت لینا، دائی کا پیشہ اختیار کرنا

مستحب :۔ جن چیزوں کی فراہمی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی زندگی میں فراخی کا باعث ہو

مباح :۔ ان چیزوں میں مال وثروت میں اضافہ کے لئے کوشش کرنا،

خیارات :۔ عقد بیع چونکہ عقود لازمہ سے ہے اس لئے متعاقدین میں سے کوئی اسکو موارد خاص کے علاوہ فسخ نہیں کرسکتا ہے فسخ کے موارد کو شریعت میں خیارات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے خیارات ۱۴ ہیں (۱) خیار مجلس یعنی خریدار اور بیچنے والے اس وقت اس عقد کو فسخ کرسکتے ہیں جب تک دونوں معاملہ ہی کی جگہ موجود ہیں یا یہ کہ اس عقد کے ضمن میں شرط کرلیں کہ اس خیار کا اعتبار نہیں کیا جائیگا، یہ خیار بیع سے مخصوص ہے (۲) خیار حیوان، مشتری خریدنے کے بعد تین روز تک حیوان کی بیع کو فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے اگر عقد میں خیار کے لغو کرنے کی شرط نہ کی گئی ہو (۳) خیار شرط یعنی عقد میں دونوں یا کوئی ایک یا فرد ثالث زمانہ معین تک فسخ کی شرط کرے (۴) خیار تاخیر. خریدار قیمت دینے میں اور بیچنے والے چیز دینے میں تاخیر کریں تو ہر ایک کو تین روز کے بعد فسخ کا حق ہے (۵) جن چیزوں کے معاملہ کو اسی روز فسخ کیا جا سکتا ہے جیسے کسی چیز کا معاملہ طے ہو اور اسے اسی روز فاسد کرنا

مثل میوہ وغیرہ اگر خریدار نے قیمت ادا نہ کی ہو تو بیچنے والے کو اس کے فسخ کرنے کا حق ہے
(۶) خیار رویت :۔ یعنی خریدار بغیر وصف دیکھے کوئی چیز ایک وصف کے ساتھ خریدے اور قابض ہوتے وقت اس وصف کے برخلاف ظاہر ہو تو یہاں خریدار معاملہ فسخ کر سکتا ہے
(۷) خیار غبن :۔ یعنی کوئی چیز کم قیمت پر فروخت کرے یا خریدار اس کی قیمت سے زیادہ قیمت ادا کر دے تو جس کا غبن ہوا ہے اسکو فسخ کا اختیار ہے جبکہ اصل قیمت سے عقد کے وقت دونوں بے خبر ہوں (۸) خیار عیب اگر کوئی ایک چیز خریدے اور بعد میں عیب ظاہر ہو اور خریدار پہلے اس عیب کو نہیں جانتا تھا تو خریدار معاملہ فسخ کر سکتا ہے یا اتنی قیمت کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے لیکن یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب تک مال میں تصرف نہ کیا ہو اور یہ کہ عیب عقد کے بعد عارض ہوا ہو (۹) خیار تدلیس :۔ اگر بائع اپنے مال کی تعریف کرے کہ جو اس میں نہیں ہے اور تعریف کیوجہ سے کوئی خریدے اور بعد میں اس کے برخلاف ظاہر ہوئے تو خریدار کو چھوڑ دینے یا فسخ کرنے کا اختیار رہے (۱۰) خیار شرط :۔ خریدار اور بیچنے والا بیع کے وقت کوئی بھی شرط کر سکتے ہیں لیکن وہ شرط کتاب خدا سنت رسولؐ اور غیر مقدور نہ ہو (۱۱) خیار شرکت ۔ خریدار کوئی شئے خریدے بعد میں معلوم ہو کہ یہ چیز فلاں فلاں کے درمیان مشترک ہے تو خریدار کو معاملہ فسخ کرنے یا شرکت کو قبول کرنے کا اختیار رہے اگر قبول کرے تو بیچنے والا اتنے حصہ کی قیمت واپس کریگا (۱۲) اس چیز کو سپرد کرنے سے معذور رہے جب بیچنے والا فروخت شدہ چیز کو عقد کے بعد خریدار کے حوالے کرنے سے معذور رہو تو اس وقت خریدار معاملہ فسخ کر سکتا ہے اور اگر بیچنے والا اس چیز کے سپرد کرنے پر مطلقاً قادر نہ ہو تو بیع باطل ہے (۱۳) خیار تبعض الصفقہ :۔ یعنی اگر کوئی شخص دو چیزیں خریدے اور خریدنے کے بعد معلوم ہو کہ ان میں

سے ایک نیچنے والے کی نہیں ہے تو خریدار فسخ کردے یا راضی ہو جائے ۔

(۱۴) خیار تفلیس یعنی اگر ایک چیز کو فروخت کرے اور فروخت کے بعد معلوم ہو کہ خریدار مفلس (مقروض) ہے تو بیچنے والے کو اختیار ہے کہ وہ مال واپس لے لے اور بیع کو فسخ کر دینے پر صبر کرے تو بیچنے والا بھی دوسرے قرض خواہوں کی طرح اسکے مال میں شریک ہو جائیگا ،

بیع کی دس قسمیں ہیں :۔ (۱) نقد (۲) نسیئہ (۳) سلف (۴) لکالی بالکالی (۵) التولیت (۶) المرابحہ (۷) المواضعہ (۸) المساومۃ (۹) الصرف (۱۰) الربا ۔

نقد :۔ یعنی معاملہ کے وقت دونوں قیمت اور مال موجود ہوں مؤجل نہ ہوں ،

نسیئہ :۔ جسمیں (معاملہ کے وقت) مال (ثمن) موجود ہو اور قیمت مؤجل (قرض) ہو' سلف اس کے برعکس ہے یعنی قیمت پہلے ادا کی جائے مال بعد میں دیا جائے ،

الکالی بالکالی :۔ جسمیں (معاملہ کے وقت) نہ قیمت موجود ہو نہ مال جیسے قرض کو قرض کے عوض بیچنا اور بیع کی یہ قسم باطل ہے

التولیہ : یعنی کسی خریدی ہوئی چیز کو اسی قیمت پر فروخت کرنا جس میں خریدی تھی

المرابحہ :۔ یعنی راس المال سے زیادہ قیمت میں (نفع لیکر) بیچنا جبکہ خریدنے والا اس بات سے آگاہ بھی ہو

مواضعہ :۔ یعنی اصل قیمت سے کم میں فروخت کرنا

مساومہ :۔ یعنی کسی چیز کو جس قیمت میں خریدی ہے نہ بتائے ہوئے فروخت کرنا

ربا : کا حرام ہونا تو ضروریات دین سے ہے کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں قرآن میں نص وارد ہوئی ہے :۔

ربا المعاملہ۔ یعنی ایک جنس کی دو چیزوں کو ایک دوسرے کے عوض زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جیسے ایک کلو گیہوں دو کیلو گیہوں کے عوض اسی طرح جو کو فروخت کرنا

اسکے دو شرائط ہیں :۔ (۱) ایک جنس ہو جیسے گیہوں اور اضافہ بھی ہو (۲) ناپنے اور تولنے میں ہم وزن ہوں کہ اس میں سے کوئی ربوی قرار پائے پس جس چیز میں ناپ تول نہیں ہے اور مختلف الجنس چیزوں کی خرید و فروخت میں ربا نہیں ہے ابوحنیفہ کا یہی نظریہ ہے جیسا کہ شعرانی نے میزان الاعتدال کی جلد ۲ باب الربا ص۶۸ پر نقل کیا ہے اور یہ چار جگہوں پر جائز ہے (۱) باپ بیٹے کے درمیان (۲) شوہر زوجہ کے مابین (۳) آقا و غلام کے بیچ (۴) مسلمان اور کافر حربی کے درمیان کہ یہاں مسلمان زیادہ لے گا [1]

خلاصی کے دو طریقے :۔ (۱) ثمن (قیمت) اور مثمن (مال) کے ساتھ دوسری جنس کی چیز کو ضم کر دیا جائے جیسے انسان غیر جنس کو مثمن اور ثمن کے ساتھ ضمیمہ کر دے مثلاً وہ ایک کو نٹل گیہوں اور ایک درہم کو دو کو نٹل گیہوں اور دو درہم کے عوض فروخت کرے۔

(۲) یہ کہ انسان طرفِ ناقص کے ساتھ غیر جنس کو ضمیمہ کر دے، مثلاً وہ ایک کو نٹل گندم اور ایک درہم کے عوض دو کو نٹل گیہوں فروخت کرے۔

ربائے قرضی بھی حرام ہے جیسے کوئی کسی شخص کو اسطرح دس دینار قرض دے کہ پندرہ دینار رد کرنے ہوں گے اور عین و عمل کے لحاظ سے اسمیں کوئی فرق نہیں ہے عین جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے عمل جیسے کپڑے کی سلائی اسی طرح منفعت میں بھی ہے جیسے گھر یا دوکان کے کرایہ میں یا انتفاع کے لحاظ سے ہو جیسے رہن پہ دی جانے والی چیز سے فائدہ اٹھانا

---

[1] میزان الاعتدال ج ۲ ص۶۸

جسطرح اسکی حرمت میں کوئی فرق نہیں ہے کہ مال ناپنے والا ہو یا وزن والا جیسے انڈوں کو درجن و عدد کے لحاظ سے فروخت کرے اور یہ حرمت شرط سے عارض ہوتی ہے اسکے علاوہ نہیں بلکہ مستحب ہے کہ قرض لینے والا کچھ اضافہ کے ساتھ واپس کرے کیونکہ یہ ادائیگی کا اچھا طریقہ ہے اور ایسے شخص کو حدیث میں خیر الناس کہا گیا ہے

سونے چاندی اور پھل کی فروخت :۔ سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی کے عوض بیچنے میں دو شرائط معتبر ہیں :۔ (۱) بیچنے والا قیمت پر اور خریدنے والا مال پر اسی جگہ قابض ہو جائیں (۲) وزن یا ناپ میں دونوں برابر ہوں۔ آج کل سکوں جیسے کویتی دینار اور ایران کے تومان پر سونے چاندی کا اطلاق نہیں ہوگا۔

پھل لگنے سے قبل پھل کو ایک سال کی فصل بھی بیچنا جائز نہیں ہے ہاں پھل لگنے کے بعد جب آثار نمودار ہو جائیں جیسے بور آجائے تو دو سال کیلئے بیچا جا سکتا ہے۔

بیچنے والے اور خریدار کے شرائط :۔ بالغ، عاقل، مختار، ارادہ، آزاد، ملکیت پس دوسرے کے مال کو بیچنا باطل ہے ہاں اگر مالک اجازت دیدے تو بیچ سکتا ہے دوسرے کے مال کو بیچنے والے کو فضولی کہتے ہیں باپ، دادا چھوٹے بچے کے مال کو بیچ سکتے ہیں اسی طرح حاکم شرع یعنی عادل مجتہد اور وصی و وکیل وغیرہ بھی مجاز ہیں۔

فروخت کی جانے والی جنس کی شرائط :۔ جنس اپنی ملکیت ہو، جنس غیر مشروط ہو وقف کا مال نہ ہو، تحویل میں دینے پر قادر ہو اڑتے ہوئے پرندا ور پانی میں مچھلی کیطرح نہ ہو، جنس کی مقدار اور اس کے اوصاف معلوم ہوں، شرع کے لحاظ سے وہ جنس باقیمت ہو، ہاں منافع کو قیمت کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔

کرایہ (اجارہ) اور اسکے احکام :- یہ معاملہ منفعت پر کیا جاتا ہے اسکی آٹھ شرائط ہیں، عقد اجارہ کو ایجاب و قبول پر مشتمل ہونا چاہیئے کہ ان کی دلالت اس بات پر ہو کہ عوض معلوم کے ذریعہ زمانہ معین تک مستاجر منفعت کا مالک ہے ایجاب یعنی مالک "اجرتک" کہے اور مستاجر "قبلت" کہدے تو کافی ہے اس عقد میں معاطاۃ بھی جائز ہے

۲۔ اجارہ دینے والا اور لینے والا دونوں بالغ و عاقل ہوں اور اجارہ دینے والے کا اس مال میں تصرف جائز ہو۔ (۳) اجارہ میں ناپ تول، تعداد، وصف معلوم ہوں (۴) منفعت کا زمانہ یا عمل کی مقدار معلوم ہونی چاہیئے (۵) منفعت کو ملک ہونا چاہیئے (۶) مدت مقرر ہو اس میں کمی زیادتی نہ ہو (۷) اجارۃ دینے والے منفعت کو اجارہ لینے والے کے سپرد کرنے پر قادر ہو، (۸) منفعت مباح ہو اور اس کا عقد دونوں طرف سے لازم ہو۔

اجارہ کے چھ احکام ہیں :- اجارہ لینے والے کو جب اجارہ والی چیز میں عیب نظر آجائے تو اس وقت اسکو فسخ یا قبول کا اختیار ہے (۲) اگر اجارہ والی چیز کو مستاجر تلف یا اس میں تفریط سے کام لے تو ضامن ہے (۳) اگر عامل مال کو ضائع کردے تو ضامن ہے اور مالک کو اس کا عوض دینا واجب ہے (۴) اگر کوئی شخص اپنے غلام کو اجارہ پر دیدے اور بعد میں، آزاد کردے تو اجارہ باطل ہو جائیگا۔ (۵) مستاجر پر اس حیوان کا چارہ واجب ہے جو اس نے اجارہ پر لیا ہے اگر اسے چارہ نہ دے اور تفریط سے کام لے تو ضامن ہے (۶) اجارہ پہ دینے والے اور لینے والے کی موت سے اجارہ باطل نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اجارہ پہ دی جانے والی چیز کو فروخت کرنے سے بھی اجارہ باطل نہیں ہوتا ہے۔ اگر طرفین راضی ہیں یا دونوں میں سے کوئی عقد میں یہ شرط کرے کہ اگر یہ چیز فروخت ہوگی تو عقد فسخ ہو جائیگا۔

کھیتی اور سینچائی :- یہ دونوں عقد لازم ہیں، کھیتی میں پانچ شرائط معتبر ہیں :- (۱) عقد ایجاب و قبول پر مشتمل ہو اور ان دونوں کی دلالت زمین کے اس حصہ پر ہو جو نتیجہ بخش ہو، ایجاب میں "زارعتک" اور قبول میں "قبلت" کہنا کافی ہے یہ عقد معاطاۃ کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے (۲) زراعت کے لئے دینے والے اور لینے والے کے درمیان وہ حصہ تمام منافع میں مشترک ہو (۳) مہینوں، سال اور جو فصل اس میں ہوتی ہے اس کے لحاظ سے معاملہ کی مدت معین ہو (۴) حصہ کی تعیین ہو مثلاً نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ (۵) زمین زراعت کے قابل ہو (۶) زمین اور بیج بلکہ کھیتی کے تمام مصارف کا تعین ہو کہ ایک آدمی خرچ کریگا یا دونوں کھیتی کے لئے لینے والا خود بھی بو سکتا ہے اور کسی دوسرے سے بھی بوا سکتا ہے یا، دوسرے سے بٹائی پر بوا سکتا ہے لیکن اگر زمین والے سے شرط کی ہو گی تو اسے خود ہی بونا پڑیگا، مزارعت میں طرفین کے لئے وہی شرائط ہیں جو بیع میں تھے۔

سینچائی :- یعنی درختوں کی سینچائی کا کام انہیں کے پھلوں کے کچھ حصہ پر اپنے ذمہ لینا اس میں بھی چھ شرائط معتبر ہیں :- (۱) عقد ایجاب وقبول پر مشتمل ہو ایجاب میں "ساقیتک" اور قبول میں "قبلت" یا "رضیت" کہنا کافی ہے اس میں معاطاۃ بھی جائز ہے (۲) مدت معلوم ہو (۳) درختوں پر پھل لگنا ممکن ہو (۴) حصہ کا تعیین ہو جیسے ایک تہائی (۵) حصہ تمام پھلوں میں ہو (۶) درخت پر پھل ہو، اور انہیں درختوں سے بعد میں فائدہ اٹھایا جا سکے اس معاملہ میں بھی وہی شرائط معتبر ہیں جو مزارعت میں تھے۔

جعالہ و شرکت کے احکام :- جعالہ کسی عمل کی بجاآوری کے عوض اجرت ادا کرنے کو کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں :- (۱) عام (۲) خاص، عام میں مثلاً یہ کہا جائے

جو میرے گمشدہ چوپائے کو پکڑ لائیگا میں اسے دو دینار دونگا ، اور خاص میں کسی معین شخص سے اس طرح کہے اگر تم میری دیوار بناوگے تو تمھیں دس دینار دونگا ، ان دونوں قسموں میں ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں ہے اور ہر وہ عمل مقصود جو حلال ہو اس کے واقع ہونے سے صحیح ہو جاتا ہے اور اگرچہ عمل کم و کیف کے لحاظ سے مجہول ہو اور کام کی انجام دہی کے بعد اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے اور مفت انجام دینے پر کوئی اجرت نہیں ہے اور جب معاملہ کم و کیف کے لحاظ سے مجہول ہو تو اس وقت اجرت مثل دینا واجب ہے کام کی ابتدا کے بعد جاعل ابتدا کو فسخ نہیں کر سکتا اور جتنا کام کیا ہے اس کی اجرت کا مستحق ہے اور اگر دو جعالے طے کرے تو دوسرے کی انجام دہی کے وقت اور اگر سب طے کریں کہ سب ملکر اس کام کو انجام دیں گے اور ہر ایک کام کرے اگر سب نے برابر کام کیا ہے تو برابر کے حقدار ہیں اور اگر اختلاف ہو جائے تو عدم جعل میں مالک کا قول قبول کیا جائیگا مجعول فیہ کی تعین اگر مجعول فیہ مقداری ہے تو اسمیں کم اجرت مثل ثابت ہے کام کرنیوالے کے لئے کام کی ابتدا کرنیکے بعد اسے چھوڑنا جائز نہیں ہے خصوصًا جب جاعل کیلئے مضر ہو یہ معاملہ بھی طرفین کے لئے جائز ہے

شرکت: یعنی ایک چیز میں کئی حصہ دار ہوں وہ چیز خواہ عین ، قرض ، منفعت یا حق ہو ، اس کی دو قسمیں ہیں ، ایک صحیح ہے دوسری باطل ، صحیح وہ شرکت ہے جو مال ہوتی ہے اس میں تمام شرکا نفع اور خسارہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ، شرکت بھی جائز معاملہ ہے کوئی شریک بھی اس معاملہ کو فسخ اس وقت کر سکتا ہے کہ جب دوسرے کو ضرر نہ پہنچے فسخ سے اصل شرکت باطل نہیں ہوتی ہے شرکت والی چیز میں ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا ہے مشترک چیز کو جو شخص کام میں لاتا ہے وہ امین ہے لیکن تلف ہونے پر ضامن نہیں ہے ،

ہاں تعدی یا تفریط کریگا تو ضامن قرار پائیگا ، موت ، جنون ، بے ہوشی ، بے وقوفی کی بنا پر ممنوع التصرف یا مقروض کے بعد شرکت فسخ ہوجاتی ہے ، اصل شرکت باطل نہیں ہوتی ہے طرفین کی رضایت سے تقسیم کر لینا صحیح ہے ،

تین قسم کی شرکت باطل ہے :۔ (۱) کاموں کی شرکت یعنی دو اشخاص آپس میں معاہدہ کریں کہ ہر ایک مزدوری یا آمدنی دونوں کے درمیان مشترک رہے گی اسکو ابدان کی شرکت بھی کہتے ہیں اور یہاں ہر ایک کو اس کی آمدنی دی جائیگی

(۲) شرکت وجوہ یعنی دو اشخاص اسطرح شرکت کریں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذمہ داری پر کوئی چیز خریدے اور پھر اسے فروخت کر دے اور نفع و خسارہ میں ایک دوسرے کے شریک ہوں

(۳) شرکت مفاوضہ یعنی دو اشخاص اسطرح معاہدہ کریں کہ ایک چیز شرکت میں خریدیں اور اس کی تجارت ، زراعت یا میراث کا نفع دونوں تقسیم کریں گے اور جو اخراجات اس پر آئیں گے اسمیں دونوں شریک رہیں گے ۔

معاطاۃ :۔ یعنی بیچنے والا خریدار کو کوئی چیز اس قصد سے دیدے کہ یہی اس کا مالک ہے اسی طرح خریدار بھی بیچنے والے کو کوئی چیز عوض اور اس کی ملکیت کے قصد سے دیدے ، اس معاملہ میں بھی وہی شرائط معتبر ہیں جو بیع میں تھے بس اس میں صیغہ لفظی طور پر لانا نہیں ہوتا ہے یہ معاملہ بھی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اس کے لئے تین شرائط ہیں (۱) اگر ایک تلف ہو جائے تو دوسرا عوض کا مالک ہو جائیگا

(۲)

(۴) فروخت کرکے اسے اپنی ملکیت سے خارج کردے معاطاۃ سارے معاملات میں جاری ہو سکتا ہے لیکن نکاح وطلاق اور عتق، نذر و یمین میں معاطاۃ نہیں ہے

مضاربہ :- دو اشخاص معاہدہ کریں کہ رأس المال سے ایک شخص تجارت کریگا اور اس کا نفع آپس میں تقسیم کریں گے اس میں بھی ایجاب وقبول یعنی صاحب مال کوئی ایسا لفظ کہے جس سے مال تسلیم کرنا سمجھ میں آئے جیسے "ضاربتک" وغیرہ دوسرا اسے قبول کرلے معاطاۃ کے ذریعہ بھی یہ معاملہ ہو سکتا ہے اور اس معاملہ میں معاہدہ کرنے والوں کے لئے وہی شرائط ہیں جو بیع میں معتبر تھے راس المال کو عین اور معین ہونا چاہیئے سکہ دار سونا چاندی ہے تو اس کی مقدار معلوم ہونی چاہیئے دوسرے فقہا نے کہا ہے کہ کاغذ کے روپیوں پہ بھی یہ معاملہ صحیح ہے، منافع معلوم ہو جیسے نصف نفع دیا جائیگا، مضاربہ شرکت کے مال سے بھی اسی طرح صحیح ہے جسطرح ایک آدمی کے مال سے صحیح ہے اور ایک تجارت کرنے والے کیلئے متعدد لوگوں کا مال بھی صحیح ہے یہ معاملہ بھی عقود جائزہ سے ہے کام کی ابتدا کرنے سے قبل اور بعد میں ہر ایک کو فسخ کرنیکا حق ہے اسی طرح نفع حاصل ہونے سے قبل اور اس کے بعد اگر مدت معین ہو جائے تو معاملہ کو ختم کیا جاسکتا ہے اور اگر مضاربہ میں فسخ نہ کرنیکی شرط کریں تو بھی صحیح ہے طرفین میں سے کسی ایک کی موت یا جنون سے مضاربہ باطل ہو جاتا ہے مضاربہ لینے والا تلف ہونیکی صورت میں ضامن نہیں ہے ہاں تعدی و تفریط کی صورت میں ضامن ہے اور نہ ہی خسارہ کا ضامن ہے تجارت کرنیوالا نفع کے آثار نمودار ہونے پر اپنا حصہ لے سکتا ہے نقد جنس اور تقسیم پر اس کا فائدہ موقوف نہیں ہوگا جب تک اصل مال باقی ہے اسوقت تک خسارہ کا جبران منافع کے مال سے کیا جائیگا اور اسی طرح تلف میں بھی۔

ودیعت

یعنی ایک شخص کا کسی کو بطور امانت کوئی چیز دینا بشرطیکہ دونوں اس معاملہ پر راضی ہوں پس اگر امین سے افراط و تفریط نہیں ہوئی تو وہ ضامن نہیں ہے، یہ معاملہ ہر لفظ اور ہر زبان میں ہو سکتا ہے البتہ وہ شخص اگر امانت کی حفاظت نہیں کر سکتا تو اس کے لئے اس چیز کا لینا جائز نہیں ہے اور یہ معاملہ باطل ہو جائے گا دونوں کے مرنے یا جنونی کیفیت کے بعد، اور مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ جب وہ چاہے اپنی امانت واپس لے لے پس امین کو انکار کا حق نہیں ہے اگر مطالبہ کے بعد امکانی صورت میں امانت کی واپسی میں تساہلی برتے تو وہ ضامن ہوگا ——— اس معاملہ میں دونوں کے درمیان وہی شرائط ہیں جو بیع کے ہیں مثلاً بلوغ و عقل وغیرہ

عاریہ

اگر انسان اپنی کوئی شئی کسی کو دے تاکہ وہ اس سے استفادہ کرے اور اس کے بدلے میں کوئی چیز نہ لے تو اس کو عاریہ کہتے ہیں۔ عاریہ دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کو بطور عاریہ دے رہا ہے اس کی ملکیت ہو اور اس میں حق تصرف رکھتا ہو اسی طرح عاریہ لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں استفادہ کی صلاحیت ہو۔ عاریہ دیتے وقت اس شئی کا تعین ضروری ہے اور اس سے شرعاً استفادہ بھی ہو سکتا ہو پس جس سے شرعی استفادہ نہ ہو سکتا ہو اس کا اعارہ جائز نہیں ہے عاریہ دینے والا جب چاہے اپنی چیز کو واپس لے سکتا ہے اور عاریہ لینے والے پر ضروری ہے کہ امکانی صورت میں مطالبہ کے بعد فوراً واپس کر دے اب اگر اس نے واپس کرنے

میں تساہلی کی تو وہ ضامن ہوگا، یہ معاملہ اعارہ دینے والے کی موت یا جنون یا اس شئی کے ختم ہونے سے باطل ہو جائے گا عاریہ لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ بقدر ضرورت استفادہ کرے اگر اس نے افراط سے کام لیا تو وہ ضامن ہوگا۔

لقطہ

یعنی جو چیز زمین پر گری ہوئی دستیاب ہو اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔ یہ تین طرح کی ہیں
۱۔ انسان ۲۔ حیوان ۳۔ اموال۔ پہلی صورت کی بھی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ جو بچہ مسلمانوں کے شہر میں ملے، اس پر اسلام کا حکم لگے گا۔

۲۔ کفار کے شہر میں ملے لیکن وہاں مسلمان بھی رہتے ہوں اور ان سے اس کا متولد ہونا محتمل بھی ہو پس وہ بچہ مسلمان سے ملحق ہوگا

۳۔ کفار کے شہر میں ملے اور کوئی مسلمان وہاں نہ ہو یا ہو مگر اس سے متولد ہونا محتمل نہ ہو تو اس پر کفر کا حکم لگے گا۔

پہلی اور دوسری صورت میں وہ حر (آزاد) ہے جب تک اس کے خلاف کا علم نہ ہو البتہ تیسری صورت میں اس کو غلام بنا سکتے ہیں۔

لقیط (لاوارث)

جو شخص لقیط کو اٹھا رہا ہے اس کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں۔(۱) بلوغ (۲) عقل (۳) حر (۴) اسلام۔ اگر لقیط حکم اسلام میں آتا ہو اور اگر اس کا تحفظ اسی شخص پر موقوف ہو تو یہ اس کے لئے واجب کفائی ہوگا

۲۔ حیوان : اگر وہ پالتو ، پانی اور آبادی میں نہ ہو جیسے صحرائی اور پہاڑی ـــــ جانور ہوتے ہیں اور وہ خود اپنی حفاظت بھی کر سکتے ہوں تو ان کا قابو میں لینا جائز نہیں ہے ۔ پس جو اس امر کا مرتکب ہوگا وہ گناہگار ـــــ اور ضامن ہوگا نیز اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا اور اس کو اس نفقہ کی قیمت لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا بلکہ جو اس نے اس جانور سے منفعت یا نما ، حاصل کیا ہے اس کا وہ ضامن ہے ۔ لیکن اگر وہ اپنی حفاظت نہ کر سکتے ہوں تو ان کا پکڑنا جائز ہے البتہ جس جگہ سے وہ جانور اٹھایا ہے اس کا اعلان کرنا ہوگا ۔ اب اگر اس کا مالک نہ ملے تو اس کو اپنی ملکیت میں لے سکتا ہے یا اس کو بطور صدقہ دے سکتا ہے بشرطیکہ اگر مالک مل گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا ہاں اگر مالک کی طرح حفاظت کر سکتا ہو اور اس سے افراط و تفریط بھی واقع نہ ہوئی ہو تو وہ ضامن نہیں ہے اور اگر وہ جانور آبادی میں ہے تو اسے پکڑنا جائز نہیں ہے پس جو اسے پکڑے گا وہ ضامن ہوگا اور اس پر واجب ہے کہ ایک سال تک اس جانور کے لئے اعلان کرے گا جیسے دوسری چیزوں کے لئے ہے اس اعلان کے بعد اگر مالک نہ ملے تو اس کو حاکم شرع کی تحویل میں دے دے ۔

۳۔ **اموال** ۔ (انسان و حیوان کے علاوہ) جائز ہے اس کا اٹھانا اگر اس کی قیمت ایک درہم سے کم ہو اور اس کے لئے اعلان شرط نہیں ہے بلکہ اس میں تصرف بھی کر سکتا ہے ۔ درہم چاندی کا سکہ ہوتا ہے جس کا وزن ½ اونس ہوتا ہے ـــــ اور اگر اس کی قیمت ایک درہم یا اس سے زیادہ ہو تو اس کے لئے ایک سال تک اعلان کرانا واجب ہے البتہ روزانہ نہیں بلکہ کم از کم ہفتہ میں دو مرتبہ ۔ اس اعلان کے باوجود اگر مالک نہ معلوم ہو سکے اور وہ مال حرم مکہ میں ملا ہو تو اسے اختیار ہے یا اس کو اس کے مالک کی طرف سے صدقہ دے دے یا اس کو محفوظ رکھے تاکہ اس کے مالک کو دے دے اور اگر حرم مکہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ملا ہے تو اس کو اختیار ہے

یا وہ اسے خود دے دے یا مالک کی طرف سے صدقہ دے دے البتہ ان دونوں صورتوں میں ضامن ہوگا، یا اپنے پاس رکھے تاکہ جب بھی اس کا مالک ملے اسے واپس کر دے اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کو وہ چیز ملی ہے وہی اعلان کرے بلکہ دوسرے کو بھی اس کام کے لئے مامور کر سکتا ہے۔ اگر سال ختم ہونے سے پہلے اسے یقین ہو جائے کہ اس اعلان کا کوئی فائدہ نہیں ہے یا مالک کے ملنے سے مایوس ہو جائے تو وہ شیٔ حرم کی ہیں یا اس کے علاوہ دوسری جگہ پر ملی ہو تو دونوں صورتوں میں مذکورہ بالا احکام پر عمل کرے گا، اور اگر وہ چیز ایسی ہو جو ایک سال تک سالم نہیں رہ سکتی جیسے پھل وغیرہ تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس میں تصرف کرے اور اس کی قیمت کو محفوظ رکھے اس کے بعد مذکورہ صورت میں اعلان کرائے

اعلان اس جگہ کرائے جہاں عموماً لوگ جمع ہوتے ہیں جیسے نماز جماعت یا بازاروں میں اگر وہ چیز ایسی جگہ ملی ہو جہاں لوگ رہتے ہوں لیکن اگر صحرا اور راستے میں ملے تو وہاں جو ملے اس سے پوچھے گا اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہر اس شہر میں اعلان کرا سکتا ہے جہاں اس کے مالک کے ملنے کی توقع ہو یہ اس صورت میں ہے جب اس چیز میں کوئی علامت و نشانی ہو لیکن اگر کوئی علامت نہیں ہے جیسا کہ آج کل روپئے وغیرہ ہیں کہ جس میں علامت مشخص نہیں ہے یا یہ کہ پانے والے کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو اس پر اعلان کرنا واجب نہیں ہے اور اس کو مذکورہ بالا امور میں اختیار ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں حاکم شرعی کی طرف رجوع کرے۔

غصب

کسی کے مال یا حقوق پر زبردستی کرنے ــــ کو غصب کہتے ہیں جیسے یہودیوں کا سرزمین فلسطین پر قبضہ ہے یا جس طرح افریقہ، اندلس، ہندوستان سے چین تک مسلمانوں کے ممالک پر کافروں کا قبضہ ہے۔ عقل و شرع کے لحاظ سے حرام ہے اور بدترین ظلم ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا تو قیامت کے دن اسی مقدار میں زمین کے سات طبقوں کا طوق بنا کر خدا اس کی گردن میں ڈال دے گا۔ نیز رسولؐ نے فرمایا جو اپنے ہمسایہ کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا خدا اس کی گردن میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈال دے گا اور روز قیامت اس کو اسی حالت میں محشور فرمائے گا مگر یہ کہ توبہ کرے اور واپس کر دے اسی مفہوم کی دوسری حدیثیں آپؐ سے مروی ہیں ــــ غاصب، مغصوب اور اس کی منفعت کا ضامن ہے اگر عین موجود ہے تو اس کی منفعت اور اصل چیز کا لوٹانا اس پر واجب ہے ورنہ اس کے مثل دے اگر مثلی ہے اور قیمت والی چیز سے متعلق ہے تو قیمت ادا کرے گا اور مثلی میں وہ چیز دے گا جس کے اجزا مساوی ہوں یا خواص میں قریب قرار پائے جیسے جو، گیہوں کے دانے وغیرہ قیمت والی چیز میں اس کے برعکس ہے ــــ اگر مثلی دینے سے معذور ہے تو جس روز قیمت ادا کرے گا اسی دن کی قیمت ادا کرے گا اور قیمت والی چیز میں تلف ہونے والے دن جو اس کی قیمت تھی وہی ادا کرے گا۔

بہتر یہ ہے کہ جس پر مصالحت و اتفاق ہو جائے تفاوت کے ساتھ وہی ادا کرے لیکن تفاوت میں کسی کا نقصان اور کسی پر زیادتی نہ ہو اور اگر ایسا ہو گا ضامن قرار پائے گا اور اس روز جو اس کی اعلیٰ قیمت ہو گی وہ ادا کرے گا۔

جیسے ایک حیوان مغصوب ہے اور غصب کرتے وقت دبلا پتلا تھا بعد میں موٹا تازہ ہو گیا اور پھر اسے لاغر کر دیا اور تلف ہو گیا ضمانت میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ خود تلف کیا ہو یا تلف کرنے کا سبب بنا ہو جیسے کوئی شخص (راستے میں) کنواں کھود دے اور اس میں کوئی حیوان یا انسان گر جائے تو کھود دینے والا اس کا ضامن بنے گا اور تلف ہونے والی چیز کا عوض دے گا اگر وہ چیز قیمت والی تھی تو اس کی قیمت اور اگر مثلی تھی تو اس کے مثل دے گا اور اجتماع کی صورت میں تلف کرنے والا ضامن ہو گا مگر یہ کہ سبب اس سے قوی ہو جیسے کوئی شخص سوتے ہوئے کے پاؤں کے پاس (شیشے کا) برتن رکھ دے اور وہ اس کے پیر سے گر کر ٹوٹ جائے تو رکھنے والا ضامن قرار پائے گا۔

جب غصب شدہ چیز متعدد ہاتھوں میں منتقل ہو کر تلف ہوئی ہو تو اس صورت میں سب ضامن قرار پائیں گے اور اس کا مالک اس چیز کی قیمت یا مثل کا ہر ایک سے تقاضا کر سکتا ہے اور ایک سے زیادہ افراد مساوی طور پر یا تفاوت کے ساتھ اسے واپس کریں گے لیکن اگر غاصبوں میں سے آخری شخص کے ہاتھ سے وہ چیز تلف ہو تو مالک اسی کی طرف رجوع کرے گا کیوں کہ وہی ضامن ہے مالک کسی دوسرے کی طرف رجوع نہیں کرے گا اور اگر ان میں سے کسی کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ آخری کی طرف رجوع کرے گا کہ جس کے ہاتھ سے وہ چیز برباد ہوئی ہے اور اسی طرح ایک دوسرے کی طرف رجوع کرتا رہے گا کہ آخری تک نوبت پہنچے۔

مردہ زمینوں کا زندہ کرنا

اجازت کے بغیر کسی کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے اور نہ ہی اجارہ لینے والے کے لئے یہ

جائز ہے کہ اصل ملکیت کو اس طرح صرف کرے کہ جس سے قابل اعتنا ضرر پہنچے جیسا کہ رسولؐ کا قول ہے اسلام میں ضرر و ضرار نہیں ہے ۔ (اسلام میں ضرر برداشت کرنا اور ضرر پہنچانا نہیں ہے)

مردہ زمین وہ ہے جس سے استفادہ نہ کیا جارہا ہو اس کی دو قسمیں ہیں ۔

اول : اصلاً مردہ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ۔

۱۔ جب انسان یہ نہ جانتا ہو کہ مجھ سے پہلے اس کو کسی نے زندہ کیا ہے اور کسی کی ملکیت میں ہے۔

۲۔ وہ ان چیزوں کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو ۔

ثانی : جو آباد ہونے کے بعد پھر برباد ہو جائے ۔

پہلی قسم کی دونوں انواع یعنی انفال نبیؐ اور ان کے بعد امام کا حق ہے اور زمانہ غیبت میں ہر ایک اس کو زندہ کر سکتا ہے اور اس کی تعمیر کر سکتا ہے وہ زمین خواہ اسلامی ممالک میں ہو یا کافر ممالک میں اس کا خراج دیا جاتا ہو یا نہ زندہ کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی ۔

موات دو طرح عارض ہوتا ہے ۔

۱۔ جس زمین کے وارث برباد ہو گئے ہوں اور زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہ رہا ہو جیسے گذشتہ امتیں ۔

۲۔ وہ زمین جس کا مالک لاپتا ہو تو یہ زمین مجہول المالک قرار پائے گی ۔

نوع اول موات بالاصل کے حکم میں ہے اور انفال میں شامل ہے ۔

دوسری کو زندہ کرنا اور لائق استعمال بنانا اور ہر قسم کا تصرف اس میں جائز ہے مالک کی آمد سے مایوسی کے بعد اس کا مالک بن جائے گا اور اس سلسلہ میں حاکم شرعی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔

ہر وہ مال جس سے مالک اعراض کرے یعنی چھوڑ دے تو وہ اس کی ملکیت ہے جو پہلے حاصل کرے جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تو اس زمین کے آس پاس کی اتنی زمین کہ جو استفادہ کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے وہ بھی اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ایسی زمین کو حریم کہتے ہیں صاحب حریم کے لحاظ سے یہ کم و زیادہ ہوتی ہے اور اس کا تعلق مصالح اور فوائد سے ہے جتنی احتیاج ہوگی اسی کے مطابق ملے گی۔

ویران زمینوں کی ملکیت کا اعتبار

ویران زمینوں کو لائق استعمال بنا کر مالک بننے کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

۱۔اس سے پہلے کسی نے اس زمین کو پتھروں سے نہ گھیرا ہو کہ جو اس بات کی دلیل قرار پائے کہ کوئی اور اس زمین کو لائق استعمال بنانا چاہتا ہے۔

۲۔جس مقدار میں اس نے زمین کا احاطہ کیا ہے اس کو آباد کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہو۔

۳۔احاطہ کی ہوئی زمین کو معطل نہ چھوڑے کہ وہ ایک مدت تک ویران پڑی رہے جب کہ اسے ویران چھوڑنے پر کوئی عذر بھی نہ ہو۔

۴۔زمین کی آبادی مملک کے لئے مفید ہو یعنی زمین کو آباد کرنے پر جتنے اخراجات آتے ہیں اس سے زیادہ کی ملکیت قرار پائے۔

مشترک چیزیں چھ ہیں

۱۔عام راستے سڑک وغیرہ میں سب لوگ حصہ دار ہیں۔

۲۔ مدارس سب کے لئے اس جہت سے مشترک ہیں کہ وہ تمام طلبا کے لئے وقف کئے گئے ہوں پس جو بھی پہلے کسی کمرہ میں ساکن ہوگا وہ دوسرے سے زیادہ اس کا حقدار ہوگا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اسے کمرے سے نکال دے۔

۳۔ وہ عمارت جو فقیروں کی سکونت کے لئے بنائی گئی ہو اور وقف کرنے والے کی شرط کے تابع ہے۔

۴۔ پانی، نہروں اور ندیوں جیسے دجلہ و فرات اور نیل وغیرہ کا پانی۔

۵۔ معادن۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جو ظاہر بظاہر ہو اور اس کو نکالنے کی ضرورت نہ ہو جیسے نمک، تارکول، کبریت موم، الکحل۔

۲۔ جو چھپا ہوا ہو کہ اسے نکالنے کی ضرورت پیش آئے جیسے سونا، چاندی، تیل وغیرہ نمک وغیرہ کو جمع کرنے سے انسان مالک بن جاتا ہے اور سونے وغیرہ کو لائق استعمال بنانے سے مالک بن جاتا ہے۔

۶۔ مساجد، وہ مقامات جو عبادت جیسے نماز کے لئے تیار کئے گئے ہوں ایسے مقامات میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

عام راستوں سے اصل منفعت کے علاوہ سارے لوگ استفادہ کر سکتے ہیں، جیسے نماز پڑھنا، بیٹھنا، سونا لیکن جب کسی کے لئے مضر نہ ہو اور راستہ چلنے والوں کے لئے مزاحمت نہ ہو اور راستہ بھی تنگ نہ ہو۔

دین

قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے سے زیادہ ہے اور قرض دینے والے کے لئے قرض کی واپسی میں اضافہ کی شرط حرام ہے۔

قرض کی دو قسمیں ہیں (۱) حال (۲) موجل۔

حال میں قرض خواہ کسی وقت بھی قرض کی ادائگی کا مطالبہ کر سکتا ہے اور مقروض کو بھی چاہئیے کہ اگر قدرت رکھتا ہے تو ادا کر دے۔

موجل میں قرض خواہ ادائگی کا مطالبہ وقت سے پہلے نہیں کر سکتا اور نہ ہی مقروض کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرض ادا کرے۔ مدت پوری ہو جانے کے بعد صحیح ہے۔ مدت کی تعیین کبھی قرض دینے والے اور لینے والے کی قرارداد سے ہوتی ہے اور کبھی شرع مقرر کرتی ہے جیسے دیت کی اقساط مقررہ۔

مقروض کی موت سے موجل حال میں بدل جاتا ہے لیکن قرض خواہ کی موت سے حال میں تبدیل نہیں ہوگا۔ قرض کو قرض کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ یعنی بیع سے قبل قیمت و مال دونوں دین ہوں۔ دین موجل میں طرفین کی رضامندی سے مدت کم کی جا سکتی ہے لیکن حال کو موجل میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اور موجل کی زیادتی کے سبب مدت میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا ہے دین کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ مشترک رہے گا اور جو اس سے نفع ہوگا اس میں مشترکین برابر کے حصہ دار ہیں ہاں اگر دو افراد کا دین کسی تیسرے فرد پر ہے تو ان میں ایک فرد اپنے حصہ کا نفع لے سکتا ہے۔ اور مدت تمام ہونے سے قبل مدیون پر واجب ہے کہ دین وفا کرنے کے لئے تگ و دو شروع کرے۔ اس کا گھر اور ضروریات زندگی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ تنگ دست کے لئے دین کا وفا کرنا واجب نہیں

ہے اور نہ ہی اس سے مطالبہ کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد رسولؐ ہے

"جس طرح تمہارے مقروض و مدیون کے لئے فراخی میں ٹال مٹول
جائز نہیں ہے اسی طرح تمہارے لئے بھی اس پر دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے
جب کہ تم یہ جانتے ہو کہ یہ تنگ دست ہے۔

اس میں متعاقدین کے لئے وہی شرائط ہیں جو تمام عقود میں معتبر ہیں۔

قرض

اپنے مال کا مالک ضمانت کے ذریعہ کسی اور کو بنانا۔ قرض لینے والے پر اس کی ادائیگی واجب ہے یا خواہ وہ اسی چیز کو لوٹا دے یا اس کی قیمت ادا کر دے یا اس کے مثل چیز دے دے
قرض لینا مکروہ ہے خصوصاً جب ضرورت نہ ہو۔ حاجت کے وقت قرض لینا واجب ہے ۔
اس کا صیغہ ایجاب یہ ہے "اقرضتک" (میں نے تمہیں قرض دیا) اور جس سے معنی ایجاب و قبول سمجھے جائیں بلکہ ہر وہ چیز جس پر رضامندی ہو جائے۔ یہ ہر زبان میں اور معاطاۃ کے ذریعہ واقع ہو سکتا ہے۔ (معاطاۃ یعنی جس طرح آج کل بازاروں میں خرید و فروخت ہوتی ہے پیسہ دیتے ہیں مال لیتے ہیں)

قرض میں سات شرائط معتبر ہیں

(۱) مال ہو (۲) عین ہو (۳) مملوک ہو (۴) مقدار معین اور دیکھی جانے والی ہو (۵) قرض لینے والا اور دینے والا دونوں بالغ، عاقل، بالارادہ اور مختار ہوں (۶) وزن اور ناپ معین ہو (۷) جب وہ شئی مثلی ہو تو قبضہ میں لینا اور دینا۔ قرض لینے والا مثلی دے گا اور قیمت والی ہے

تو قیمت ادا کرے گا اور قرض میں اضافہ کی شرط لگانا مطلق جائز نہیں ہے ، نہ ہی صریح طور پر اور مضمر انداز میں صحیح ہے اور اضافہ پر عقد مبنی ہو تو باطل ہے۔

رہن

دین لینے کے لئے جو چیز وثیقہ کے طور پر رکھی جاتی ہے اسے رہن کہتے ہیں۔ چیز دینے والے کو راہن اور لینے والے کو مرتہن کہتے ہیں جس چیز سے بھی اہل زبان اس کے معنی سمجھ لیں وہی صیغہ ہے۔ مثلاً دینے والا کہے میں نے تمہیں رہن دیا اور لینے والا کہے میں نے قبول کیا۔ رہن بھی تمام زبانوں میں اور معاطاۃ کے ذریعہ واقع ہوتا ہے۔

رہن میں چھ شرائط معتبر ہیں : (۱) رہن رکھنے رکھنے والا اپنی چیز کو مرتہن کے قبضہ میں دے یا اس کی اجازت سے دی جائے (۲) متعاقدین بالغ ، عاقل ، با ارادہ اور مختار ہوں (۳) راہن ممنوع التصرف یا سفیہ نہ ہو (۴) جس چیز کو رہن کے طور پر دیا جارہا ہے وہ عین اور مملوک ہو اس کو قبضہ میں لینا ممکن ہو اور اس کو بیچنا جائز ہو (۵) وہ شئی معین ہو (۶) جو دین رہن والی چیز کے عوض دیا جارہا ہے وہ معین ہو ثابت اور ذمہ ہو۔

راہن رہن میں تصرف نہیں کر سکتا ہے ہاں اگر مرتہن اجازت دے دے تو کر سکتا ہے۔

مرتہن امین ہے لیکن ضامن نہیں ہے لیکن اگر تعدی و تفریط سے کام لے گا تو ضامن ہے، پس اگر رہن مثلی ہے تو اس کے مثل دے گا اور اگر قیمی ہے تو جس روز رہن والی چیز تلف ہوئی ہے اس روز جو اس کی قیمت تھی وہ ادا کرے گا اور رہن پر دی جانے والی شی کے سارے منافع راہن کے ہیں

اور مرتہن تمام قرض خواہوں میں رہن سے استفادہ کرنے کا زیادہ حقدار ہے اور دونوں کی موت سے عقد رہن باطل نہیں ہوتا ہے

شفعہ

یعنی ایک مال میں دو افراد شریک ہیں اگر ایک اپنا حصہ کسی غیر کو فروخت کر دے تو دوسرا شریک آٹھ شرائط کے بعد شفعہ کا حقدار ہو جائے گا شرائط یہ ہیں ۔

(۱) مال قابل تقسیم ہو (۲) بیع کے ذریعہ حصہ منتقل ہو جائے (۳) بیع کے وقت بیچی جانے والی چیز مشاع ہو یا راستہ میں شریک ہو (۴) شفیع مسلمان ہو (۵) قیمت ادا کرنے پر قادر ہو (۶) مال حاصل کرنے میں جلدی کرے بے پرواہی اور بغیر عذر کے تاخیر کرنے میں شفعہ کا حقدار نہ ہوگا (۷) بیچا جانے والا مال دو افراد کے درمیان مشترک ہو ۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دو سے زیادہ افراد کے درمیان بھی مشترک ہے تو صحیح ہے (۸) فروخت کی جانے والی چیز کشتی، نہر، راستہ، حمام اور چکی نہ ہو ۔

شفعہ غائب کے لئے بھی ثابت ہے جب آ جائے گا مطالبہ کرے گا اسی طرح بچہ، مجنون اور سفیہ افراد بھی اس وقت شفعہ کا مطالبہ کر سکتے ہیں کہ جب ان کے یہ اوصاف زائل ہو جائیں ورنہ ان لوگوں کے ولی شفعہ کے ذریعہ اس مال کو لے لیں گے ۔ شفعہ کے ذریعہ مال لینا کبھی قول کے سبب ہوتا ہے جیسے "اخذت بالشفعۃ یا "تملکت الحصۃ" میں نے شفعہ کے ذریعہ اس کو لے لیا یا میں حصہ کا مالک بن گیا ہوں ان الفاظ کے علاوہ ہر اس لفظ کا استعمال صحیح ہے جو شفعہ کے معنی دیتا ہے اور کبھی بالفعل لیا جاتا ہے یعنی قیمت ادا کر کے فوراً فروخت شدہ حصہ لے لے ۔ شفعہ کے ذریعہ خریدنے والے کو قیمت کے مثل ہی قیمت ادا کرنا ہوگی اور ہر وہ قیمت مثلی ہے تو اس کے مثل دے اور اگر قیمت والی ہے تو قیمت ادا کرے ۔

حجر

یعنی وہ اشخاص جن کا اپنے مال میں تصرف کرنا منع ہے اور اس کے چھ اسباب ہیں

۱۔ بچہ سن رشد اور بالغ ہونے سے قبل اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتا اور لڑکے و لڑکی کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں۔ زیر ناف بالوں کا اگنا، منی کا خارج ہونا، مرد کا عمر کے پندرہ قمری سال اور عورت کے قمری نو سال کا ہونا۔ اور رشید وہ ہے کہ جو ذہین ہو معاملات میں چرکا نہ کھائے اور اپنے مال کو ضائع ہونے سے بچانے والا اور اس کی جگہ پر صرف کرنے والا اور عقلمندوں کی طرح معاملات کرتا ہو۔

۲۔ مجنون اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتا ہاں افاقہ کے بعد تصرف کرسکتا ہے۔

۳۔ سفیہ یعنی جو رشید نہ ہو۔

۴۔ غلام اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتا مگر یہ کہ اس کا آقا اجازت دے دے۔

۵۔ مریض ایک تہائی سے زیادہ کے لئے وصیت نہیں کرسکتا ہاں اگر وارث اجازت دے دیں تو وصیت کرسکتا ہے۔

۶۔ مقروض اور وہ شخص کہ جس پر حاکم شرع نے اپنے مال میں تصرف کرنے سے منع کردیا ہو۔

ممنوع التصرف قرار دینے کے لئے چار شرائط ہیں

اول۔ شرعی طور پر قرض اس کے ذمہ ہو۔ دوم۔ قرض کی معین مدت نہ ہو۔ سوم۔ اس کا مال قرض کی مقدار سے کم ہو۔ چہارم۔ صاحب حجر خود اس کا مطالبہ کرتا ہو۔

تنگ دست سے اس وقت تک مطالبہ نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک وہ تنگ دست ہے اور اگر

اسے کمانے کی عادت نہیں ہے تو اس پر کمانے کے لئے زور نہیں دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے گھر کو فروخت کرنا صحیح ہے کہ جو اس کی شایان شان ہے اور گھر کے علاوہ ان چیزوں کا بھی بیچنا صحیح نہیں ہے کہ جن کے بیچنے سے وہ مشکلات میں پھنس جائے۔

بچہ کے ولی صرف اس کے باپ، دادا ہی قرار پا سکتے ہیں اسی طرح مجنون و سفیہہ جب کہ دونوں بالغ ہوں اور اگر باپ، دادا نہ ہوں تو وصی ان کا ولی بنے گا ورنہ حاکم شرع ان کا ولی ہے۔

لیکن ان لوگوں کا مال کہ جن پر بالغ ہونے کے بعد جنون یا سفاہت طاری ہو جاتی ہے اور وہ مقروض ہیں تو ان کا ولی حاکم شرعی ہے۔

ضمان

یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کا قرض ادا کرنے کا ضامن بنے تو اس طرح کہے کہ میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا اور قرض خواہ اس کی بات کو قبول کرے۔ معاطاۃ کے ذریعہ بھی ضامن ہو سکتا ہے ضمانت کے لئے آٹھ شرائط ہیں۔

(۱) بالغ (۲) عاقل (۳) رشید (۴) اختیار (۵) ضامن و مضمون (جس کی ضمانت لی جائے) کا مشخص ہونا (۶) قطعی ضمانت ہو شک و تردید نہ ہو (۷) اس شخص پر قرض ثابت ہے جس کی طرف سے ضمانت لی جا رہی ہے (۸) دین اور جس کے لئے جس کی طرف سے ضمانت لی جا رہی ہے یہ سب معین ہوں اس طرح مال مقروض سے ضامن کی طرف منتقل ہو جائے گا مقروض بری الذمہ ہو جائے گا اور ضامن کی طرف سے لازم ہوگا نیز ضامن ضمانت کے بعد اس کو فسخ نہیں کر سکتا ہے اور اسی طرح جس کے لئے ضمانت لی گئی ہے وہ بھی فسخ نہیں کر سکتا ہے مگر یہ کہ ضامن تنگ دست ہو اور جس کے لئے ضمانت لی گئی

ہے وہ ضمانت کے وقت ضامن کی تنگ دستی سے بے خبر ہو تو مقروض ہی اس کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار پائے گا اگرچہ خود مقروض نے ضمانت کی خواہش کی ہو۔

حوالہ کے احکام

حوالہ کے معنی یہ ہیں کہ مقروض قرض خواہ سے کہے کہ فلاں شخص سے تم اپنا قرض لے لو۔ یہ معاملہ تینوں کی رضامندی سے صحیح ہوتا ہے (۱) مقروض (۲) قرض خواہ (۳) جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں آٹھ امور کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(۱) بالغ (۲) عاقل (۳) رشید (۴) اختیار (۵) مقروض کی طرف سے ایجاب اور جس کے لئے حوالہ دیا گیا ہے اور جس کا حوالہ دیا گیا **دونوں کی طرف سے قبول ہو** (۶) حوالہ کے بعد مال حوالہ دینے جانے والے کے ذمہ ہو جائے گا (۷) جس مال کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی **تعیین** (۸) جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس بات پر رضامند ہو سے کہ پہلا مقروض قرض سے سبکدوش ہو گیا ہے اگر حوالہ دیئے جانے والا ابھی بری الذمہ نہ ہوا ہو اور مال اس کے ذمہ ہو جس کا حوالہ دیا گیا ہے تو حوالہ دینے والا بری ہو جائے گا (لیکن) قرض اس حوالہ میں اس شخص کہ جس کا حوالہ دیا گیا پہلے مقروض کے مثل ہونا ضروری ہے دوسرے پر (جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے) حوالہ قبول کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ وہ خوش حال ہو اور ٹال مٹول کرنے والا نہ ہو اور قبول کرنے کے بعد ادا کرنا ضروری ہے اگرچہ فقیر ہی ہو لیکن اگر اپنی حالت سے بے خبر تھا اور بعد میں اسے اپنی تنگدستی اور مفلسی کا علم حوالہ کے وقت ہو گیا ہو تو فسخ کر سکتا ہے اور قرض خواہ پہلے والے مقروض سے قرض چکائے گا اور اگر جس کا حوالہ دیا گیا تھا وہ قرض چکا دے تو پہلا مقروض بری الذمہ ہو جائے گا اور اگر پہلے مقروض نے یہ سوال

کیا تھا تو قرض ادا کرنے والا بعد میں اس کا مطالبہ کرے گا اور اگر مفت میں ادا کیا تھا تو اس کو مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

کفالت

یعنی کوئی شخص یہ ذمہ داری لے کہ جس وقت قرض خواہ مقروض کو مانگے گا وہ اسے اس کے سپرد کردے گا۔

کفالت کا ایجاب یہ ہے کہ کفیل کسی بھی لفظ سے قرض خواہ کو تعہد مذکور کو سمجھا دے مثلاً اس طرح کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے آپ کا کفیل ہوں یا یہ کہے کہ اس کو میں آپ کے سپرد کرنے کا ذمہ دار ہوں اور اس کا قبول ہر وہ لفظ ہے جس سے قرض خواہ کی رضامندی ظاہر ہو جائے ذمہ دار کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بالغ و عاقل، مختار، مقروض کو سپرد کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ کفالت میں قرض خواہ، مقروض اور ذمہ لینے والے کی رضامندی شرط ہے۔

قرض خواہ ذمہ لینے والے سے مقروض کو حاضر کرنے میں عجلت سے کام لے سکتا ہے جب کہ معاملہ مطلق ہو یا معجل ہو اور اگر مدت معین ہے تو مدت ختم ہونے کے بعد مقروض کو حاضر کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

پس اگر وہ پورے طریقہ سے قرض خواہ کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا ورنہ قرض خواہ کو اختیار ہے کہ وہ ذمہ لینے والے کو حاکم شرع کے پاس اس وقت تک قید میں رکھے جب تک مقروض کو حاضر نہ کر دے اور وہ قرض ادا نہ کر دے اور اگر مقروض غائب ہو جائے تو ذمہ لینے والے کو تلاش کرنے کی مہلت دی جائے گی لیکن یہ اس وقت ہو گا کہ

جب اس کا ٹھکانا معلوم ہو اور اگر مقروض کی رہائش کا کچھ پتا نہ ہو تو ذمہ لینے والا قرض ادا کرے گا خصوصاً جب ذمہ لینے والے نے تفریط سے کام لیا ہوگا۔

وکالت

یعنی کسی کام کے لئے کسی شخص کو اپنا کام سپرد کرنا اور تصرف کے لئے اس کو اختیار دے دینا وکیل بننے اور بنانے والے کے لئے آٹھ شرائط ہیں۔

(۱) بالغ۔ (۲) عاقل۔ (۳) قصد۔ (۴) اختیار۔ (۵) محجور نہ ہو (۶) وکیل عقلی اور شرعی طور سے اس چیز پر خود قدرت رکھتا ہو جس کے لئے اسے وکیل بنایا جا رہا ہے (۷) وہ مسلمان ہو غیر مسلم کو وکیل بنانا یا اس کا وکیل بننا جائز نہیں ہے مثلاً مسلمان سے ناچاقی ہے لہذا غیر مسلم کو وکیل بنا دیا یا خود مسلمان پر غیر مسلم کو وکیل بنا دیا۔ قرآن فروخت کرنے یا غلام بیچنے کے لئے غیر مسلم کو وکیل بنانا (۸) وہ چیز معین ہو جس کے لئے وکیل بنایا گیا ہے معین کردہ چیز میں وکیل کو تعدی کا حق نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنی جگہ دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے ہاں اگر موکل اجازت دے دے تو بنا سکتا ہے ایک چیز کے لئے دو یا دو سے زیادہ وکیل بنانا جائز ہے وکالت کا عقد طرفین سے ہوگا وکیل اور موکل کی موت سے باطل ہو جائے گا۔ اور اگر وکیل بیہوش یا مجنون ہو جائے تو موکل اسے جب چاہے معزول کر سکتا ہے بشرطیکہ وکیل کو یہ بات بتا دے کہ میں نے تمہیں معزول کیا اور وکیل بھی اپنے موکل کی موجودگی اور غیر موجودگی میں خود کو معزول کر سکتا ہے۔

اقرار

یعنی کوئی شخص قطعی طور پر یہ خبر دے کہ میرا حق فلاں کے ذمہ ہے یا اس کی نفی کرے۔ اقرار

دنیا کی ساری زبانوں میں واقع ہوتا ہے اس کے لئے پانچ امور معتبر ہیں ۔

(۱) اقرار صریح طور سے خبر پر دلالت کر رہا ہو یا الفاظ کے ظہور سے دلالت کر رہا ہو اور اقرار ثابت ہوتا ہے جب یہ شخص دوسروں کے کلام کی تصدیق کرے عملاً گرچہ ابتدا میں اس نے یہ بات نہ کہی ہو ۔

(۲) اس نے جس چیز کا اقرار کیا ہے اس کا اقرار کرنا جائز ہو اگر وہ اس میں صادق ہوگا ۔

(۳) اقرار کرنے والا بالغ عاقل، مختار، باقصد ہو بیوقوف کا اقرار کسی طرح قبول نہیں کیا جائے گا اسی طرح غلام کا وہ اقرار بھی قبول نہیں کیا جائے گا جو غلام پر حد ضرب کا باعث ہو یا غلام بنانے کے بارے میں ہو اور نہ ہی مولا کے مال کے بارے میں اس کا اقرار قبول کیا جائے گا مگر یہ کہ تجارت کے بارے میں مولا نے اسے اجازت دے دی ہو پس وہ اس میں سے اتنا لے سکتا ہے جتنے کی اجازت ہے ۔

(۴) جس کے لئے اقرار کر رہا ہے وہ اس چیز کا مستحق ہو پس حیوان کے سلسلہ میں اقرار قبول نہ ہوگا

(۵) غیر کے حق میں اقرار نہ ہو کیوں کہ وہ لغو ہے اور اگر ایک مرتبہ اقرار کرے اور بعد میں ایسی چیز کا اقرار کرے کہ جو اس کے منافی ہو تو اپنے اقرار کے مطابق لے گا اور جس میں منافات ہوگی اس کو لغو قرار دیا جائے گا اور جب کسی مال کا اقرار کسی شخص کے لئے کرے اور پھر اس مال کا اقرار دوسرے شخص کے لئے کرے تو پہلے کو مال دیا جائے گا اور دوسرے کو اس کے مثل یا قیمت دی جائے گی جب مقر لہ اقرار کرنے والے کو جھٹلائے تو اس (مقر لہ) کو پھر کسی چیز کے مطالبہ کا حق نہیں ہے اور اقرار کرنے والا ظاہراً قرض سے بری ہو جائے گا لیکن اگر کوئی چیز (عین) ہے تو اس سلسلہ میں وہ حاکم شرعی کی طرف رجوع کرے گا مگر یہ کہ اقرار کرنے والا اس بات پر قدرت رکھتا ہو کہ وہ اس کو مالک تک پہنچا کر گلو خلاصی کرے ۔

ہبہ

یعنی اپنی کسی چیز کو بغیر کسی عوض کے دوسرے کی ملکیت میں دینا۔ اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ دینے والا کہے میں نے یہ چیز تمہیں ہبہ کی ہے اور لینے والا سے قبول کرلے ہبہ معاطات کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، ھبہ میں چار شرطیں ہیں

۱۔ ہبہ کرنے والا بالغ، عاقل، باارادہ اور مختار ہو۔

۲۔ ہبہ کرنے والا مقروض یا سفیہ ہونے کی بنا پر ممنوع التصرف قرار نہ دیا گیا ہو۔

۳۔ ہبہ کی جانے والی چیز ھبہ کرنے والے یا اس کے وکیل کے قبضہ میں ہو۔

۴۔ ہبہ کی جانے والی چیز عین ہو اگرچہ مشاع ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کسی کا دوسرے شخص پر قرض ہے تو یہ قرض ہبہ کیا جاسکتا ہے اور اس طرح مقروض بری الذمہ ہو جائے گا اگر ہبہ کرنے والا قبضہ میں دینے سے قبل اور عقد کے بعد مر جائے تو عقد باطل ہو جائے گا۔ اگر ہبہ صاحبان رحم یا دو بیویوں کے لئے ہے اور ہبہ کامل ہے تو ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا ہے، لیکن اگر غیر کو ہبہ کیا ہے تو اس وقت تک واپس لے سکتا ہے جب تک ہبہ کی جانے والی عین شئ اس شخص کے پاس باقی ہے جو ہبہ کی گئی تھی مگر یہ کہ ہبہ کرنے والے نے قربتہً الی اللہ یا کسی عوض ——— کے ساتھ ہبہ نہ کی ہو کسی اور طریقہ سے نقل نہ کیا گیا ہو یعنی غیر کو فروخت نہ کر دیا ہو یا اس کی صورت بدل گئی ہو

وقف کے احکام

یعنی اصل چیز کو ہر قسم کے تصرفات نقل و انتقال سے محبوس کرنا اور منفعت کو آزاد رکھنا اس کے صیغہ کے الفاظ وقفت یا حبست وغیرہ ہیں کہ جس سے وقف سمجھا جائے، وقف معاطات کے ذریعہ بھی ہوتا ہے۔

وقف کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ موقوفات عامہ مثلاً مساجد، مقابر، پل وغیرہ۔

۲۔ عام لوگوں کے لئے وقف کرنا جیسے فقیروں اور فقہا کے لئے۔

۳۔ وقف خاص ہو جیسے اپنی اولاد کے لئے وقف کرنا۔

وقف کے لئے دس شرائط ہیں۔

۱۔ وقف کرنے والا بالغ، عاقل، مختار اور بااِرادہ ہو۔

۲۔ اولاد کے علاوہ وقف میں قصد قربت رکھتا ہو۔

۳۔ موقوف چیز کو اپنی ملکیت سے نکالنا۔

۴۔ وقف وقتی نہ ہو۔

۵۔ وقف کرنے والا، وقف کی جانے والی چیز میں جائز التصرف ہو۔

۶۔ وقف کی جانے والی چیز منجز ہو۔ (یعنی کسی شرط پر موقوف نہ ہو)۔

۷۔ وقف کی جانے والی شئی عین ہو۔

۸ ۔ وقف کی جانے والی چیز خود وقف کرنے والے کی ملکیت ہو ۔

۹ ۔ وہ شئی معین ہو ۔

۱۰ ۔ ایسی چیز ہو جس کی منفعت حلال ہو اور اصل باقی رہے اور جس کے لئے وقف کی گئی ہے اس کے تصرف میں دینے کا امکان ہو ۔

وقف کرنے والے کی اجازت سے وہ چیز مستحق کے تصرف میں دینا اگر وقف مخصوص ہے تو اس صنف کے پہلے طبقے کے تصرف میں دے دینا کافی ہے، لیکن اگر وقف عام ہے یا متعدد مصالح کے لئے ہے اور میت نے اس کے لئے متولی مقرر کیا ہے تو متولی کے تصرف میں دے ورنہ حاکم شرعی کے سپرد کر دے ۔

موقوفات خاصہ میں اس شخص کا وقف کرتے وقت حاضر ہونا ضروری ہے جس کے لئے وقف کیا جا رہا ہے اور موقوفات عامہ میں ———— ان چیزوں کے وجود کا امکان کافی ہے جن کے لئے وقف کیا جا رہا ہے ۔ کافر حربی اور مرتد فطری کے لئے وقف کرنا جائز نہیں ہے اور نہ حرام یا اس چیز کے لئے وقف صحیح ہے کہ جس سے معصیت کی تقویت ہوتی ہو اور نہ ہی وقف کی املاک کو مسلمان کلیسا اور آتش کدوں کے لئے فروخت کر سکتا ہے ۔

اوقاف عامہ و خاصہ کا بیچنا جائز ہے لیکن ان اوقاف کا بیچنا جائز نہیں ہے کہ جو مسجدوں قبرستانوں اور مدرسوں وغیرہ کے لئے ہیں ۔

۱ ۔ جب وقف کی چیز خراب ہو جائے اور اس کو دوبارہ استفادہ کے لائق بنانا ممکن نہ ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایسی چیز خرید ی جائے گی جس سے وہ لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے

جن کے لئے بھی جانے والی چیز وقف کی گئی تھی۔

۲۔ جب عادی طور پر منافع کے لئے لائق نہ رہے یا منافع ہے لیکن نہ ہونے کے برابر ہے تو اس صورت میں یہ وقف کی چیز فروخت کر دی جائے گی اور اس کی قیمت سے ایسی چیز خریدی جائے گی جس سے عام منافع حاصل کئے جا سکیں گے۔

۳۔ جب متولی یہ جانتا ہو کہ یہ چیز اگر باقی رہے گی تو خراب ہو جائے گی اور اس سے مطلق طور پر نفع نہیں ہے یا نفع نہ ہونے کے برابر ہے

۴۔ جب خود واقف یہ شرط کر دے کہ اگر اس کا نفع کم ہو جائے تو اسے بیچ دیا جائے یا اس کو اس وقت فروخت کر دیا جائے جب مستحقین کے درمیان اختلاف ہو جائے۔

۵۔ جن لوگوں کے لئے وقف کیا گیا ہے ان کے درمیان اختلاف ہو جائے کہ جس سے جان و مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو اور یہ اختلاف وقف کی جائیداد فروخت کرنے ہی سے ختم ہو سکتا ہے تو اسے بیچ کر حصہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، لیکن موقوفہ چیز کو کسی چیز سے بدل لیا جائے یا کسی اصلی چیز کے عوض فروخت کر دیا جائے اور اس سے اختلاف بھی ختم ہو جائے تو یہ بہتر ہے۔

ہر وہ چیز جو انسان کی ملکیت میں ہے وہ اس کو وقف کی طرح مخصوص کر سکتا ہے اور وقف اور وقف ہی کی طرح اس کے منافع کو بھی معین کر دہ امور پر صرف کر سکتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اگر مال مطلق طور پر مخصوص کرے یا صریح طور پر دائمی لحاظ سے مخصوص کرے تو پھر اسے واپس نہیں لے سکتا اور وہ مال اس کی ملکیت قرار نہیں پا سکتا۔ ۲۔ جس مال کو ایک مدت کے لئے مخصوص کرے۔ پس اگر مخصوص کرنے والا مدت تمام ہونے سے قبل ہی مر جائے تو مدت معین تک وہ چیز مخصوص رہے گی۔

صلح کے احکام

یعنی انسان کسی چیز کی تملیک یا منفعت یا قرض یا حق چھوڑ دینے پر دوسرے شخص سے اتفاق کرے۔ صلح میں کوئی خاص صیغہ نہیں ہے بلکہ جن الفاظ سے یہ معلوم ہو جائے کہ فریقین نے آپس میں کسی امر پر صلح کی ہے تو صلح صحیح ہے۔ ایجاب میں صریح لفظ صالحت ہے کہ جو مفعول اول کی طرف بنفسہ متعدی ہوتا ہے اور مفعول دوم کی طرف علیٰ یا من کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے مثلاً کہے "صالحتک عن الدار بالف دینار" میں نے گھر کے بارے میں آپ سے ایک ہزار دینار پر مصالحت کی اور دوسرا اسے قبول کرے۔ صلح کا عقد لازم ہے کہ جس سے عین کا متصالح کی طرف منتقل ہونا سمجھ میں آتا ہے یا شئی کی منفعت کا انتقال معلوم ہوتا ہے خواہ یہ انتقال کسی عوض کی بنا پر ہو یا بغیر عوض کے ہو مثلاً کسی مقروض کو اپنا مال بخش دینے پر مصالحت کرلے۔ یا ایسے حق میں مصالحت کرے کہ جو قابل انتقال ہو جیسے اختصاص وتحجیر کا حق، جب یہ حق دین سے متعلق ہوگا تو فریق ثانی بری الذمہ ہو جائے گا اور جب یہ حق ایسی چیز سے متعلق ہوگا تو قابل اسقاط ہے نہ کہ لائق انتقال ہو جیسے حق شفعہ وخیار ایسی چیز پر اتفاق کرنا صحیح نہیں ہے جو منتقل نہ ہو سکے اور اسقاط سے ساقط نہ ہو سکے جیسے طلاق رجعی میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور خلع میں زوجہ کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ صلح میں جہالت معاف ہے، جیسے فریقین اس چیز کی معرفت سے معذور ہوں جیسے ایک کا مال دوسرے کے مال میں مخلوط ہو جائے اور دونوں اس کی مقدار سے واقف نہ ہوں پس دونوں نصف تقسیم کرنے پر صلح کریں گے۔ قرض، قرض کے ذریعہ بھی صلح کرنا صحیح ہے لیکن یہ دونوں قرض حال ومؤجل ہوں یا ایک حال ہو دوسرا مؤجل جنس مختلف ہوں

احکام وصیت

وصیت یہ ہے کہ انسان اپنی موت کے بعد اپنے مال کے تصرف کا اختیار کسی غیر کو دیدے مرنے والا وارث کی اجازت کے بغیر کسی غیر کے لئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں کرسکتا

موت کے آثار نمودار ہوتے وقت وصیت کرنا واجب ہے، حدیث ہے کہ:

"کوئی مسلمان نہیں ہے مگر رات میں سوتے وقت وصیت (نامہ) اس کے سر کے نیچے ہوتا ہے"

وصیت صحیح ہونے کے لئے عاجز افراد کے لئے اشارہ کافی ہے۔ وصیت لکھ کر دینے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے، ہر ایک زبان میں وصیت کی جاسکتی ہے۔

وصیت کی دو قسمیں ہیں

۱۔ مال کے لئے جیسے اپنے مال میں سے ایک حصہ کی دوسرے کے لئے وصیت کرے اگر ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو اصل وارث سے اجازت لینا ہو گی۔

۲۔ اعمال کے بارے میں وصیت جیسے تجہیز اور حج وغیرہ کے لئے کسی کو اپنا نائب بنائے، ہر اس عمل کے لئے وصیت کرسکتا ہے جو شرعی لحاظ سے جائز ہو اور اس کا نفع حلال ہو۔

وصیت کرنے والے کے لئے چھ شرائط ہیں:

۱۔ بالغ، ۲۔ عاقل، ۳۔ رشید، ۴۔ اختیار، ۵۔ آزاد، ۶۔ اس نے جان بوجھ کر قتل نہ کیا ہو کیوں کہ خودکشی کرنے والے کی مال سے متعلق وصیت صحیح نہیں ہے۔

مال کے سلسلے میں وصیت کے تین ارکان ہیں

۱۔ موصی (وصیت کرنے والا)۔

۲۔ موصیٰ بہ (جس کے بارے میں وصیت کی جائے)

۳۔ موصیٰ لہ (جس کے لئے وصیت کی جائے۔

اور اعمال کی وصیت کے دو ارکان ہیں

۱۔ موصی، ۲۔ موصیٰ بہ مگر یہ کہ وصیت پر عمل کرنے والے کو معین کر دے تو وصیت تیسرے شخص پر منحصر ہو گی اور دوسرے کی احتیاج نہ رہے گی کہ وہ قبول کرے، ہاں اگر وصیت کرنے والا معین کر دے کہ فلاں شخص میری وصیت پر عمل کرے گا تو اب اس شخص کا قبول کرنا ضروری ہے۔

جس کے لئے وصیت کی جا رہی ہے اس کا وصیت کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔

دس سال کے لڑکے کی وصیت اس وقت صحیح ہے جب کار خیر اور نیک عمل سے متعلق ہو۔

مال سے متعلق وصیت میں یہ شرط ہے کہ وہ شئی (جس کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کی وصیت کر رہا ہے) مال ہو یا ایسا حق ہو جو منتقل کیا جا سکتا ہو اور اعمال سے متعلق وصیت میں ضروری ہے کہ وہ عمل شرعی طور پر جائز ہو۔ ایک تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت نہیں کی جا سکتی ہے

وصی کے لئے چار شرائط ہیں

۱۔ بالغ، ۲۔ عاقل، ۳۔ مسلمان، ۴۔ امین ہو۔ بچے کو بزرگ کے ساتھ وصی بنایا جا سکتا ہے اور جب بالغ ہو جائے گا تو اس کا شریک کار ہو جائے گا اور اگر وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وصی پر جنون طاری ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، وصی کو اختیار ہے کہ وہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں وصیت کو رد کر دے اور رد کی خبر وصیت کرنے والے کو دے لیکن وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وصیت رد کرنا صحیح نہیں ہے، وصیت کرنے والا بھی اپنی آخری سانس تک وصیت کو لوٹا سکتا ہے یا وصیت کو تبدیل کر سکتا ہے خواہ وصیت متعدد اور ایک دوسرے کے برخلاف ہو تو پہلی وصیتوں کو چھوڑ کر آخری پر عمل کیا جائیگا

صدقے کے احکام

صدقہ مستحب موکد عطیہ ہے جو پڑوسی یا ذورحم کو دیا جاتا ہے، روز عرفہ وجمعہ اور رمضان میں صدقہ دینا مستحب ہے، صدقہ مرگ مفاجات، جنون، بیماری، جلنے اور ڈوب کر ڈوب کر مرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ بلاؤں کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے، صدقہ ہر مرض کی دوا اور بلائے ناگہانی کو دفع کرنے والا ہے۔ اس سے رزق میں ترقی اور قرض ادا ہوتا ہے، مال میں اضافہ ہوتا ہے خواہ صدقہ کم ہی کیوں نہ ہو اگرچہ ایک مشت خرما ہی ہو، ایک نیک بات کہے جیسا کہ اس سلسلہ میں احادیث میں نص وارد ہوئی ہے۔ صدقہ میں قربۃً الی اللہ کی نیت ضروری ہے، صدقہ ہر ایک لفظ یا اس فعل سے ثابت ہو جاتا ہے جس سے دوسرے کے قبضہ وتصرف میں صدقہ کے طور پر دی جانے والی چیز سمجھ میں آئے۔ صدقہ دینے کے بعد واپس نہیں لیا جاسکتا ہے

صدقہ دینے والا بالغ، عاقل، مقروض وسفیہ ہونے کی بنا پر ممنوع التصرف نہ ہو۔

جس کو صدقہ دیا جا رہا ہے اس فقیر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے ہاں اگر وہ فقیر مطلقاً ناصبی یا کافر حربی ہو تو اسے صدقہ نہ دیا جائے۔ بہتر ہے کہ صدقہ مخفی طور پر دیا جائے کیونکہ چھپا کر دیا جانے والا صدقہ خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور بلاؤں کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔

سبق ورماہ

سبق وہ معاملہ ہے جو گھڑ دوڑ کے مقابلہ میں جاری ہوتا ہے یا کسی اسی طرح کے اور مقابلہ میں جاری ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ جس چیز کے لئے مقابلہ یا مسابقہ ہو رہا ہے وہ عین یا دین ہو یا دوسرے لوگ اس سلسلہ میں پیسہ لگائیں یا مقابلہ والوں میں سے کوئی ایک روپیہ خرچ کرے یا مسلمانوں کا بیت المال اس کے اخراجات برداشت کرے، اور یہ چیز جیتنے والے کے لئے رکھی جائے۔

مقابلہ میں تین شرائط ہیں۔

۱۔ رہن کی مقدار معین ہو۔ ۲۔ مسافت کم کی حیثیت سے متعین ہو۔ ۳۔ اس چیز کی تعین جس کے ذریعہ مقابلہ ہو۔ اور ان دونوں مقابلہ کرنے والوں کے وہی شرائط ہیں جو دوسرے عقود میں تھے، جس چیز سے بھی مقابلہ سمجھا جا سکے وہ ایجاب ہے اور جو چیز رضا پر دلالت کرے وہ قبول ہے مقابلہ معاطاۃ کے ذریعہ بھی صحیح ہے۔

تیراندازی، شمشیرزنی، نیزہ بازی وغیرہ میں مقابلہ صحیح ہے اور اس کے لئے سات شرائط ہیں۔

(۱) پھینکے جانے والے تیروں کی تعداد معین ہو (۲) نشانے پر لگنے والے تیروں کی تعداد (۳) نشانے پر اس طرح لگے کہ نشان بنا دے (۴) مسافت کی مقدار (۵) رہن کی مقدار کا تعین (۶) غرض کی مقدار کا تعین (۷) جن آلات کو استعمال کیا جائے وہ ایک جنس کے ہوں۔

یہ معاملہ ہر اس لفظ سے صحیح ہو جاتا ہے جو ایجاب و قبول پر دلالت کرتا ہے۔ رماہ معاطاۃ کے ذریعہ بھی صحیح ہے اس معاملہ میں فریقین کے لئے وہی شرائط ہیں کہ جو دوسرے عقود میں معتبر ہیں۔

قسم کے احکام

حلف اور قسم کی تین قسمیں ہیں ۔

۱۔ جو کسی خبر کی تحقیق اور تاکید کے لئے ارادۃً کھائی جاتی ہے خواہ ماضی کی خبر کے لئے ہو یا حال کی خبر کے لئے جیسے کہا جاتا ہے "واللہ جاء زید بالامس "، خدا کی قسم زید کل آیا ہے ۔

۲۔ یہ قسم طلب وسوال سے ملی ہوئی ہوتی ہے جیسے کوئی سائل کسی کو قسم دے کر سوال کرے مثلاً کہے "اسالك باللہ ان تصنع بی معروف " آپ کو خدا کی قسم میرے ساتھ نیکی کریں ۔

۳۔ وہ قسم جس سے انسان اپنے اوپر کوئی شئی لازم کرے یا کسی چیز کے چھوڑنے کا التزام کرے جیسے کوئی کہے کہ خدا کی قسم میں ضرور دو رکعت نماز پڑھوں گا ۔

پہلی قسم اگر جھوٹی ہوگی تو گناہگار ہے اور حدیث میں ایسی قسم کو یمین غموس کہا گیا ہے کیونکہ یہ قسم اپنے صاحب کو جہنم میں جھونک دیتی ہے ۔

دوسری قسم نہ منعقد ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی چیز مترتب ہوتی ہے ۔

تیسری قسم منعقد ہوتی ہے اور قسم کے برخلاف عمل کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے اس کی سات شرطیں ہیں ۔

۱۔ لفظ ہو یا ایسا اشارہ ہو جو لفظ کا قائم مقام ہو جیسے گونگے کا اشارہ ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے لیکن اگر خدا کے دوسرے اسماء واوصاف اور افعال کہ جو اسی سے مختص ہیں جیسے لفظ جلالت کی قسم کھائے تو کفارہ واجب نہیں ہوتا مثلاً صفت کی قسم "مقلب القلوب والابصار"

یا جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کی قسم کھائے اسی طرح جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور ہواؤں کو چلایا کی قسم یا ان صفات کی قسم جن کا خدا اور غیر خدا دونوں پر اطلاق ہوتا ہے لیکن زیادہ تر اس کا اطلاق خدا ہی پر ہوتا ہے جیسے خالق، باری، رازق، رحیم وغیرہ۔

۳۔ والد نے لڑکے اور اپنی زوجہ کو قسم کھانے سے منع نہ کیا ہو اسی طرح غلام کو آقا کی اجازت ہو، ہاں اگر وہ فعل یا اس فعل کو ترک کرنا حرام ہے جس کے لئے قسم کھائی جا رہی ہے تو بغیر اجازت کے قسم کھا سکتا ہے

۴۔ ان حروف "واو، ب، ت" کے ساتھ قسم کھائی جائے یا ایسے الفاظ ہوں کہ جس سے قسم سمجھ میں آئے۔

۵۔ جس فعل کے لئے قسم کھائی جا رہی ہے وہ واجب یا مستحب یا اس کا ترک کرنا حرام یا مکروہ ہو یا مباح ہو یا اس کے فعل کو اغراض دینوی کے لحاظ سے ترجیح ہو۔

۶۔ قسم کھانے والا بالغ، عاقل، مختار ہو۔

۷۔ جس کے لئے قسم کھائی جا رہی ہے وہ قسم کھانے والے کی قدرت میں ہو۔

نبیؐ یا ائمہؑ میں سے کسی کے نام سے قسم منعقد نہیں ہوتی اسی طرح کعبہ اور دیگر اماکن مقدسہ کی قسم بھی منعقد نہیں ہوتی ہے طلاق اور آزاد کرنے کی قسم بھی واقع نہیں ہوتی ہے اور نہ خدا و رسولؐ سے برأت کی قسم صحیح ہے اسی طرح دین اسلام اور ائمہؑ سے برأت کی قسم بھی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ اس قسم کی تمام قسم حرام اور گناہ ہے اور ایسی قسم کا مرتکب مطلقاً معذب ہے خواہ قسم میں صادق ہو یا کاذب اور قسم توڑنے کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنے یا دس مساکین کو تین تین پاؤ کھانا دے اور اگر کھانا نہ دے سکے تو پے در پے تین روزے رکھے جیسا کہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے لیکن جو قسمیں غیر خدا کی کھائی جاتی ہیں ان کا بیان باب عقاب میں آئے گا۔

نذر کے احکام

یعنی خدا کے لئے کسی کام کی انجام دہی کو اپنے اوپر لازم کر لینا۔

نذر کے انعقاد کے لئے سات شرائط ہیں:

(۱) مسلمان (۲) صیغہ پڑھے مثلاً اگر خدا مجھے فرزند عطا کرے گا تو میں ایک دینا ر صدقہ دوں گا یا کہے کہ میں نما کو چھوڑ دوں گا (۳) نذر کرنے والا بالغ ہو (۴) نذر کرنے والا عاقل، مختار اور قربتہً الی اللہ کا قصد رکھتا ہو۔ (۵) جس چیز کی نذر کی ہے اس میں ممنوع التصرف نہ ہو (۶) شرعی لحاظ سے وہ چیز اس کی قدرت میں ہو (۷) نذر اطاعت خدا کے لئے ہو۔ نذر صرف خدا ہی کے لئے ہے اور جو نذر شیعوں کے درمیان مشہور ہیں کہ مزارات یا ائمہ کے حرم میں نذر دینا بھی خدا ہی کے لئے ہے۔

جیسے حرم کی تعمیر، روشنی، فرش اور فقیر زادوں کی اعانت بھی فی سبیل اللہ ہے بالکل اسی طرح جس طرح زکوٰۃ فقیروں اور مسکینوں پر صرف کی جاتی ہے یا مساجد کی تعمیر میں خرچ کی جاتی ہے بس جس طرح ان مصارف میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ ہوئی ہے۔ ایسے ہی نذور بھی اللہ ہی کے لئے ہیں، مزارات و روضات پر نذر کرنے سے اللہ ہی کے لئے رہتی ہے یہ ایسی بات ہے جس میں شیعوں کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ نذر کو پورا نہ کرنے کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا تھا، ایک قول یہ ہے کہ نذر کو وفا نہ کرنے کا کفارہ رمضان کا کفارہ ہے۔

عہد

اللہ کے لئے کسی کام کو انجام دینے یا کسی غلط کام کو ترک کرنے کا خدا سے عہد کرے اس میں تین شرائط معتبر ہیں ۔

۱ ۔ صیغہ پڑھے ۔ جیسے یہ کہے کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے یا کہے کہ مجھ پہ خدا کا عہد ہے ۔

۲ ۔ جس کام کے لئے عہد کیا ہے اس میں دنیوی یا دینی لحاظ سے ترجیح نہ ہو ۔

۳ ۔ عہد کرنے والا بالغ، عاقل، مختار اور ارادہ رکھتا ہو ۔

اگر عہد پورا نہ کرے تو اس کا کفارہ وہی ہے جو رمضان کا کفارہ ہے ۔ کہا گیا ہے عہد کے خلاف عمل کرنے کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا تھا ۔

شکار

دو طریقوں سے شکار کھانا جائز ہے ۔

پہلا طریقہ : جب کسی جنگلی جانور کو کتا شکار کرے ۔

اس کی نو ۹ شرائط ہیں :

۱۔ کتے کو شکار کی تعلیم دی گئی ہو اور جب کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تو وہ اپنے مالک کے اشارہ سے شکار کو پکڑ لیتا ہے اور جب مالک رکنے کا اشارہ کرتا ہے تو رک جاتا ہے ۔

۲۔ اپنے کئے ہوئے شکار کو کھانا کتے کی عادت نہ ہو اور اگر کبھی کچھ کھا لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔

۳۔ شکار کے لئے کتے کو چھوڑنے والا مسلمان یا وہ بچہ ہو جو مسلمان کے حکم میں ہو ۔

۴۔ کتا چھوڑتے وقت شکار کا ارادہ رکھتا ہو ۔

۵۔ شکار کے لئے کتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے اگر بھولے سے نہ لے سکے تو بھی صحیح ہے ۔

۶۔ شکار کی موت کتے کے زخمی کرنے یا پکڑنے سے ہوئی ہو ۔

۷۔ کتے کے مالک نے شکار کو زندہ نہ پکڑا ہو خواہ اس کے ذبح کرنے کی قدرت ہی رکھتا تھا ۔

۸۔ اس شکار میں کافر کا کتا شریک نہ ہو یا اس شخص کا کتا شریک نہ ہو کہ جو کتا چھوڑتے

وقت اللہ کا نام نہیں لیتا یا اس کا ارادہ نہیں کرتا ہے ۔

۹۔ شکار کے لئے کتا چھوڑتے وقت خود بھی شکار کی طرف دوڑے یا جس وقت شکار کو دیکھ لے کہ کتے نے پکڑ لیا ہے اس وقت دوڑے ۔

دوسرا طریقہ

کسی آلے کے ذریعہ ذبح کئے جانے والے جانور کے حلال ہونے کے لئے دو شرائط ہیں

۱۔ آلہ ایسا ہو کہ جو دھار سے کاٹتا ہو ۔

۲۔ آلہ میں لکڑی کا دستہ ہو کہ جس میں لوہے کی دھار ہو جیسے نیزہ، تلوار اور تیر، خنجر وغیرہ ان آلات کے مارے ہوئے شکار کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو کتے کے ذریعہ کئے جانے والے شکار کے تھے ۔

مچھلی اور ٹڈی کا شکار

مچھلی کے تزکیہ کے دو طریقے ہیں :

۱۔ مچھلی کو پانی سے زندہ پکڑا جائے اور پانی سے باہر مر جائے تو حلال اور پاک ہے ۔

۲۔ مچھلی پانی سے خود نکل آئے اور مرنے سے قبل اسے کسی آلہ یا ہاتھ سے پکڑے تو حلال ہے ۔

مچھلی پکڑنے میں بسم اللہ یا مسلمان ہونے شرط نہیں ہے اگر کافر پکڑے اور مچھلی پانی سے باہر مر جائے تو حلال ہے، ہاں اگر کافر کے پاس مردہ ہے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے ۔ ہاں اگر تزکیہ کا علم ہے تو کوئی حرج نہیں ہے ایک قول یہ ہے کہ اگر تذکیہ کا احتمال بھی ہے تو حلال ہے ۔

ٹڈی کا ذبیحہ یہ ہے کہ اسے ہاتھ یا آلہ کے ذریعہ زندہ پکڑ لیا جائے، اس کے لئے بھی بسم اللہ اور مسلمان کی شرط نہیں ہے ہاں اگر کافر کے ہاتھ میں مردہ پائی جائے تو اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک یہ علم نہ ہو جائے کہ اس کو پہلے مسلمان نے پکڑا تھا۔ جس ٹڈی کے پر نہ نکلے ہوں اس کا کھانا حرام ہے۔

ذبح اور نحر کے احکام

حیوان کو ذبح کرنے کے ۹ شرائط ہیں

۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان یا مسلمان کے حکم میں ہو جیسے مسلمان کا بچہ۔ ایک قول ہے کہ اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا اس وقت حلال ہے جب اس نے ذبح کے وقت بسم اللہ کہا ہو۔

۲۔ جہاں تک ممکن ہو لوہے کا آلہ ہو۔

۳۔ چاروں رگیں کٹ جائیں۔ یعنی حلقوم جس سے سانس آتی جاتی ہے۔ جس سے کھانا پانی جاتا ہے اور دو وہ نلکی ہیں جو سانس اور کھانے والی نالی کے ادھر ادھر ہوتی ہے۔ ان دونوں کو کاٹنا ضروری ہے۔

۴۔ گلے کی گرہ کے نیچے سے ذبح کیا جائے۔

۵۔ سامنے سے ذبح کیا جائے۔

۶۔ روح نکلنے سے قبل مسلسل چاروں رگیں کاٹی جائیں۔

۷۔ ذبح کرتے وقت حیوان کا منہ، پاؤں اور پیٹ قبلہ کی طرف ہوں اگر جان بوجھ کر روبقبلہ نہ کرے تو حلال نہیں ہے۔

۸۔ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے جیسا کہ شکار کے بیان میں گزر چکا ہے۔
۹۔ ذبح ہونے کے بعد حیوان حرکت کرے اگرچہ صرف آنکھ اور دم ہی کو حرکت دے۔

اونٹ کا تذکیہ نحر کے ذریعہ کیا جاتا تھا

اونٹ کو نحر کرنے کے لئے کافی ہے کہ گردن اور سینے کے درمیان کی گہرائی میں ذبح کرنے والا آلہ گھونپ دے، اونٹ کے تذکیہ کے وہی شرائط ہیں جو تمام حیوانات کے ذبح کے ہیں، اور اگر ذبح سے معذور ہو جیسے کنویں میں گرا ہوا یا کسی تنگ جگہ میں پھنسا ہوا جانور اور اس کے مرنے کا بھی خوف ہو تو اس کو تلوار وغیرہ سے پے کرنا جائز ہے کہ جس سے وہ زخمی ہو کر مر جائے اور اس کا کھانا حلال ہے۔

اگر بچہ پیٹ میں ہو تو ماں کے ذبیحہ سے وہ حلال ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے گوشت پر کھال اور بال اگ آئے ہوں اور اگر ماں کے پیٹ سے زندہ نکلے تو وہ ذبح کرنے کے بعد ہی حلال ہوگا۔

گوشت کا حکم

جو گوشت مسلمان سے لیا جائے یا مسلمانوں کے بازار میں بکتا ہے اگرچہ گوشت یا چربی یا کھال کی حالت مجہول ہو تو بھی وہ حلال ہے اور اگر یہ علم ہو کہ اس جانور کا تذکیہ نہیں ہوا تھا جس کا یہ گوشت ہے تو حلال نہیں ہے اسی طرح وہ گوشت بھی تذکیہ کے حکم میں ہے جو مسلمانوں کے شہروں میں پایا جاتا ہے اور اس پر استعمال کا اثر ہو جیسے پکا ہوا گوشت وہ گوشت بھی تذکیہ کے حکم میں ہے جو کافر سے لیا جائے لیکن جب یہ معلوم ہو کہ اس کافر نے یہ مسلمانوں سے لیا ہے ورنہ وہ مردار کے حکم میں ہے، ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ اس وقت پاک ہے جب یہ احتمال ہو کہ تذکیہ کئے ہوئے جانور کا گوشت ہے۔

کھانے پینے کی چیزیں

تین قسم کے جانور کھائے جاتے ہیں

(۱) دریائی (۲) چوپائے (۳) پرندے۔

دریائی جانوروں میں صرف چھلکوں والی مچھلی کھائی جاتی ہے اور جو اس کے پیٹ میں حلال چیز ہے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

حلال جانور کے انڈے بھی حلال ہیں اور اگر کسی مچھلی کے بارے میں یہ اشتباہ ہو جائے کہ یہ حلال ہے یا حرام، اگر چھلکے دار ہے تو حلال ہے بغیر چھلکے والی حرام ہے۔

اہلی چوپایوں میں گائے گوسفند اور اونٹ حلال ہے اور جنگلی جانوروں میں ہرن، نیل گائے پہاڑی بکرا، بارہ سنگھا، جنگلی گدھا حلال ہے اور تمام درندوں کا کھانا حرام ہے اور پنجہ سے کھانے والا پرندہ بھی حرام ہے اسی طرح خرگوش اور حشرات کا کھانا حرام ہے۔

تمام قسم کے کبوتر حلال ہیں اسی طرح تمام قسم کی مرغیاں حلال ہیں۔ مور چگا دڑ اور جس پرندے کی حرمت و حلیت کے بارے میں نص نہ ہو اس کے حلال ہونے کی دو شناخت ہے

۱۔ پروں کو مارنے والا اور بے حرکت رکھنے والا پس جو پروں کو مارتا کم اور بے حرکت زیادہ رکھتا ہو وہ حرام ہے اور جو پرندے جو اس کے برعکس ہیں وہ حلال ہیں۔

۲۔ جن میں ان علامتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے۔

۱۔ پرندہ پوٹا رکھتا ہو یعنی جو دانہ وغیرہ کھاتا ہے وہ حلق کے پاس جمع ہو جاتا ہے۔

۲۔ جو سنگدانہ رکھتا ہو یعنی جس چیز میں کھائی ہو کنکری وغیرہ جمع ہو جاتی ہیں ۔

۲۔ اس کے پاؤں کی پشت کا کانٹا نہ ہو ۔ یہ سب حلال ہیں اس کے علاوہ حرام ہے ۔

اور حلال جانوروں کے انڈے بھی حلال ہیں اور جب حلال و حرام مخلوط ہو جائیں تو جس کی دو طرفیں مختلف ہو وہ حلال ہے ۔

نجاست خوار مباح جانور حرام ہے، یعنی جس جانور کی غذا انسان کا فضلہ ہو اور اس کے علاوہ اور کوئی غذا نہ کھاتا ہو، اسی طرح نجاست خوار جانور کا دودھ اور انڈا بھی حرام ہے ۔ نجاست زائل ہونے کے بعد حلال ہے ۔ استبرے کے ذریعہ نجاست کا اثر زائل ہو جاتا ہے استبراء یہ ہے کہ اس جانور کا فضلہ کھانا چھڑا دیا جائے اور پاک غذا کھلائی جائے ۔ اونٹ کے استبرے کے لئے چالیس روز گائے کے لئے بیس روز، بکری کے لئے دس روز اور بطخ کے لئے پانچ روز، مرغی کے لئے تین روز مچھلی کے لئے ایک دن، رات ـــــ نجاست خوار جانور کی طرح وہ جانور بھی حرام ہے جس سے کسی انسان نے بدفعلی کی ہو خواہ انزال ہوا ہو یا نہ انسان بڑا ہو یا چھوٹا، اس فعل کے حرام ہونے کو جانتا ہو یا نہ ارادتاً اس فعل کو انجام دے یا مجبوراً وہ حیوان نر ہو یا مادہ وطی کے بعد اس کا دودھ اور اس کی نسل کا گوشت وغیرہ حرام ہے، اگر حلال جانور کو سور کا دودھ اتنا پلایا گیا ہو کہ جس سے اس کی ہڈی مضبوط ہوئی ہو اور گوشت چڑھا ہو تو وہ جانور حرام ہے اور اس کا دودھ اور نسل بھی حرام ہے ۔

حلال شدہ حلال جانور کے چودہ اجزاء حرام ہیں ۔ (۱) خون (۲) فضلہ (پائخانہ) (۳) نلی (۴) عضو تناسل (۵) خصیتین (۶) مثانہ (۷) پتہ (۸) وہ سفید لمبا ڈورا جو ریڑھ کی ہڈی میں ہوتا ہے اور وہ سفید دھاگہ جو گردن کے وسط میں ہوتا ہے (۹) غدود یعنی وہ گٹھلی جو خون کی جسم میں بن جاتی ہے (۱۰) بچہ دانی (۱۱، ۱۲) وہ دو پیلے ڈورے جو گردن سے دم تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۳) مغز حرام (۱۴) آنکھ ۔

نجس العین چیز

نجس العین چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے اسی طرح اس نجس ہو جانے والی چیز کا کھانا بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ پاک نہ کی جائے وہ سیال ہو یا جامد ——— ہر مضر رساں چیز کا کھانا حرام ہے خواہ وہ ہلاکت کا سبب ہو جیسے زہر یا بعض حواس ظاہری و باطنی کو معطل کرنے کا موجب ہو یا طاقت کے فقدان کا باعث ہو ۔ خواہ اس چیز کے مضر کا علم ہو یا گمان و احتمال مٹی اور پتھر کا کھانا حرام ہے اسی طرح خاک کا کھانا بھی جائز نہیں ہے، شراب کی تمام قسموں کا پینا حرام ہے اور جو شخص کسی شراب کو حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہے، شراب خواری سب سے بڑا گناہ ہے اور سارے فسادات کی کلید ہے، حدیث میں ہے کہ:

"شراب کا ایک گھونٹ پینے والے پر خدا اور اس کے ملائکہ و رسلؑ اور مومنین لعنت کرتے ہیں، قیامت کے روز وہ روسیاہ، زبان نکلی ہوگی اور منھ سے پانی بہتا ہوگا اور وہ ہائے پیاس ہائے پیاس چلاتا ہوگا"

(۱) شراب بنانے والے (۲) نگہبانی کرنے والے (۳) نچوڑنے والے (۴) پینے والے (۵) پلانے والے، (۶) اٹھا کے لے جانے والے (۷) جس کے پاس لے جائی جائے (۸) بیچنے والے (۹) خریدنے والے (۱۰) شراب کی قیمت کھانے والے پر رسولؐ نے لعنت کی ہے ۔

ہر خشک و تر نشہ آور چیز کا کھانا حرام ہے اگرچہ اس کی کم مقدار میں نشہ نہ ہو ۔

انگور کے رس میں اگر خود بخود یا پکانے سے جوش آجائے تو وہ حرام ہے جو کی شراب میں جب جوش پیدا ہو جائے تو حرام ہے خواہ اس میں نشہ بھی نہ ہو ۔

بغیر اجازت کے دوسرے کا مال کھانا جائز نہیں ہے اگرچہ کافر ذمی کا ہی مال کیوں نہ ہو، اضطراری و مجبوری کی حالت میں حرام چیزیں بقدر ضرورت کھائی جاسکتی ہیں لیکن ضرورت سے زیادہ کھانا حرام ہے ۔

باغی یعنی حضرت علیؑ پر خروج کرنے والے کا مال مباح ہے اسی طرح قاطع الطریق کا مال بھی جائز ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں قرآن میں نص وارد ہوئی ہے ۔

کفارہ کے احکام

کفارہ کی چار قسمیں ہیں

۱۔ مرتبہ ، ۲۔ مخیرہ ، ۳۔ جس میں دو امر جمع ہو جائیں ، ۴۔ کفارہ جمع ،

مرتبہ کے تین کفارے ہیں

۱۔ ظہار ۔ ۲۔ غلطی سے قتل کرنا ۔ ان دونوں کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے اگر غلام آزاد نہ کرسکے تو پے در پے دو مہینہ کے روزے رکھے اور اگر روزے رکھنے سے عاجز ہو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے

۳۔ ماہ رمضان کے روزے کی قضا کا روزہ ظہر کے بعد توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور اگر کھانا کھلانے سے عاجز ہے پے در پے تین روزے رکھے گا ۔

مخیرہ کے تین کفارے ہیں ۔

۱۔ جان بوجھ کر ماہ رمضان کا روزہ توڑے ۔ ۲۔ نذر کو پورا نہ کرے ۔ ۳۔ مصیبت میں عورت بال نوچے ۔ تو پہلے اور تیسرے کے کفارے کے طور پر ایک غلام آزاد کرے یا پے در پے دو مہینے کے

روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ۔ کہا گیا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا مستحب ہے

جہاں دو امر جمع ہو جائیں وہاں چار کفارات ہیں ۔

۱۔ قسم توڑنے کا کفارہ، ۲۔ نذر کا کفارہ، ۳۔ مصیبت کے وقت بال نوچنے اور منہ پر خراشیں مارنے کا کفارہ، ۴۔ مرد کا اپنے بیٹے یا زوجہ کی موت پر اپنے کپڑے پھاڑنے کا کفارہ ۔ مسلمان وسالم غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑے پہنائے، اگر اس سے عاجز ہے تو تین روزے رکھے ۔ علماء کے درمیان مشہور یہ ہے کہ نذر کا کفارہ وہی ہے جو ماہ رمضان کا روزہ توڑنے کا ہے ۔

ایک قول یہ ہے کہ جو شخص بھولے سے نماز عشاء سے قبل سو جائے اور صبح تک سوتا رہے درانحالیکہ وہ روزہ سے تھا تو اس کو بھی یہی کفارہ دینا چاہیئے ۔ دو جگہوں پر ایک ہی کفارہ کافی ہے ۔

۱۔ جس نے مومن کو جان بوجھ کر اور ظلم سے قتل کیا ہو ۔ ۲۔ جس نے ماہ رمضان کا روزہ حرام چیز سے توڑا ہو ۔

کہا گیا ہے کہ ان کا کفارہ ایک ہے ۔ خصال میں اس کے لئے تین شرائط ہیں ۔

۱۔ نیت ۲۔ کفارہ کا ارادہ ۳۔ نوع کا تعین

غلام اور اس کی آزادی

کافر لوگوں میں سے اہل حرب کو غلام بنانا کہ جو مسلمانوں کا استیصال کر کے ان پر تسلط جمانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں پر اپنے قوانین نافذ کرنا چاہتے ہیں انہیں شہر بدر کرنا چاہتے ہیں جیسے اہل کتاب میں سے کافر حربی شرائط بالا کو۔ کوئی مرد یا عورت اپنے ماں، باپ دادا، دادی اور اوپر کے سلسلے والوں کو غلام نہیں بنا سکتا اور نہ ان کی اولاد کو اپنی ملکیت میں لے سکتا ہے اسی طرح نسب اور رضاعت کے ذریعہ ہونے والے

محرم عورتوں کا غلام بنانا جائز نہیں ہے اور اگر ان میں سے کوئی ملکیت میں آجائے تو آزاد ہوجائے گا بالغ و عاقل اور مختار کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے غلام ہونے کا اقرار کرے اور اس کے آزاد ہونے کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ بازار میں بیچا گیا ہو ہاں اگر دو عادل اس کے آزاد ہونے کی گواہی دیں تو دعویٰ قبول کیا جائے گا۔

اس کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

۱۔ صیغہ پڑھنا، مثلاً کہے "انت حر" تم آزاد ہو جو شخص صیغہ پڑھنے پر قادر ہے اس کے اشارہ اور لکھنے سے یہ فعل انجام نہیں پائے گا۔ ۲۔ اس میں کوئی شرط نہ ہو۔ ۳۔ غلام آزاد کرنے والا بالغ، عاقل، باارادہ اور شرعی لحاظ سے متمکن ہو۔ ۴۔ غلام کو قربۃً الی اللہ آزاد کر رہا ہو۔ ۵۔ غلام مسلمان ہو۔

جب کسی غلام کے بعض حصہ کو آزاد کرے گا اور اگر اس غلام میں کوئی دوسرا اس کا شریک ہے تو شریک کے حصہ کا ذمہ دار آزاد کرنے والا ہے۔

آزادی کے اسباب پانچ ہیں۔

۱۔ غلام چلنے پھرنے سے معذور ہو۔ ۲۔ اندھا ہو۔ ۳۔ مجذوم ہو۔ ۴۔ آقا نے عبرت ناک سزا دی ہو۔ ۵۔ غلام آقا سے پہلے اسلام لایا ہو۔

غلام مدبر و مکاتب

مدبر یعنی آقا اپنے غلام سے کہے کہ تم میری زندگی میں میرے غلام اور مرنے

کے بعد آزاد ہو۔

آقا کے لئے چار شرائط ہیں۔

۱۔ بالغ ہو، ۲۔ عاقل ہو، ۳۔ مختار ہو، ۴۔ ارادہ رکھتا ہو۔ جب آقا مرجائے گا تو غلام کا ۳/۱ حصہ آزاد ہو جائے گا۔

مولا اپنے غلام یا کنیز سے یہ مکاتبہ کرے کہ جب تم مجھے فلاں وقت میں فلاں چیز دے دو گے تم آزاد ہو جاؤ گے۔ ایک وقت میں ادا کرے یا متعدد اوقات میں۔

مکاتبہ کی دو قسمیں ہیں ۱۔ مطلقہ، ۲۔ مشروطہ

مطلقہ کا صیغہ یہ ہے کہ مولا اپنے غلام یا کنیز سے کہے کہ میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے ایک سال یا تین سال میں مثلاً فلاں چیز مجھے دے دی تو تم آزاد ہو اور غلام کہے کہ میں نے قبول کیا پس جس قدر غلام وہ چیز دے دے گا اس کا اتنا ہی حصہ آزاد ہو جائے گا اور مولی اس معاہدہ کو فسخ نہیں کر سکتا اور اگر غلام وہ چیز ادا کرنے سے عاجز ہے تو امامؑ زکوٰۃ کے مال سے اسے آزاد کرائے گا۔

دوسرا صیغہ یہ ہے کہ مولی غلام سے کہے کہ اگر تم ادا نہ کر سکے تو پھر غلام ہی رہو گے آزاد نہ ہو گے مگر یہ کہ تم میرا سارا پیسہ ادا کر دو اور مولی کی مقرر کی ہوئی مدت پہ ادا نہ کر سکے تو پھر غلام ہی رہو گے اس معاہدہ میں وہی شرائط معتبر ہیں جو غلام مدبر کے سلسلہ میں بیان ہو چکی ہیں۔

عقد نکاح

نکاح مستحب موکد ہے جب حرام کا خطرہ ہو تو واجب ہو جاتا ہے ۔ نکاح سنت نبیؐ ہے جس نے نکاح سے اعراض کیا وہ نبیؐ کی امت سے نہیں ہے اور جس نے شادی کر لی اس نے اپنا نصف دین بچا لیا اور نصف کے لئے خدا سے ڈرے جیسا کہ اس سلسلہ میں حدیث میں نص وارد ہوئی ہے

نکاح کی تین قسمیں ہیں ۔

۱ ۔ دائمی ۔ ۲ ۔ متعہ ۔ ۳ ۔ ملک یمین

متعہ کے سلسلہ میں ہم نے اپنی کتاب "المتعۃ بین الاباحۃ والحرمۃ" میں سیر حاصل بحث کی ہے ، بہتر ہے شائقین مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ فرمائیں

نکاح اور متعہ میں دو صیغہ پڑھنا ضروری ہے ، عقد دائمی کے لئے زوجت یا انکحت کہے اور مرد یا مرد کا وکیل قبلت کہے ۔ متعہ کے لئے متعت یا زوجت یا انکحت کہے ساتھ مہر اور وقت کی تعیین بھی ضروری ہے ۔

نکاح اور متعہ میں بارہ شرائط ہیں ۔

۱ ۔ مرد و عورت کے صیغہ میں وہ الفاظ ہوں جو معنائے مقصود کے انشاء پر دلالت کرتے ہوں اور دونوں رضامند ہوں ۔ گونگے کا اشارہ کافی ہے ۔

۲ ۔ صیغہ ماضی کا پڑھیں ۔

۳ ۔ صیغۂ عقد عربی میں پڑھا جائے اگر عربی جانتے ہوں ورنہ وکیل سے پڑھوائیں ۔

۴۔ پہلے عورت یا اس کا وکیل صیغہ پڑھے پھر مرد یا اس کا وکیل قبلت کہے یا دونوں کے ولی پڑھیں

۵۔ نکاح کا قصد رکھتے ہوں یعنی دونوں انکحت وزوجت کے معنی سمجھتے ہوں۔

۶۔ قصد انشاء ہو۔ یعنی حکایت واخبار کا قصد نہ ہو۔

۷۔ دونوں صیغوں کے درمیان موالات ہو۔

۸۔ کسی شرط پر نکاح معلق نہ ہو۔

۹۔ صیغہ پڑھنے والا بالغ، عاقل، مختار اور نکاح کے معنی کا ارادہ رکھتا ہو اسی طرح قبول کرنے والا بھی۔

۱۰۔ شوہر وزوجہ معین ہوں۔

۱۱۔ عورت کسی اور کی بیوی نہ ہو اور عدہ وفات یا طلاق میں نہ ہو، نہ ہی متعہ کے عدہ میں ہو نسب یا سبب کی بنا پر وہ عورت شوہر پر حرام نہ ہو۔

۱۲۔ متعہ میں مہر و مدت کی تعیین

ولی کے احکام

چھوٹے بچے اور بالغ مجنون کا ولی اس کے باپ، دادا، وصی اور حاکم شرعی ہو بن سکتے ہیں، بالغ ورشید مرد وعورت کا کوئی وکیل نہیں بن سکتا، باکرہ کے بارے میں کہا گیا ہے اس کے نکاح کے لئے باپ سے اجازت لینا چاہیئے۔

ہر ایک کے وکیل کے لئے چار شرائط ہیں۔

(۱) بالغ۔ (۲) عاقل۔ (۳) آزاد۔ (۴) مسلمان ہو۔

دو عادل کی گواہی یا طرفین کے اقرار کے بغیر زوجیت کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ مستحب ہے کہ باکرہ اور پاک دامن و شریف النسب لڑکی سے نکاح کرے دخول کے وقت دو رکعت نماز اور دعا پڑھے۔

حرمت کے اسباب

حرمت کے دو اسباب ہیں

(۱) عورت نسب کے ذریعہ حرام ہوتی ہے۔ (۲) سبب کے ذریعہ حرام ہوتی ہے۔

نسب میں سات عورتیں حرام ہیں۔

(۱) ماں، نانی اور جتنا سلسلہ اوپر جائے (۲) بیٹی، بیٹی کی بیٹی اور جتنا سلسلہ نیچے جائے (۳) بہن (۴) بھتیجی (۵) بھانجی (۶) پھوپھی (۷) خالہ

سبب کے ذریعہ چھ طریقہ سے عورت حرام ہوتی ہے۔

(۱) دامادی کے ذریعہ (۲) رضاعت کے ذریعہ (۳) لعان کے ذریعہ (۴) ظہار کے ذریعہ۔ (۵) ایلا کے ذریعہ (۶) کفر کے ذریعہ۔

دامادی کے ذریعہ آٹھ عورتیں حرام ہوتی ہیں

(۱) جو شخص عقد دائمی یا متعہ والی عورت سے وطی کرے تو اس پر عورت کی ماں، بیٹی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہیں وہ بیٹیاں خواہ پہلے سے ہوں یا بعد میں پیدا ہوئی ہوں۔

(۲) عقد دائمی یا متعہ و ملک یمین والی موطوءہ عورت وطی کرنے والے کے باپ کے لیے حرام ہوجاتی ہے اسی طرح وطی کرنے والے کی اولاد پر بھی وہ عورت حرام ہوجاتی ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص کسی عورت سے عقد کرے اور دخول نہ کرے تو جب تک وہ عورت اس کے عقد میں ہے عورت کی ماں بیٹیاں عقد کرنے والے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی اور اگر

دخول کیا ہے تو لڑکیاں ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی۔

ایک وقت میں دو نسبی یا رضائی بہنوں یا دو زناز دیوں یا ایک سے عقد اور دوسری سے متعہ کرنا حرام ہے۔ اسی طرح زوجہ کی بغیر اجازت کے اس کی بھتیجی، بھانجی سے نکاح کرنا بھی حرام ہے

(۴) پھوپھی، خالہ سے زنا کرنے والو پر دونوں کی بیٹیاں ہمیشہ کے حرام ہو جاتی ہیں۔

(۵) اگر دو سگی بہنوں سے کسی ایک سے زنا کرے تو دونوں ایک شادی نہیں کر سکتی ہے جب کہ پہلی موطوہ دوسری کی وطی سے حرام نہیں ہوئی ہے۔

(۶) آزاد مرد چار آزاد عورتوں سے زیادہ دائمی شادی نہیں کر سکتا

(۷) آزاد مرد دو کنیزوں سے زیادہ اپنی ازدواجی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا ہاں اسے دو آزاد اور دو کنیزوں کو ایک وقت میں ازدواجی زندگی میں شامل کرنے کا حق ہے یا ایک آزاد اور دو کنیزیں رکھ سکتا ہے۔

(۸) آزاد مرد کنیز سے بغیر اس کی اجازت کے اس سے نکاح نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو باطل ہے۔

(۹) شوہر والی اور طلاق وعدہ وفات ومتعہ والی عورت سے عقد جائز نہیں ہے خواہ طلاق رجعی، خلع، مبارات ہو۔ اور دخول کے بعد یہ عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اور اسی طرح عقد سے بھی اس وقت حرام ہو جائے گی جب عقد کرنے والا یہ جانتا ہو کہ یہ عدہ میں ہے اور ایسی عورت سے عقد حرام ہے۔

(۱۰) جو شخص کسی لڑکے سے لواطہ کرے اور حشفہ یا حشفہ نہ ہونے کی صورت میں حشفہ کے برابر داخل ہو جائے تو لواطہ کرنے والے پر لڑکے کی ماں بہنیں اور لڑکی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گی۔

(۱۱) اگر کوئی شخص نو سال سے کم عمر لڑکی سے وطی کرے اور افضا ہو جائے یعنی پیشاب اور حیض کے مخرج ایک ہو جائے یا حیض و پاخانہ کا مخرج ایک ہو جائے تو وہ لڑکی وطی کرنے والے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اور جب تک وہ زندہ رہے گی اس کا نفقہ وطی کرنے والے پہ واجب رہے گا اگرچہ وہ اسے طلاق دے کہ دوسری عورت سے شادی بھی کرے۔

(۱۲) جو شخص شوہر والی یا عدہ رجعی والی عورت سے زنا کرے گا تو وہ عورت اس پر ہمیشہ کے حرام ہو جائے گی۔

(۱۳) اگر کوئی شخص عمرہ یا احرام کی حالت میں کسی عورت سے عقد کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ ایسی صورت میں عقد حرام ہے تو وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور اس کی حرمت سے واقف نہ ہو تو عقد باطل ہے۔

(۱۴) اگر کوئی شخص اپنی آزاد عورت کو تین مرتبہ طلاق دے دے تو تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس وقت تک اس پر حرام رہے گی جب تک کوئی دوسرا اس سے نکاح نہ کرے اور اسے طلاق نہ دے دے خواہ وہ نکاح کرنے والا غلام ہی ہو اور اگر کنیز کو دو مرتبہ طلاق دے تو وہ دوسری طلاق کے بعد اس وقت تک حرام رہے گی جب تک کوئی دوسرا اس سے نکاح نہ کرے خواہ اس کا شوہر آزاد ہی ہو۔

(۱۵) جو شخص اپنی زوجہ کو نویں بار طلاق دے کہ درمیان میں ہر تیسری طلاق کے بعد اس زوجہ سے دوسرے نے شادی کر کے طلاق دی تھی اور پھر پہلے شوہر نے نکاح کیا تھا تو نویں بار یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اس کی تفصیل طلاق میں بیان ہو گی

(۱۶) اگر چار بیویوں والے نے کسی ایک کو طلاق دی تو پانچویں سے اسی وقت نکاح کر سکتا

جب وہ عدہ سے نکل آئے ۔

(۷) اگر کسی شخص کے یہاں تین بیویاں ہوں اور وہ ایک ساتھ دوسری دو عورتوں سے نکاح کرے تو دونوں کا عقد باطل ہو جائے گا اور اگر الگ الگ کرے تو دوسری کا عقد باطل ہوگا۔ اسی طرح دو بہنوں کا حکم ہے اور اگر کوئی شخص کسی عورت سے آگے یا پیچھے سے زنا کرے تو اس عورت کی ماں، نانی، لڑکی، لڑکی کی لڑکی جتنا بھی سلسلہ نیچے جائے زنا کرنے والے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہیں اور اسی طرح سے یہ عورت کہ جس سے زنا کیا گیا ہے زنا کرنے والے کے باپ اور بیٹوں پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اور اگر زنا عقد سے پہلے ہوا ہے تو بھی یہی حکم ہے ۔

رضاعت کے ذریعہ حرام ہونے والی عورتیں

رضاعت کے لئے سات شرائط ہیں

۱۔ دودھ صحیح وطی کا نتیجہ ہو اگرچہ وطی بالشبہ یا ملک یمین یا تحلیل کا نتیجہ ہو ۔

۲۔ بچہ پستان سے چوس کر پئے تاکہ اس پر رضاعت صادق آسکے ۔

۳۔ دودھ پلانے والی زندہ ہو ۔

۴۔ بچہ مکمل دو سال دودھ پئے ۔

۵۔ دودھ ولادت یا حمل کا نتیجہ ہو نہ دودھ کی زیادتی ۔

۶۔ دودھ ایک مرد اور ایک عورت کا ہو ۔

۷۔ شریعت کے لحاظ سے دودھ کی مقدار معلوم ہو ۔ اس کی تین مقدار بیان ہوئی ہیں ۔

۱۔ وہ اتنی مقدار میں دودھ پلائے کہ بچہ کا گوشت بڑھے اور ہڈی مضبوط ہو ۔

۲۔ بچہ دن، رات اس طرح دودھ پیئے کہ اس کی غذا فقط دودھ ہی شمار کی جائے ۔

۳۔ عورت پندرہ مرتبہ کامل طور پر دودھ پلائے، ایک قول یہ ہے کہ دس مرتبہ دودھ پلانا کافی ہے اس سلسلہ میں چند امور کی رعایت ضروری ہے ۔

۱۔ اس طرح دودھ پیئے کہ بچہ خود دودھ کھینچ کر پیئے ۔

۲۔ پے در پے دودھ پیئے کہ رضعات کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو کہ ایک مرتبہ کوئی دوسری عورت دودھ پلائے لیکن اگر کوئی ماکول و مشروب غذا دی جائے تو وہی حکم رہے گا ۔

۳۔ پندرہ مرتبہ ایک ہی عورت دودھ پلائے ۔

۴۔ ایک ہی شوہر کا دودھ پلائے، پس ان شرائط کی موجودگی میں دودھ پینے والے، جس کا دودھ ہے اور پلانے والے کے درمیان حرمت کا حکم نافذ ہوتا ہے اور اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو نسب کا ہے، جیسا کہ حدیث میں نص ہے پس جب رضاعت کے سبب سے نو حرام عناوین میں سے کوئی عنوان نسبی ثابت ہو جائے تو وہاں بھی یہی حکم ہو گا ۔

لعان کے ذریعہ حرام ہونے والی عورتیں

لعان یعنی شوہر زوجہ کی طرف زنا کی نسبت دے اور زوجہ کہے کہ یہ بچہ تمہارا ہے لعان کے ذریعہ دو مورد پر زوجہ شوہر کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے ۔

۱۔ شوہر کسی بچہ کی پیدائش پر، زوجہ کی طرف زنا کی نسبت دے ۔

۲۔ پیدا ہونے والے بچہ کے بارے میں شوہر کہے کہ یہ میرا نہیں ہے جب کہ اس بچہ کو اس سے ملحق کرنے کا امکان ہو ۔

لعان کے ثابت ہونے کی آٹھ شرائط ہیں

۱۔ شوہر مشاہدہ کا دعویٰ کرے

۲۔ بینہ موجود نہ ہو، یعنی چار عادل مردوں نے سلائی کو سرمہ دانی میں نہ دیکھا ہو جیسا کہ اس پر حدیث کی نص ہے۔

۳۔ دائمی (نکاح والی) عورت ہو۔

۴۔ زوجہ سے دخول کیا ہو۔

۵۔ زوجہ کے بارے میں زنا کی شہرت نہ ہو۔

۶۔ حاکم کے سامنے پیش کرنے کے بعد بھی وہ اپنی بات پر اٹل رہیں

۷۔ لعان عربی میں ہو یا غیر عربی میں۔

۸۔ حاکم شرعی کے سامنے لعان کرے یا اس کے سامنے جس کو حاکم شرع نے نصب کیا ہو۔

قرآن کی نص کے لحاظ سے لعان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرد زوجہ کی طرف زنا کی نسبت دیتے ہوئے لڑکے کی نفی کرتے ہوئے چار مرتبہ کہے

اشھد باللہ انی لمن الصادقین فیما قلت من قذفھا او نفی ولدھا۔

پھر پانچویں مرتبہ کہے

لعنۃ اللہ علیّ ان کنت من الکاذبین۔

پھر وہ عورت چار مرتبہ کہے

اشھد باللہ انہ لمن الکاذبین ۱۹۲

بھی میں خدا کو حاضر جانتے ہوئے کہتی ہو کہ یہ شخص زنا کی نسبت دینے یا لڑکے کا انکار کرنے میں جھوٹا ہے پھر پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر یہ شخص صادق ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ہو۔ جب لعان ان شرائط کے ساتھ واقع ہو گا تو چار امور ثابت ہوں گے۔

۱۔ نکاح فسخ ہو جائے گا اور شوہر و زوجہ کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی۔

۲۔ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گے۔

۳۔ لعان کی وجہ سے شوہر پر تہمت کی حد اور زوجہ پر زنا کی حد جاری نہیں ہو گی۔

۴۔ لڑکے کا مرد سے کوئی تعلق نہیں رہے گا بلکہ عورت کے ساتھ رہے گا اگرچہ حمل ہی میں ہو

ظہار و ایلا

ظہار زمانہ جاہلیت میں ایک طلاق تھی اور حرام مؤبد کا موجب تھا اسلام نے بھی اسے حرام جانا ہے لیکن حکم بدل دیا ہے۔ ظہار سے زوجہ کو حرام قرار دیا ہے لیکن اس کے لئے کفارہ کو لازم قرار دیا ہے یہ فعل حرام ہے اور اس کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔

ظہار کا صیغہ یہ ہے

"انت علی کظہر امی" ۔ تمہاری پشت میرے لئے ماں کی پشت کی سی ہے۔

ماں ہی کی طرح دوسری محرم عورتوں سے تشبیہ دینے میں بھی یہی حکم ہے۔

ظہار کے واقع ہونے میں چھ شرائط معتبر ہیں

۱۔ طلاق کی طرح ظہار میں بھی دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے جو ظہار کو سنیں۔

۲۔ مظاہر بالغ، عاقل، مختار اور ارادہ رکھتا ہو۔

۳۔ زوجہ حیض ونفاس سے پاک ہو اور اس طہر میں اس سے وطی نہ ہوئی ہو اسی عورت کی طرح وہ بھی ہے جسے حیض آ رہا ہے یا شوہر غائب ہے جو عورت کی حالت سے واقف نہیں ہے یا شوہر حاضر ہے اور عورت یائسہ ہے۔

۴۔ وہ عورت مدخولہ ہو، ظہار کے شرائط واقع ہونے کے سلسلہ میں دو قول ہیں، اسی طرح متعہ والی اور غیر مدخولہ کے بارے میں دو قول ہیں

۵۔ ظہار کو یمین یعنی کسی فعل یا ترک فعل کی جزا قرار نہ دیا ہو جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر تم نے زید سے کلام کیا تو تم میرے لئے ماں کی طرح ہو جاؤ گی۔

۶۔ ظہار حالت غیظ وغضب میں نہ ہو۔

پس جب شرائط کے ساتھ ظہار واقع ہو گی تو مظاہر پر اس عورت سے وطی کرنا حرام ہو جائے گا اور کفارہ کی ادائیگی تک حلال نہیں ہو گی اور اگر کفارہ دینے سے قبل وطی کرے گا تو اس کو دو کفارے دینا پڑیں گے اور جب طلاق رجعی دے گا تو بھی رجوع سے قبل زوجہ سے وطی حرام ہے مگر یہ کہ کفارہ دے دے اور اگر عدہ تمام ہونے کے بعد یا عدہ کے درمیان اگر طلاق خلع ہو تو ازدواج کرے تو دو کفارے ساقط ہو جائیں گے

ایلا

یعنی زوجہ سے ترک وطی کے لئے حلف اٹھائے اس کے واقع ہونے کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) زوجہ دائمی ہو (۲) زوجہ مدخولہ ہو (۳) ترک وطی کی مدت چار ماہ سے زیادہ ہو (۴) ضرر رسانی کے لئے ہو (۵) خدا کی قسم کھائے یا ان اسماء کی جو خدا سے مخصوص ہیں یا ان کا اکثر اطلاق خدا کی ہی ذات پر ہوتا

ہو جیسے مطلق یمین ۔

ایلا کسی بھی زبان میں ہو سکتا ہے، جب شرائط کے ساتھ ایلا واقع ہو گا اور عورت ترک وطی پر صبر کرے گی ورنہ قضیہ حاکم شرعی کے پاس جائے گا اور وہ چار مہینہ تک انتظار کرے گا اگر چار مہینے کے بعد وطی کرتا ہے تو کوئی بات نہیں ورنہ حاکم شرع اسے دو باتوں پر مجبور کرے گا یا تو رجوع کرنے پر یا طلاق دینے پر اگر شوہر کسی بات پر تیار نہ ہو گا تو اس پر سختی کی جائے گی اور حاکم شرع اس کو اس وقت تک قید میں رکھے گا جب تک وہ ایک بات کو قبول نہیں کرے گا۔ ایلا طلاق رجعی سے ختم نہ ہو گا ہاں عدہ کے بعد ایلا کا حکم زائل ہو جائے گا اسی طرح طلاق بائن سے بھی ایلا کا حکم زائل ہو جائے گا، پس اگر عدہ کے بعد دوبارہ اس سے عقد کرے تو ایسی ہو گی جیسے اس کے لئے قسم کھائی ہی نہ گئی ہو۔ اگر ایلا کے بعد زوجہ سے وطی کرے تو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرے جیسا کہ اس سلسلہ میں قرآن میں نص وارد ہوئی ہے۔

کفر کے احکام

کافر پر مسلمان عورت حرام ہے خواہ کافر کفر کی کسی بھی صنف سے تعلق رکھتا ہو، مسلمان پر بھی اہل کتاب کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں یہ کہ مطلقاً جائز ہے، اس سے دائمی، موقتی نکاح کیا جاسکتا ہے۔ مطلقاً حرام ہے۔ متعہ جائز ہے دائمی نکاح جائز نہیں ہے ۔

اگر دخول سے قبل زن و شوہر میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو عقد فسخ ہو جائے گا، اگر دخول کے بعد مرتد ہو جائے تو عدہ کا انتظار کرنا پڑے گا، جب کہ وہ مرتد فطری نہ ہو یعنی اس کے ماں

باپ میں سے کوئی ایک مسلمان تھا، اور عدہ کے بعد عقد فسخ ہو جائے گا مرتد فطری کا عدہ وہی ہے جو وفات کا ہے یعنی چار مہینے دس روز، مرتد فطری کے علاوہ دوسروں کا عدہ طلاق کا عدہ ہے، اگر اہل کتاب عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے تو عقد صحیح ہے اور اگر وہ عورت مسلمان ہو تو اگر دخول سے قبل مسلمان ہوئی ہے تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور اگر دخول کے بعد مسلمان ہوئی ہے تو عدہ کا زمانہ گزارے گی۔ اگر چار سے زیادہ عورتیں رکھنے والا مسلمان ہو جائے اور وہ عورتیں بھی اسلام لے آئیں اور وہ چار کو اختیار کرے تو باقی عورتوں کا عقد فسخ ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص مسلمان زوجہ کے ہوتے ہوئے ذمی عورت سے ازدواج کرے اور مسلمان زوجہ کی اجازت کے بغیر ذمی سے دخول کرے جب کہ وہ یہ جانتا تھا کہ یہ حرام ہے تو اس کو زانی کی حد ۱۲/۱ کوڑوں کی قیمت ادا کرنا ہو گی اور اگر زوجہ (مسلمہ) اس پر راضی نہ ہو تو ذمیہ اور مسلمان شوہر کے درمیان جدائی ہو جائے گی اور اگر راضی ہو جائے تو جدائی نہیں ہو گی اسی طرح اگر آزاد دائمی نکاح والی زوجہ کی موجودگی میں کنیز سے نکاح کرے اور اس کی حرمت کو جانتے ہوئے زوجہ کی اجازت کے بغیر اس سے دخول کرے تو اس کا وہی حکم ہے جو ذمیہ کا ہے۔

متعہ

متعہ اسلام میں مباح ہے اور منسوخ نہیں ہوا ہے کیوں کہ متعہ حلال محمدؐ سے ہے اور وہ قیامت تک حلال ہے جیسا کہ بخاری نے اپنی کتاب جلد ۲ ص۱۰ طبع اولی ۱۳۳۲ھ میں خدا کے اس قول:

"انفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ"

کی تفسیر میں عمران بن حصین سے نقل کیا ہے کہ متعہ کا حکم کتاب خدا میں نازل ہوا تھا اور ہم نے رسولؐ کے زمانہ میں اس پر عمل کیا اور قرآن میں اس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا اور نہ ہی رسولؐ نے اس سے منع فرمایا یہاں تک کہ رحلت فرمائی، ایک شخص نے اپنی مرضی سے جو چاہا کہدیا، بخاری کہتے ہیں کہ اس شخص کو عمر کہا جاتا ہے اور جلد ۳ ص۸۳ پر خداوند عالم کے اس قول کی تفسیر کی ہے۔

"یاایھا الذین آمنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم"

اسماعیل سے انہوں نے عبداللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں تو ہم نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم خود کو خصی کرلیں تو رسولؐ نے ہمیں اس سے ڈرایا اور اس کے بعد کپڑے کے عوض ایک عورت سے ازدواج کی اجازت مرحمت فرمائی اور پھر مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔

مسلم نے اپنی صحیح کی جلد ۱ ص۴۵ پر اور ص۴۶ پر جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے عہد رسولؐ و زمانہ ابوبکر و عمر میں متعہ کیا ہے اسی صفحہ پر جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم ایک مٹھی کھجور و آٹے کے عوض زمانہ رسولؐ اور زمانہ ابوبکر و عمر میں متعہ کیا کرتے تھے کہ عمر نے متعہ کرنے سے ڈرایا۔

پس متعہ ان چیزوں میں سے ہے جو قیامت تک حلال و پاک ہیں۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ متعہ کو قرآن نے مباح قرار دیا ہے اور رسولؐ نے اس سے کبھی منع نہیں فرمایا یہاں تک کہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ متعہ کو حرام قرار دینے والا عمر ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کے قول سے ثابت ہے

متعہ کے لئے دس شرائط ہیں۔

۱۔ عقد دائمی کی طرح متعہ میں بھی صیغہ پڑھنا ضروری ہے لیکن یہاں مخصوص لفظ متعت ہے۔

۲۔ طرفین کی درمیان جو مہر کم وکیف اور مقدار کے لحاظ سے معین ہوا ہے اس کا تذکرہ۔

۳۔ متعہ کی مدت کی تعیین۔

۴۔ جس عورت سے متعہ کیا جا رہا ہے وہ متعہ کرنے والے پر سببی یا نسبی لحاظ سے حرام نہ ہو۔

۵۔ زمانہ متعہ کے انقضا کے بعد عدہ واجب ہے یا دو حیض دیکھے اور مسترابہ کے لئے ۴۵ روز ہیں۔

۶۔ متعہ کے ذریعہ مرد و عورت ایک دوسرے کی میراث کے مستحق نہیں ہوتے لیکن اگر متعہ میں میراث کی شرط کر لی جائے تو لے سکتے ہیں جب کہ ایک قول یہ ہے کہ مطلق طور پر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

۷۔ متعہ والی عورت کے اخراجات صرف شرط کی بنا پر عائد ہوتے ہیں ورنہ نہیں۔

۸۔ شوہر و زوجہ کی تعیین۔

۹۔ جس عورت سے متعہ کیا جا رہا ہے وہ کافرہ نہ ہو، اس کے احکام بھی دائمی سے مختلف ہیں۔ بہ موقت نکاح وہ دائم۔ یہودی، نصرانی، مجوسی عورتوں سے متعہ کرنا جائز ہے ایک قول ہے کہ جائز نہیں ہے۔ زوجہ کی اجازت کے بغیر اس کی بھانجی، بھتیجی سے بھی نکاح جائز نہیں جب کہ اس لڑکی کی خالہ یا پھوپھی اس مرد کے متعہ میں ہو۔

وہ عیوب جن سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے

گیارہ عیوب کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ چار مردوں سے متعلق ہیں۔

۱۔ جنون۔ ۲۔ آلہ تناسل کٹ جائے جس سے مجامعت نہ کر سکے۔ ۳۔ بے پرواہ۔ ۴۔ فوطے نکلوا دینا یا سلوا دینا

عورت سے متعلق سات عیوب ہیں

(۱) جنون (۲) جذام (۳) برص (۴) عورت کی شرمگاہ کا گوشت بڑھنا کہ جس سے مجامعت نہ ہوسکے (۵) افضا (۶) اندھاپن (۷) مفلوج ہونا۔

یہ عیوب نکاح کے فسخ کا باعث ہوتے ہیں جب کہ عقد سے پہلے ہوں ورنہ نہیں ہاں جنون اگر عقد کے بعد عارض ہو تو موجب فسخ ہے کہا گیا ہے کہ مرد کو اختیار ہے اور اگر عقد کے بعد پھر عارض ہو گیا ہے کہ مرد کو اختیار ہے کہ وہ فوراً یا کچھ مدت کے بعد تاخیر سے فسخ کرے مرد کا اختیار برقرار رہتا ہے۔ عیوب دائمی ہوں یا منقطع مرد کو اختیار حاصل ہے۔ بے پرداہ کے لئے قضیہ حاکم شرع کے پاس جائے گا اور حاکم شرع اس وقت سے ایک سال کی مدت دے گا اگر وہ مرد اس مدت میں اس عورت سے مجامعت کرتا ہے یا دوسری عورت سے مباشرت کرتا ہے تو عقد فسخ نہیں ہوگا ورنہ عورت کو اختیار ہے کہ فسخ کرنے اور مرد سے نصف مہر لینے کا حق ہے اور اگر نکاح میں باکرہ اور آزاد ہونے کی شرط کرے اور نکاح کے بعد اس کے برخلاف ظاہر ہو تو آزاد کے نکاح کو فسخ کرسکتا ہے اور باکرہ کے مہر میں سے اتنا کم کرسکتا ہے جتنا غیر باکرہ سے زیادہ مہر دیا تھا ایک قول یہ ہے کہ شرط کے باوجود مرد کو اختیار ہے۔ یا مرد کو فریب دیا گیا ہو اور اس عورت سے اگر دخول کیا ہوگا تو مہر دینا ہوگا۔

کنیز کے نکاح کے احکام

۱۔ غلام اور لونڈی آقا کی اجازت کے بغیر ازدواج نہیں کرسکتے ہیں اور آقا کو اختیار ہے کہ وہ آزاد عورت سے غلام کی شادی کردے یا کنیز سے اسی طرح کنیز کی شادی آزاد سے یا غلام

سے کر سکتا ہے ۔ کنیز کا مہر آقا کا حق ہے اور اس کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے ۔

۲۔ آقا شادی شدہ کنیز سے طلاق اور انقضائے عدہ کے بعد ہی وطی کر سکتا ہے ۔

۳۔ کنیز کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے ہاں مالک اور شوہر نظر کر سکتے ہیں ۔

۴۔ کنیز اور غلام کی اولاد بھی مالک و آقا کی ملکیت ہے (اگر کوئی شخص اپنی کنیز کی شادی اپنے غلام سے کر دے تو ان کی اولاد آقا کی کنیز و غلام ہو گی)

۵۔ اگر غلام نے کنیز سے زنا کیا اور لڑکا پیدا ہوا تو وہ لڑکا کنیز کے مالک کا غلام ہوگا۔

۶۔ اگر لڑکے کے والدین میں سے کوئی ایک حر (آزاد) ہو تو لڑکا بھی آزاد ہے ہاں اگر عقد میں غلامی کی شرط کرے تو غلام قرار پائے گا ۔

۷۔ اگر غلام آزاد عورت سے زنا کرے تو لڑکا آزاد ہوگا۔

۸۔ اگر آزاد مرد کسی کی کنیز سے زنا کرے تو پیدا ہونے والا بچہ کنیز کے مالک کا غلام قرار پائے گا ۔

۹۔ اگر آقا اپنی شادی شدہ کنیز کو آزاد کر دے تو کنیز کو نکاح فسخ کرنے کا حق ہے ۔

۱۰۔ جس کنیز سے مولی کے لئے وطی حلال ہے اس کے احکام وہی ہیں جو زوجہ کے ہیں ۔

مہر

۱۔ یعنی وہ مال جو جماع و تمتع کے عوض دیا جاتا ہے اور عقد کے ذریعہ عورت اس کی مالک بن جاتی ہے اگر بغیر وطی کے مرد زوجہ کو طلاق دے تو نصف مہر ادا کرے گا اور اگر آگے یا پیچھے دخول کرے تو پورا مہر ادا کرے گا اور اگر دخول سے پہلے مر جائے تو اس میں دو قول ہیں ۔

۲۔ عین یا قرض یا منفعت کو مہر قرار دینا صحیح ہے، مہر کی مقدار معین نہیں ہے بلکہ جس پر زن و شوہر راضی ہو جائیں وہی مہر ہے خواہ کم ہو یا زیادہ لیکن اتنا کم نہ ہو کہ اسے مال نہ کہا جا سکے جیسے گیہوں کا ایک دانہ۔

۳۔ وصف یا مشاہدہ کے لحاظ سے مہر کی تعیین واجب ہے اور اگر مہر معین نہ ہو تو بھی عقد صحیح ہے اور عورت دخول کے بعد اپنی مثل کا مہر لے سکتی ہے۔

۴۔ مستحب ہے کہ مہر سنت سے زیادہ نہ ہو یعنی پانچ سو درہم سے زیادہ نہ ہو۔

۵۔ اگر کوئی شخص دخول سے قبل اپنی زوجہ کو طلاق دے دے حالانکہ مہر کا تعین نہیں ہوا تھا تو خوش حال اپنی حیثیت سے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق عورت کو کچھ دے دے جیسا کہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے۔

۶۔ اگر دخول سے قبل شوہر مر جائے حالانکہ مہر کا تعین نہیں ہوا تھا تو زوجہ کو نہ خرچ دیا جائے اور نہ مہر دیا جائے گا۔

۷۔ متعہ کا مہر اسی کو قرار دیا جائے گا جو شرعی طور پر مملوک ہو اگر حرام چیز کو متعہ کا مہر قرار دے گا تو متعہ باطل ہو جائے گا۔

حقوق کی تقسیم

زن و شوہر دونوں کا ایک دوسرے پر حق ہے اور اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

دائمی زوجہ کے لئے ایک رات اور دو بیویوں کے لئے دو راتیں اور تین بیویوں کے لئے تین اور جس کی چار بیویاں ہوں ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک رات ہے اور اگر ان میں کوئی اپنی رات ھبہ

کر دے تو شوہر جس کے پاس چاہے رہے۔ تقسیم میں ہر ایک کے پاس لیٹنا واجب ہے نہ کہ .... آٹھ راتوں میں آزاد بیوی کے لئے دو راتیں اور کنیز و کتابیہ کے لئے ایک رات لیکن متعہ والی اور ملک یمین والی وہ عورت جس سے وطی کی ہے ان کے لئے کوئی تقسیم نہیں ہے، باکرہ سے دخول کے زمانہ میں سات راتیں اور دوسرے شوہر سے جدا شدہ عورت سے دخول کے زمانہ میں تین راتیں مخصوص ہیں۔

نافرمان عورت

یعنی زن و شوہر کا آپس میں ایک دوسرے کا حق نہ ادا کرنا

چند امور سے زوجہ شوہر کی اطاعت سے نکل جاتی ہے۔

۱۔ شرعی مانع نہ ہونے کے باوجود زوجہ شوہر کا مخصوص حق ادا نہ کرے۔

۲۔ زوجہ اس چیز کو دور نہ کرے جس سے شوہر کو نفرت ہے۔

۳۔ خوش فعلی اور لذت اندوزی سے شوہر کو منع کرے۔

۴۔ شوہر کے تقاضا کرنے کے باوجود آراستہ و پیراستہ نہ ہو۔

۵۔ شوہر کی بغیر اجازت کے گھر سے باہر نکلے۔

ہاں اگر ان چیزوں پر عمل نہ کرے جن میں اطاعت واجب نہیں ہے، جیسے کھانا پکانا، پانی لانا وغیرہ کہ جس کا تعلق لطف اندوزی سے نہیں ہے لیکن اگر ان کاموں کے لئے شرط کرے تو ان کی بجا آوری ضروری ہے اور جب عورت نافرمان ہو جائے تو اس سے ہمبستری ترک کر دے اور نصیحت کے بعد اتنا مارنا جائز ہے کہ جس سے نیل نہ پڑے۔

شوہر کا ظلم یہ ہے کہ وہ زوجہ کے واجب حقوق کو ادا نہ کرے مثلاً عادت کے مطابق نفقہ نہ دے تو زوجہ ان کا مطالبہ کرے گی، شوہر کو نصیحت کرے گی اور بعض حالات میں کل حقوق ادا نہ کرنے کا حق رکھتی ہے اور اگر شوہر باز نہ آئے تو زوجہ حاکم شرعی سے شوہر کی شکایت کرے گی اور حاکم شرع اسے زوجہ کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دے گا اور ظلم کرنے سے منع کرے گا اگر اس کے بعد بھی وہ باز نہ آئے تو حاکم کی صواب دید پر ہے کہ وہ اس پر تعزیر کرے اور زوجہ کے اخراجات اسی کے مال سے پورا کرے خواہ اسباب خانہ فروخت کرنا پڑے ..... اور اگر دونوں کے درمیان نفرت و عداوت پیدا ہو جائے اور کا قضیہ حاکم شرعی کے پاس پہنچے تو حاکم شرعی فریقین کے خاندان سے یا غیر خاندان سے دو افراد کو ان کے افہام و تفہیم کے لئے بھیجے گا اگر وہ صلح کی گنجائش دیکھیں گے تو صلح کرا دیں گے اور اگر علیحدگی میں مصلحت سمجھیں گے تو طلاق اور ایثار پر آمادہ کریں گے اور یہ بھیجے جانے والے افراد طلاق و علیحدگی کے لئے اس وقت کوشش کر سکتے ہیں جب انہوں نے روانگی کے وقت یہ شرط کر لی ہو کہ ہم چاہیں انھیں جمع کریں یا جدا کریں۔ نان و نفقہ میں ساری بیویوں کو برابر رکھنا مستحب ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ واجب ہے۔

اولاد کا حکم

۱۔ دائمی نکاح والی عورت کا بچہ باپ کے پاس رہے گا جب کہ مجامعت کی ہو اور دخول سے حمل کو چھ ماہ گزر گئے ہوں اور حمل کی مدت سے تجاوز نہ ہوا ہو یعنی نو ۹ ماہ سے زیادہ نہ گزرے ہوں یا زیادہ سے زیادہ ایک سال گذرا ہو۔

۲۔ اگر متاعی یا کنیز سے پیدا ہونے والے بچہ کا اعتراف کرے گا تو بچہ اس کے پاس رہے گا

۳۔ لڑکے کا ختنہ واجب ہے اور لڑکی کا خفض کرنا مستحب ہے ۔

۴۔ دودھ پلانے کا زمانہ دو سال ہے اور اس سے کم اکیس ماہ ہیں ۔

۵۔ اپنے بچہ کو ماں دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے جب کہ وہ اسی قیمت و اجرت پر یا مفت راضی ہو جائے جس پر دوسری عورت راضی ہے

ماں حق حضانت سے چار شرائط کی موجودگی میں دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے ۔

(۱) مسلمہ ہو ۔ (۲) آزاد ہو ۔ (۳) عقلمند ہو ۔ (۴) محفوظ ہو ۔

۶۔ بچہ کو پالنے کی مدت اگر لڑکا ہے تو دو سال اور اگر لڑکی ہے تو سات سال ہے ۔ ایک قول یہ ہے کہ لڑکے کی مدت بھی سات سال ہے ۔

۷۔ اگر لڑکے کی ماں دوسری شادی کرلے تو حق حضانت ختم ہو جائے گا ۔

۸۔ اگر باپ مرجائے یا غلام یا کافر ہے تو بچہ کی پرورش کی حقدار ماں ہے ۔

اسباب نفقہ

اسباب نفقہ تین ہیں ۔ (۱) زوجیت ۔ (۲) قرابت ۔ (۳) ملکیت ۔

دائمی زوجہ کو اگر استطاعت ہے تو اس کے لئے کھانا، کپڑا، مکان، فرش، پردہ، صفائی کے اسباب اور دیگر لوازمات دینا کافی ہے، لیکن اس کے لئے تین شرائط ہیں ۔

۱۔ زوجہ دائمی ہو اگرچہ وہ ذمیہ یا کنیز ہی کیوں نہ ہو ۔ ۲۔ ناشزہ نہ ہو ۔ ۳۔ اتنی چھوٹی (کم عمر) نہ ہو کہ جس سے خوش فعلی نہ کی جا سکے یا لڑکا اتنا چھوٹا نہ ہو کہ زوجہ سے خوش فعلیاں کر سکے ۔

فرماں بردار زوجہ کو نفقہ دینا کافی ہے نہ کہ اقارب کو ۔ اپنے اخراجات و نفقہ زوجہ کے نفقہ پر مقدم ہے

اور زوجہ کا نفقہ اقارب پر مقدم ہے لیکن اگر نافرمانی کے زمانہ میں عورت کو طلاق دے دے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

اقارب میں دو قسم کے افراد کا نفقہ واجب ہے۔

۱۔ ماں، باپ، دادا، دادی اور جتنا سلسلہ اوپر جائے۔

۲۔ اولاد خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اور ان کی اولاد اور ان کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے ہاں نفقہ کے وجوب میں تین شرائط ہیں۔

(۱) یہ لوگ نادار اور ضرورت مند ہوں۔ (۲) کمانے سے عاجز ہوں۔ (۳) نفقہ دینے والا اپنے اور اپنی زوجہ کے اخراجات برداشت کرنے کے بعد ان کے اخراجات برداشت کرنے پر قادر بھی ہو غلام و کنیز کا نفقہ مولا پر واجب ہے اور غلام کو چاہیئے اتنا کسب معاش کرے جس سے اس کے اخراجات پورے ہو جائیں ورنہ مولیٰ پورا کرے گا۔ حیوان کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے اگر نہ دے سکے تو حاکم شرعی مالک پر جبر کرے گا کہ یا تو وہ اس حیوان کو فروخت کرے اور اگر قابل تزکیہ ہے تو ذبح کا حکم دے گا یا اس کا نفقہ دے گا

طلاق کے احکام

طلاق کے صحیح ہونے میں تیرہ شرائط معتبر ہیں۔

(۱) طلاق دینے والا بالغ ہو۔ (۲) عاقل ہو (۳) مختار ہو (۴) ارادہ رکھتا ہو (۵) جس عورت کو طلاق دی جا رہی وہ دائمی زوجہ ہو۔ (۶) اگر زوجہ سے مجامعت کی جا چکی ہے تو اس کا حیض و نفاس سے پاک ہونا یا حاملہ نہ ہونا، یائسہ اور صغیرہ نہ ہو طلاق دینے والا اور جس عورت کو طلاق دی جا رہی ہے وہ دونوں

ایک شہر میں ہوں۔ (۷) حیض سے پاک ہونے کے بعد شوہر نے مجامعت نہ کی ہو۔ (۸) خاص صیغہ جاری کرے یعنی انتِ طالق کہے۔ (۹) مطلقہ کی تعیین۔ (۱۰) صیغہ میں کوئی شرط نہ ہو (۱۱) طلاق کے وقت دو عادل گواہ موجود ہوں " عادل یعنی وہ شخص جو گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہوتا ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو بظاہر اس کا رویہ اچھا ہو۔ (۱۲) صیغہ کو دو عادل ایک ساتھ سنیں (۱۳) اگر عاجز نہ ہو تو صیغہ طلاق عربی میں جاری کرے اگر چہ وکیل ہی کے ذریعہ جاری کرالے، پس اگر عاجز ہے تو کسی بھی زبان میں وہ لفظ ادا کرے جو انت طالق کے مرادف ہو، اشارہ اور لکھنے سے طلاق نہیں ہوتی، لیکن اگر عاجز ہے جیسے گونگا تو صحیح ہے۔

طلاق کا صیغہ خود شوہر یا اس کا وکیل پڑھ سکتا ہے وکیل خواہ اس کی وہی زوجہ ہی ہو جس کو طلاق دے رہا ہے۔

تین طلاقیں

تین طلاقوں میں ایک واقع ہوتی ہے تین طلاق کا رائج کرنے والا خلیفہ دوم عمر ہے۔

اگر کوئی شخص طلاق کے صیغہ کو تین مرتبہ پڑھے کہ ان کے درمیان دو رجوع نہ ہوں تو ایک ہی صیغہ سے طلاق ہو جائے گی اگر چہ اس نے تعدد کا ارادہ کیا ہو جیسا کہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے۔

"طلاق تو دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد یا نیکی کے ساتھ روک لیا جائے گا
یا حسن سلوک سے آزاد کر دیا جائے گا۔ الیٰ۔ اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی
تو عورت مرد کے لئے حلال نہ ہو گی یہاں تک کہ دوسرا شوہر کرے "[1]

---

[1] ۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۹۔

آیت کا مفہوم واضح ہے کہ ایک کے بعد دوسری طلاق دینا جب کہ ان دونوں طلاقوں کے درمیان ایک رجعت ہو نہ کہ صیغہ طلاق دو یا تین مرتبہ پڑھنا مراد ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ"

(تیسری بار) اگر طلاق دے دے تو وہ اس مرد کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرا شوہر کرے۔

اس قول سے تین طلاقیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں ورنہ اگر یہ قول تین طلاقیں دینے والے کے قول کو شامل ہو تو خدا کے اس قول کے بعد الطلاق مرتان کے کچھ معنی نہ ہوں گے مگر یہ کہ اس نے دو طلاق دی ہوں اور ان کے درمیان ایک مرتبہ رجوع کیا ہو۔

مسلم نے اپنی صحیح کی جلد ۲ ص ۱۸۴ پر کتاب الطلاق کے باب طلاق الثلاث میں تحریر کیا ہے اسے ہم یہاں ضرورت کے مطابق طاؤس سے نقل کر رہے ہیں۔ ابو الصہبا نے ایک مرتبہ ابن عباس سے کہا:

"ھات من ھناتک" آپ نے عجیب بات سنائی!

کیا عہد رسولؐ اور زمانہ ابوبکر و عمر میں ایک ہی طلاق نہیں تھی تو ابن عباس نے کہا بالکل ایسا ہی تھا یہ تین طلاقیں تو عمر کے زمانہ سے چلی ہیں۔

بیہقی نے اپنی سنن کی جلد ۷ ص ۳۳۶ پر اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الطلاق کے تین طلاقوں کے اور رجوع کے بعد منسوخ ہے والے باب میں اور مسلم نے بھی اسی باب کے ص ۱۸۴ پر ابن عباس سے متعدد صحیح طریقوں سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ عہد رسولؐ میں اور زمانہ ابوبکر میں اور دو سال تک

عمر کی خلافت کے زمانہ میں ایک ہی طلاق تھی عمر ابن خطاب نے کہا کہ لوگ ایک ایسے امر میں چلا رہے ہیں کہ جس میں ان کا وقار ہے کہ ہم اس کی اجازت دے دیں بس عمر نے اجازت دے دی اسی کو حاکم نے مستدرک کے ص۱۹۶ پر اور ذہبی نے اپنی تلخیص میں مسلم و بخاری کی شرط پر صحیح تسلیم کرتے ہوئے نقل کیا ہے اور امام احمد ابن حنبل نے اپنی مسند کی جلد ۱ ص۳۱۴ پر ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

استاد خالد محمد خالد المصری کتاب "الدیمقراطیہ" کے ص۱۵۰ پر لکھا ہے کہ:

جب عمر کسی چیز میں مصلحت دیکھتے تھے تو اس کے لئے وہ نصوص قرآن و سنت کو بھی چھوڑ دیا کرتے تھے، قرآن مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں سے کچھ دینے کا حکم دیتا ہے اور رسولؐ و ابوبکر کے زمانہ میں انہیں کچھ حصہ دیا جاتا تھا جب عمر کا زمانہ آیا تو انہوں نے کہا کہ ہم اسلام کے مخالفوں کو کچھ نہیں دیں گے۔ اور سنت و اجماع کے لحاظ سے ایک مجلس میں تین طلاقوں میں ایک واقع ہوتی تھی عمر آئے اور انہوں نے سنت کو ترک کر دیا اور قرآن کی پرواہ نہ کی۔

طلاق کی قسمیں۔

طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ بدعی۔ ۲۔ سنی۔

۱۔ بدعی۔ یہ وہ طلاق ہے جس میں صحیح ہونے کے شرائط جمع نہیں ہو سکتے اور یہ شیعوں کے نزدیک باطل ہے۔

۲۔ سنی ۔ اس طلاق میں صحت کے شرائط موجود ہوتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں (۱) بائن (۲) رجعی

طلاق بائن کے بعد شوہر رجوع نہیں کر سکتا زوجہ خواہ عدہ والی ہو یا نہ اس کی چھ قسمیں ہیں

۱۔ دخول سے قبل ۔

۲۔ نابالغ صغیرہ کی طلاق اگر اس سے مجامعت کی ہے ۔

۳۔ یائسہ کی طلاق، وہ عورت جو غیر قرشیہ ہو اس کی عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی ہو اور اگر قرشیہ ہے تو اس کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی ہو ۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے پچاس سال ہیں جیسا کہ حیض کی بحث میں گزر چکا ہے ۔ ان عورتوں کے لئے عدہ نہیں ہے ۔

۴۔ خلع، یعنی زوجہ کچھ خرچ کر کے طلاق حاصل کرے تو اس میں بھی شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔

۵۔ مباراۃ، اس میں بھی عورت کچھ مال شوہر کو دے کر طلاق لیتی ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوتا ہے

۶۔ تیسری طلاق کہ جس سے قبل شوہر دو مرتبہ رجوع کر چکا ہے ۔ یعنی ایک مرتبہ پہلی اور دوسری کے درمیان پھر دوسری و تیسری کے درمیان رجوع کر چکا ہو اور پھر تیسری مرتبہ طلاق دے تو اب اس عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کر کے طلاق دے یا مر جائے اور عدہ کی مدت گزر جائے اسی طرح تین طلاقوں کے بعد وہ عورت اس پر حرام ہوتی رہے گی اور دوسرے شخص کے نکاح و طلاق کے بعد وہ حلال ہو جائے گی ہاں اگر اسی طرح نو مرتبہ طلاق دے گا تو وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی

طلاق عدہ

نو ۹ مرتبہ طلاق دینے کو طلاق عدہ کہتے ہیں کیوں کہ نویں مرتبہ طلاق کے بعد زوجہ طلاق دینے والے

پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے ۔ طلاق عدہ دو شرائط سے ثابت ہوتی ہے ۔

۱۔ دو مرتبہ طلاق کے بعد رجوع کیا ہو دو مرتبہ از سر نو عقد کرنا کافی نہیں ہے اسی طرح ایک مرتبہ رجوع کرنا بھی کافی نہیں ہے۔

۲۔ ہر رجوع کے بعد وطی کی ہو ۔

محلل و حلیلہ کے لئے چار شرائط معتبر ہیں ۔

(۱) بالغ (۲) عاقل (۳) حیض کے مقام میں وطی کی ہو (۴) عقد دائمی ہو ۔

رجوع اور مریض کی طلاق

۱۔ چار شرائط کی موجودگی میں مطلقہ سے رجوع کرنا صحیح ہے ۔

(۱) زبان سے یا عمل سے رجوع کرے (۲) زوجہ عدہ میں ہو (۳) عدہ رجعی ہو (۴) رجوع کے وقت غفلت یا نیند و بے ہوشی میں نہ ہو ۔

رجوع کے لئے دو عادل گواہوں کی احتیاج نہیں ہے عورت کا قول قبول کیا جائے گا کہ عدہ حیض پر ختم ہوا ہے

۲۔ مریض کا اپنی زوجہ کو طلاق دینا مکروہ ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن ۔

زوجہ پانچ شرائط کی بنا پر شوہر کی میراث پا سکتی ہے ۔

(۱) شوہر کی موت طلاق کے وقت سے ایک سال بعد واقع ہو۔(۲) جس مرض میں شوہر نے طلاق دی تھی اس سے جاں بر نہ ہوا ہو۔(۳) خود زوجہ کے مانگنے پر طلاق نہ دی ہو۔(۴) طلاق خلع و مبارات نہ ہو۔ (۵) زوجہ نے عدہ کے بعد دوسرے شخص سے شادی نہ کی ہو ۔

اگر طلاق کے عدہ کے درمیان شوہر کا انتقال ہو جائے اور طلاق رجعی ہو تو ہر حال میں زوجہ شوہر کی میراث پائے گی اور اسی طرح اگر عورت مر جائے تو شوہر میراث پائے گا۔

عدہ کے احکام

عدہ کے سات اسباب ہیں

(۱) طلاق (۲) عیب کی وجہ سے فسخ (۳) ارتداد یا اسلام یا رضاعت کی وجہ سے عقد فسخ کر دیا گیا ہو۔ (۴) متعہ کی مدت تمام ہو گئی ہو (۵) وطی بالشبہ (۶) شوہر کا انتقال (۷) زوجہ سے دخول کیا گیا ہو ورنہ وفات کا عدہ رکھے گی۔

طلاق کا عدہ اگر عورت آزاد ہے تو تین حیض کے بعد عدہ ختم ہو جائے گا اور اگر عورت کنیز ہے تو دو حیض کے بعد عدہ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر آزاد عورت کا سن حیض والی عورت کے برابر ہے لیکن حیض نہیں آتا تو وہ قمری تین مہینے کا عدہ رکھے گی اور اگر کنیز ہے تو ۴۵ روز کا عدہ رکھے گی۔

حاملہ کا عدہ بچے کی پیدائش یا حمل ساقط ہونے تک ہے۔

صغیرہ، یائسہ اور جس سے مجامعت نہ کی ہو اس کا کوئی عدہ نہیں ہے۔

جس عورت کا شوہر مر جائے اگر وہ حاملہ نہیں ہے تو چار ماہ دس روز کا عدہ رکھے گی، خواہ وہ صغیرہ ہو یا بزرگ، یائسہ ہو یا غیر یائسہ شوہر نے اس سے مجامعت کی ہو یا نہ لیکن اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک عدہ رکھے۔ مشہور یہ ہے کہ ان آیتوں پر عمل کرے۔

۱۔ واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن " (سورہ طلاق آیت ۴)

اور وہ عورتیں جو حاملہ ہیں ان کا عدہ وضع حمل ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عدہ وضع حمل پر ختم ہو جاتا ہے ۔

۲ ۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن
بانفسھن اربعۃ اشھر و عشراً فاذا بلغن اجلھن فلا جناح
علیکم ۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳۴)

اور جو لوگ تم میں سے بیویاں چھوڑ کر مر جائیں ان کی بیویاں چار
مہینے دس روز انتظار کریں گی اس مدت کے بعد کوئی حرج نہیں ہے

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ چار ماہ دس روز کے بعد عدہ ختم ہو جاتا ہے ۔

ان دونوں آیتوں پر ایک ساتھ عمل کرنا متعین ہے اور اس کا اقتضا یہ ہے کہ زیادہ مدت کی رعایت کی جائے ۔

جس عورت کا شوہر مر جائے اس کے لئے عدہ کے زمانہ میں ان چیزوں سے پرہیز کرنا واجب ہے کہ جن کو عرف میں بدن یا لباس کی زینت کہا جاتا ہے یہ عورت خواہ مسلمہ ہو یا ذمیہ اسی طرح شوہر صغیر ہو یا بزرگ دائمی ہو یا موقت ۔

کنیز کے لئے زینت والی چیزوں سے پرہیز کرنا واجب نہیں ہے اور نہ ہی عدہ کے صحیح ہونے میں یہ شرط ہے اور ضرورت کے وقت گھر سے نکل سکتی ہے اگرچہ مکروہ ہے ۔

متعہ والی عورت کا عدہ

کنیز کا عدۂ وفات دو ماہ پانچ روز ہے اگر حاملہ نہ ہو اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل اور دو ماہ پانچ روز کا عدہ رکھے گی اور اگر اس کے مولا سے کوئی اولاد ہو یا مولا نے اس سے وطی کی ہو

تو اس کا عدہ وہی ہے جو آزاد عورت کا ہے ۔ ایک قول یہ ہے کہ بچہ آزاد ہو گا متعہ والی عورت کا عدہ دو حیض ہے اگر حیض کامل و متواتر آئے اور مسترابہ کے لئے ۴۵ روز ہیں یعنی جو عورت حیض کے سن میں ہے لیکن اسے حیض نہ آتا ہو اگر یہ حاملہ ہے تو وضع حمل پر اس کا عدہ ختم ہو جائے گا یا دو حیض دیکھے اور اس کا عدہ وفات چار ماہ دس روز ہے اگر حاملہ نہ ہو ورنہ دائمی عورت کے حکم میں ہے ۔

جس عورت سے شبہ کی بنا پر غیر مرد نے وطی کر لی ہو اور وہ شبہ کی بنا پر اسے اپنی زوجہ سمجھا اگر شبہ موضوع میں ہو جیسے کوئی شخص کسی عورت سے اپنی زوجہ سمجھ کر وطی کرے اور بعد (یا درمیان وطی) میں معلوم ہو کہ یہ اس کی زوجہ نہیں ہے اور اگر شبہ حکم میں ہو جیسے اپنی زوجہ کی بہن سے عقد کرے کہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ عقد صحیح ہے اور دخول بھی کیا ہو تو اس کا وطی بالشبہ والی عورت کا عدہ طلاق کا عدہ ہے ۔

طلاق خلع و مبارات

طلاق خلع یعنی جو عورت اپنے شوہر سے خوش نہ ہو اور وہ کچھ مال دے کر شوہر سے طلاق لیتی ہے ۔ اس طلاق کے صحیح ہونے میں وہی شرائط معتبر ہیں جو طلاق کی صحت کے بارے میں بیان ہوئے ہیں ۔ خلع لفظ خلع اور طلاق دونوں سے واقع ہوتی ہے خواہ جدا گانہ طور پر کہے یا ایک ساتھ جب عورت، شوہر کو مہر یا دوسرا مال دے دے تو اس وقت زوجہ کہے ۔

"بذلت لك ما عليك من المهر لتطلقني او تخلعني"

اور اس کے فوراً بعد مرد کہے

"انتِ طالق، او (انتِ) مختلعة على ما بذلت او اعطيت"

طلاق خلع دونوں کے وکیل بھی پڑھ سکتے ہیں اور شوہر (طلاق خلع میں) اس مال سے زیادہ کا مطالبہ کر سکتا ہے جو اس نے زوجہ کو دیا تھا۔

عورت جو مال شوہر کو دے اس کے لئے تین شرائط ہیں۔

۱۔ یہ مال طلاق کا عوض ہو۔

۲۔ یہ مال مملوک (عین ہو، قرض یا منفعت ہو۔

۳۔ مال معلوم ہو اگر عین ہے تو اس میں مشاہدہ کافی ہے یا وہ مال کسی پر قرض ہو اور اگر مال سامنے نہیں ہے تو اس کی جنس کا تعین ہوگا اور اس کی مقدار وصفت بتائی جائے گی۔

عورت عدہ کے درمیان شوہر کو دیئے ہوئے مال کو واپس لے سکتی ہے اور رجوع کر سکتی ہے اسی طرح مرد بھی رجوع کر سکتا ہے مگر یہ کہ شوہر رجوع کرنے پر قادر نہ ہو مثلاً تین مرتبہ طلاق دے چکا ہے یا اس عورت کے لئے عدہ ہی نہیں ہے جیسے یائسہ اور جس سے مجامعت نہیں کی گئی تھی۔ شوہر کی لاعلمی میں خلع والی عورت رجوع نہیں کر سکتی چاہے رجوع کا وقت گزر جائے۔

مبارات بھی خلع ہی کی طرح ہے لیکن تین شرائط میں جدا ہے

(۱) زن و شوہر دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہوں (۲) مہر سے زیادہ مال شوہر کو نہ دیا جائے (۳) جب لفظ بارئت واقع ہو جائے تو اس کے فوراً بعد انت طالق کہنا واجب ہے

طلاق بائن بھی خلع کی طرح ہے اس میں شوہر رجوع نہیں کر سکتا مگر یہ کہ عورت خود عدہ ختم ہونے سے قبل دیا ہوا مال واپس لے لے تو شوہر خلع کی طرح رجوع کر سکتا ہے۔

میراث

یعنی موت کے بعد انسان کی ملکیت کا اس کے قریبی عزیز کی طرف منتقل ہونا۔ اس انتقال کے تین اسباب ہیں۔

(۱) نسب (۲) زوجیت (۳) ولا

پہلے گروہ میں

۱۔ ماں، باپ اور جتنا سلسلہ اوپر جائے لڑکے لڑکیاں، پوتے، پوتیاں اور جتنا سلسلہ نیچے آئے

۲۔ دادا، دادی ان کے ماں، باپ۔ بہن بھائی اور ان کی اولاد خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں یہ والد کی طرف سے بہن بھائی ہوں یا ماں کی طرف سے یا دونوں طرف سے، ان کی دو صنفیں ہیں۔

۳۔ چچا، پھوپھیاں، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد اور ان کی ایک صنف ہے۔

دوسرے گروہ میں شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کی میراث پائیں گے۔

تیسرے گروہ میں تین طبقے ہیں

قرآن میں منصوص فرائض

(۱) نصف (۲) ربع (چوتھائی) (۳) دو ثلث (۴) ایک ثلث (۵) ثمن (۶) سدس

نصف کے حقدار تین ہیں

(۱) کوئی لڑکا نہ ہو فقط ایک لڑکی ہو۔ (۲) کوئی بھائی نہ ہو فقط ایک بہن ہو (۳) شوہر جب زوجہ کی کوئی اولاد نہ ہو۔

چوتھائی کے دو حقدار ہیں۔

(۱) زوجہ جب شوہر کی کوئی اولاد نہ ہو (۲) شوہر جب کہ زوجہ کی کوئی اولاد لڑکا یا لڑکی ہو۔

دو ثلث کے حقدار دو ہیں۔

(۱) دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں جب کوئی لڑکا نہ ہو (۲) دو یا دو سے زیادہ بہنیں خواہ پدری ہوں یا پدری و مادری ہر دو جب کہ کوئی بھائی نہ ہو۔

ایک ثلث کے حقدار دو ہیں۔

(۱) ماں جب کہ میت کا کوئی بیٹا، بیٹی اور بھائی بہن نہ ہو جیسا کہ بیان ہو گا (۲) دو بھائی دو بہنیں مادری یا ان سے زیادہ۔

ثمن کا حقدار ایک ہے۔

زوجہ شوہر کی میراث سے جب کہ اولاد موجود ہو ایک ثمن پائے گی

سدس (چھٹے حصے) کے حقدار تین ہیں۔

(۱) اولاد کے ہوتے ہوئے والد (۲) ایک بہن بھائی مادری (۳) اولاد کے ہوتے ہوئے والدہ یا دو بھائی یا ایک بھائی دو بہنیں یا چار بہنیں پدری و مادری۔

موانع ارث

موانع ارث تین ہیں۔ (۱) کفر (۲) قتل (۳) رق (غلامی)

۱۔ کفر کی تمام شکلیں یہاں تک کہ مرتد بھی، آنے والا بیان اسی کی فرع ہے۔ جب کسی مسلمان یا کافر میت کا وارث ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان یا کافر مسلمان ہو جائے تو تمام مال کا وارث مسلمان قرار پائے گا جب کہ مسلمان ایک ہی ہو اور جو مسلمان ہوا ہے اسے کچھ نہیں دیا جائے گا۔

۲۔ میراث تقسیم ہونے کے بعد اگر کافر اسلام لاتا ہے تو اسے میراث سے کچھ نہیں ملے گا۔

۳۔ اگر میراث تقسیم ہونے سے قبل کافر مسلمان ہو جائے اور مسلمان وارث متعدد ہوں، اگر ایک ہی طبقہ کے افراد ہیں تو سب کو برابر میراث ملے گی اور اگر ان میں سے کوئی اولیٰ ہے تو تمام میراث اسے ملے گی

۴۔ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اگرچہ ملل و نحل کے لحاظ سے ان میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو اسی طرح مسلمان بھی ایک دوسرے کا وارث بنے گا اگرچہ مذہب کے لحاظ سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

مرتد کا حکم

مرتد کی دو قسمیں ہیں (۱) مرتد فطری۔ (۲) مرتد ملی

مرتد فطری: یعنی جس کے ماں، باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو اور اس نے اسلام کا اظہار کر کے بعد میں اصول دین میں سے کسی ایک کا انکار دیا ہو یا ایسی فرع کا انکار کر دیا ہو جو ضرورت دین سے ہے۔

مرتد ملی: یعنی جس کے ماں، باپ دونوں کافر ہوں اور وہ بالغ ہونے کے بعد مسلمان ہو جائے اور پھر کفر کی طرف پلٹ گیا ہو۔

اگر مرتد فطری مرد ہے تو اس کی زوجہ اس سے جدا ہو جائے گی اور مرتد ہونے کے وقت سے وفات کا عدہ رکھے گی اور اس شخص کا مال ورثا کے درمیان تقسیم ہو جائے گا اور اس کی موت کا انتظار نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وہ مرتد کے حکم میں ہے کہ جس کا اسی وقت اس کا قتل واجب ہے اس کی توبہ سے مذکورہ تینوں احکام ساقط نہیں ہوں گے مگر یہ کہ باطنی یا باطنی وظاہری لحاظ سے اس کی توبہ قبول کر لی جائے کیوں کہ تکلیف اس پر واجب ہے ساقط نہیں ہوئی ہے اس کی عبادات صحیح ہیں اور اب وہ جو کمائے گا وہ اس کی ملکیت قرار پائے گا اور مسلمان عورت سے نکاح کرنا بھی جائز ہو جائے گا اور پہلی عورت کا عدہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ عقد کرنا بھی جائز ہوگا۔

اور اگر مرتد عورت ہے تو ارتداد کے وقت ہی مسلمان شوہر اسے چھوڑ دے گا اگر اس سے مجامعت کی تھی تو وہ طلاق کا عدہ رکھے گی پس اگر عدہ کے درمیان وہ توبہ کر لیتی ہے تو زوجیت میں پلٹ آئے گی ورنہ عدہ ختم ہو جانے کے بعد وہ شوہر سے علیحدہ ہو جائے گی اور اگر مجامعت نہیں کی تھی تو اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ مرتدہ عورت کو قید کیا جائے گا اگر یہ مرتدہ فطری ہے تو نماز کے اوقات میں اس وقت تک ماری جائے گی جب تک توبہ نہیں کرے گی باہر نہیں جائے گی۔

اور اگر مرتد ملی ہے تو اس کا مال ورثا میں اس کی موت کے بعد ہی تقسیم ہوگا اور ارتداد کے وقت ہی اس کی مسلمان زوجہ سے نکاح فسخ ہو جائے گا اسی طرح مرتدہ عورت ہے پس اگر وہ مجامعت کے بعد مرتد ہوئی ہے تو طلاق کا عدہ رکھے گی اور اگر مجامعت سے قبل مرتد ہوئی ہے تو اس کے لئے کوئی عدہ نہیں ہے اگر مرتد مرد یا مرتد عورت عدہ تمام ہونے سے قبل توبہ کر لیتی ہے تو مرتدۂ فطری کی طرح زوجیت میں لوٹ آئے گی۔

مرتد ملی کی تین مرتبہ توبہ قبول کی جائے گی اور چوتھی مرتبہ قتل کیا جائے گا۔

قتل : جان بوجھ کر ظلم سے قتل کرنا بھی موانع ارث میں سے ہے خواہ خود قتل کرے یا سبب بنے قاتل مقتول کی میراث نہیں پاسکتا ہے مقتول کی دیت اس کے مال کے حکم میں ہے

رق : غلامی بھی موانع ارث میں سے ہے غلام آزاد کا وارث نہیں بن سکتا اسی طرح آزاد بھی غلام کا وارث نہیں بن سکتا یہ آنے والی بحث اس کی فرع ہے ۔

۱۔ جب غلام وارث کی موت کے بعد آزاد ہو۔ اگر آزاد وارث ایک ہو یا غلام کی آزادی میراث تقسیم ہونے کے بعد واقع ہوئی ہو تو اس صورت میں اس کو حصہ نہیں ملے گا اور اگر آزاد متعدد ہوں اور میراث کی تقسیم سے قبل یہ آزاد ہو جائے تو میراث میں سب برابر کے حصہ دار ہیں لیکن طبقے کے لحاظ سے ان افراد کا مساوی ہونا ضروری ہے اور اگر طبقے کے لحاظ سے مساوی نہیں ہیں تو اولیٰ کو میراث ملے گی۔

۲۔ جب غلام کے علاوہ میت کا کوئی وارث نہ ہو تو میت کے مال سے اس غلام کو خرید کر آزاد کیا جائے گا اور باقی مال بھی میراث کے طور پر اسی کو دیا جائے گا اس صورت میں غلام کے مالک کو فروخت کرنے سے انکار کا حق نہیں ہے اگر انکار کرتا ہے تو جبراً خریدا جائے گا اور مالک کو قیمت میں بھی اضافہ کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ حاکم شرعی غلام کا ولی بن کر قیمت کے مطابق خریدے گا یا عادل مومنین اس کے ولی قرار پائیں گے اور اگر ترکہ غلام کی قیمت سے کم ہو تو قیمت کے برابر آزاد ہو جائے گا اور باقی کے لئے کوشش کرے گا۔

ولد ملاعنت، زنا، حمل اور غائب کے احکام۔

ملاعنت باپ بیٹے کے درمیان

توارث کو مانع ہے اسی طرح ولد ملاعنت کی میراث باپ کے قرابتداروں کو بھی نہیں ملے گی۔ اس لڑکے کی میراث اس کی ماں اور ماں کے قرابتدار پائیں گے جیسے اس کے بیٹے اس کی زوجہ وغیرہ۔

زنازادے کی میراث زانی اور زانیہ کو نہیں ملے گی اور نہ ہی ان کے قرابتداروں کو دی جائے گی بلکہ اس کی اولاد، زوجہ کو دی جائے گی اور یہ بھی ان کی میراث پائے گا۔

میت نے اگر زندہ حمل چھوڑا ہے تو اس کو میراث دی جائے گی اور جب تک وہ حمل میں ہے تو اس کے لئے دو مردوں کا حصہ چھوڑا جائے گا اور باقی کو دوسرے حقداروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

جنین کی دیت کے وارث ماں، باپ اور ان دونوں کے قرابتدار ہیں جو پدری لحاظ سے قریبی ہیں۔

جو شخص غائب ہو جائے اور ارتباط کا سلسلہ منقطع ہو تو چار سال کے بعد تلاش کے بعد اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا لیکن ہمارے علماء کے درمیان مشہور یہ ہے کہ اتنی مدت تک انتظار کیا جائے جتنی مدت تک اس کے ہم عمر زندہ نہ رہیں۔

ڈوبنے اور دب کر مرنے والے کی میراث

ڈوبنے اور دب کر مرنے والے کی میراث، خنثیٰ یا جس کے دوسر اور دو بدن ہوں اور جس کی شرمگاہ نہ ہو۔

تین شرائط کی موجودگی میں ڈوبنے اور دب کر مرنے والے بعض، بعض کی میراث پائیں گے۔

۱۔ سب یا بعض مال رکھتے ہوں ۔

۲۔ ان افراد میں سے ہوں جو ایک دوسرے کی میراث پاتے ہیں ۔

۳۔ ان میں کا پہلا مجہول ہو ۔

ان شرائط کے ہوتے ہوئے وہ ایک دوسرے کی میراث پائیں گے ....

مثلاً اگر باپ وبیٹا دونوں ڈوب جائیں تو پہلے بیٹے کی وفات فرض کی جائے گی اور اس کی میراث سے باپ کو حصہ دیا جائے گا اور پھر باپ کے ترکہ سے بیٹے کا حصہ دیا جائے گا جب کہ باپ کی طرف سے بیٹے کی طرف میراث منتقل نہیں ہو گی بلکہ ایک دوسرے کے وارثوں کی طرف منتقل ہو گی بعض اس حکم کی عمومیت کے قائل ہیں خواہ وہ ڈوب کر اور دب کر مرے یا اپنی طبعی موت مرے ۔ خنثیٰ کہ جو عضو تناسل بھی رکھتا ہو اور عورت کی شرمگاہ بھی پس اگر عضو تناسل سے پیشاب پہلے نکلتا ہے تو وہ مرد ہے اور اس کے لئے مرد کا حکم ہے اور اگر پہلے عورت کی شرمگاہ سے نکلتا ہے تو وہ عورت ہے اور اس کے لئے عورت کا حکم ہے اور اگر دونوں سے ایک ساتھ نکلتا ہے ۔ لیکن مرد کے عضو تناسل سے پیشاب کا سلسلہ پہلے منقطع ہوتا ہے تو مرد ہے اور اگر عورت کی شرمگاہ سے پہلے منقطع ہوتا ہے تو عورت ہے اور اگر ایک ساتھ منقطع ہوتا ہے تو اس کو نصف حصہ عورت کا اور نصف حصہ مرد کا دیا جائے گا ۔ جس شخص کے دو سر یا دو بدن ہوں تو سوتے وقت ان کا امتحان لیا جائے گا اور بیدار کیا جائے گا اگر دونوں ایک ساتھ بیدار ہوتے ہیں تو ایک ہے اور اگر ایک بیدار ہوتا ہے اور دوسرا نہیں تو دو ہیں اور جس کے مطلق طور پر فرج نہ ہو اس کو قرعہ کے ذریعہ میراث دی جائے گی ۔

پہلے گروہ کی میراث

۱۔ اگر تنہا باپ ہے تو میت کا کل مال اس کو ملے گا اور اگر فقط ماں ہے تو ایک تہائی فرض کے لحاظ سے اور باقی رد کے مطابق ملے گا اور اگر دونوں ہوں تو ماں کے لئے ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملتا ہے۔

۲۔ اگر فقط بیٹا ہے تو کل مال کا وارث ہے اور اگر کئی بیٹے ہیں تو برابر کے حقدار ہیں۔

۳۔ اگر صرف ایک لڑکی ہے تو نصف بالفرض اور باقی بالرد دیا جائے گا۔

۴۔ اگر دو یا زیادہ بیٹیاں ہیں تو ایک تہائی بالفرض اور باقی بالرد ان کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے گا۔

۵۔ جب کئی بیٹے اور کئی بیٹیاں جمع ہو جائیں تو بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر میراث ملے گی۔ جیسا کہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے۔

۶۔ اگر ایک بیٹا ہے تو ماں، باپ کو چھٹا حصہ اور باقی بیٹے کو ملے گا اور اگر کئی بیٹے ہیں تو مال مساوی طور پر تقسیم کریں گے۔

۷۔ اگر صرف ماں اور ایک بیٹی ہے تو ماں کو ایک حصہ اور باقی بیٹی کو ملے گا۔

۸۔ اگر ماں اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہیں تو ماں کو بالفرض پانچواں حصہ ملے گا اور باقی مساوی طور پر ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

۹۔ اگر ایک بیٹی اور ماں باپ ہوں تو ماں، باپ کو پانچواں حصہ اور باقی بیٹی کو ملے گا۔

۱۰۔ دو یا دو سے زیادہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے ماں باپ کو چھٹا حصہ اور باقی بیٹوں کو ملے گا اور اگر زوجہ یا شوہر ہوگا تو بیٹوں کے حصہ سے کم کیا جائے گا۔

پوتے، پوتیوں کی میراث

۱۔ پوتے، پوتیاں اولاد کے مرنے کے بعد ان کے قائم مقام ہیں، پس بیٹے کے بیٹوں کو دو تہائی جیسا کہ لڑکے کو لڑکی کے دو برابر ملتا ہے اور نواسی کو ایک تہائی ملے گا۔

۲۔ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو میراث نہیں ملے گی۔

۲۔ جب پوتے، پوتیاں اور دادا، دادی یا ان میں سے کوئی ایک ہو تو پوتے، پوتیاں اپنے والدین کے قائم مقام ہوں گے۔

دوسرے گروہ کی میراث

۱۔ ماں اور باپ کے دادا اور دادی اور ان کے اوپر کا سلسلہ، بہن، بھائی، بھتیجے، بھتیجیاں اور ان کے نیچے کے سلسلہ والوں میں سے اگر کوئی بھی پہلے طبقے کا ایک فرد بھی ہوگا تو کسی اور کو میراث نہیں ملے گی۔

۲۔ مادری و پدری بھائی اگر تنہا ہے تو مرنے والے کا کل مال ملے گا اسی طرح اگر مادری و پدری ایک بہن ہے تو بالفرض جو اس کا حصہ ہے وہ ملے گا اور قرابت کی وجہ سے باقی بالرد دیا جائے گا۔

۳۔ دو یا زیادہ مادری و پدری بہنوں کو دو تہائی فرض کے لحاظ سے اور باقی انھیں کو بالرد دیا جائے گا۔

۴۔جب مادری و پدری بھائی بہنیں ہوں تو بھائی کو بہن کے دو برابر حصہ ملے گا۔

۵۔ اگر مادری و پدری بہن بھائی نہ ہوں تو فقط پدری بھائی میراث پائے گا۔

۶۔ اگر فقط ایک مادری بھائی ہے تو وہ چھٹا حصہ فرض کے طور پر اور باقی رد کے لحاظ سے میراث پائے گا اسی طرح اگر تنہا ایک بہن یا زیادہ ہیں تو وہ ایک تہائی فرض کی بنا پر اور باقی رد کی وجہ سے میراث پائیں گی۔

۷۔ جب مادری و پدری بھائی، پدری بھائی، مادری بھائی جمع ہو جائیں تو مادری بھائی اگر ایک ہے تو چھٹا حصہ اور مادری بہن ہے تو ایک تہائی اور اگر بہن اور بھائی یا دونوں کی تعداد زیادہ ہے تو برابر سے تقسیم کریں گے اور باقی مادری و پدری بہن بھائیوں کو دیا جائے گا اور فقط پدری بھائی کو کچھ نہ ملے گا۔

۸۔ جب ایک بھائی پدری اور ایک بھائی مادری ہوں تو مادری بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو تیسرا حصہ ملے گا اور وہ اسے آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گے اور باقی پدری بھائی کو ملے گا۔

۹۔جب ایک پدری بہن اور ایک مادری بھائی یا بہن ہوں تو مال کے چار حصے کئے جائیں گے ایک بہن کو اور تین حصے پدری بھائی کو دیئے جائیں گے

۱۰۔جب دو پدری بہن اور ایک مادری بہن یا بھائی ہوں تو مال کے پانچ حصے کئے جائیں گے پدری بہن کو تین اور دو حصے مادری بہن یا بھائی کو دیئے جائیں گے زن و شوہر کا زیادہ حصہ ہے اور جب کوئی مادری و پدری عزیز ہو گا یا فقط پدری تو ان کے حصوں میں سے کم کر کے اسے دیا جائے گا۔

دادا، دادی کی میراث

۱۔ اگر تنہا دادا ہے تو کل مال کا وہ وارث ہے اسی طرح دادی اگر تنہا ہے تو کل میراث کی مالک ہے۔

۲۔ جب متعدد دادا دادیاں جمع ہو جائیں پس اگر وہ باپ کی طرف سے ہیں تو مرد (دادا) کو دو برابر اور ماں کی طرف سے ہیں تو آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گے۔

۳۔ جب چند دادا، دادیاں ہوں اور ان میں سے بعض ماں کی طرف سے اور بعض باپ کی طرف سے ہوں تو ماں کا عزیز اگر ایک ہے تو ایک تہائی اور باقی باپ کے قرابتداروں کو ملے گا۔ اگر قریب موجود ہے تو دور والے کو میراث نہیں ملے گی۔

۴۔ دادا اور بھائی اگر دونوں موجود ہیں تو برابر کے حقدار ہیں اسی طرح دادی اور بہن اگر دونوں موجود ہیں اور سلسلہ جتنا بھی اوپر جائے تو مساوی طور پر میراث پائیں گے۔

۵۔ بھتیجے اور بھانجی اپنے ماں باپ کے قائم مقام ہوں گے اور دادا، دادیاں کے ساتھ میراث پائیں گے اور جیسے جیسے مرنے والے سے قربت کا سلسلہ ہوگا اسی لحاظ سے میراث پائیں گے اگر سلسلہ ماں کی طرف سے ہے تو آپس میں مساوی طور پر تقسیم کرلیں گے اور اگر ماں باپ دونوں سے ہے تو لڑکوں کو لڑکی کے دو برابر حصہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن میں نص ہے۔

تیسرے گروہ کی میراث

چچا اور پھوپھیوں کی میراث

۱۔چچا، ماموں، پھوپھیوں اور خالہ اور جتنا بھی سلسلہ اوپر جائے اوران کی اولاد خواہ سلسلہ کتنا ہی نیچے جائے، پہلے طبقے میں اگر ایک فرد بھی موجود ہے تو ان لوگوں کو میراث نہیں ملے گی۔

۲۔اگر صرف چچا ہے اور کوئی وارث نہیں ہے تو کل مال اسے ملے گا اسی طرح اگر پھوپھی تنہا ہے تو کل مال اسے ملے گا یہی حکم کئی چچا اور پھوپھیوں کا ہے۔

۳۔جب چند چچا اور پھوپھیاں ایک ہی ماں باپ سے موجود ہوں یا فقط باپ سے ہوں تو مردوں کو دو اور عورتوں کو ایک حصہ ملے گا۔

۴۔جب ایک مادری چچا اور ایک مادری و پدری چچا اور ایک پدری چچا موجود ہوں تو مادری کو چھٹا اور اگر کئی ہیں تو تیسرا حصہ ملے گا اور باقی مادری و پدری چچا کو ملے گا اگر ایک ہے اور اگر کئی ہیں تو مردوں کو دو حصے اور عورتوں کو ایک حصہ ملے گا مادری و پدری چچا کی موجودگی میں پدری چچا کو میراث نہیں ملے گی لیکن اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو اسے ترکہ ملے گا۔

ماموں اور خالہ کی میراث کے احکام

۱۔اگر وارثوں میں تنہا ماموں ہے تو سارے مال کا مالک اسی کو قرار دیا جائے گا، اسی طرح وارثوں میں اگر تنہا خالہ ہے تو کل مال اسے ملے گا یہی حکم چند ماموں اور خالہ کا ہے۔

۲۔جب ایک ماموں مادری اور ایک مادری و پدری موجود ہوں تو مادری کو چھٹا اور اگر زیادہ ہوں تو تیسرا ملے گا جس کو وہ مساوی طور پر تقسیم کریں گے باقی مادری و پدری کو ملے گا خواہ ایک ہو یا متعدد اگر بہن بھائی ہوں تو علما کے درمیان مشہور ہے کہ مرد کو دو اور عورت کو ایک حصہ ملے گا۔ایک قول یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے میراث تقسیم ہوگی اگر سگے ماموں خالہ ہوں گے تو پدری اننا

کا قائم مقام قرار پائے گا۔

۳۔ ماموں یا خالہ اگر ایک ہے تو ترکہ کا تیسرا حصہ دیا جائے گا اور جب ماموں اور چچا یا پھوپھی ہوں تو دو تہائی دیا جائے گا

۴۔ جب ایک چچا اور ایک ماموں ہوں تو ماموں کو ایک تہائی اسی طرح اگر ایک خالہ ہو تو اسے بھی ایک تہائی دیا جائے گا اور باقی مال چچا کو ملے گا اور یہی حکم پھوپھی کا بھی ہے اور اگر ماموں خالائیں، چچا اور پھوپھیاں ہوں تو ماموں اور خالائیں آپس میں اسی ایک تہائی کو مساوی طور پر تقسیم کریں گے اور چچا و پھوپھیاں آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گے۔

۵۔ جب ایک ماموں مادری اور ایک مادری و پدری اور ایک پدری، مادری و پدری چچا کے ساتھ جمع ہو جائیں تو مادری ماموں کو چھٹا حصہ ملے گا اگر تنہا ہے اور اگر متعدد ہیں تو ایک تہائی ملے گا اور اسے آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گے اور باقی مال مادری و پدری چچا کو ملے گا، پدری چچا کو کچھ نہیں ملے گا۔

مادری چچا کو چھٹا حصہ اگر ایک ہے اور اگر متعدد ہیں تو ایک تہائی اور باقی سگے (یعنی مادری و پدری) کو ملے گا اور پدری کو کچھ نہیں دیا جائے گا، ہاں جب مادری و پدری نہ ہو گا تو دیا جائے گا اگر ان مذکورہ افراد کے ساتھ شوہر یا زوجہ بھی موجود ہو تو ہر ایک اپنا اپنا حصہ پائے گا۔

چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی اولاد کی میراث

مذکورہ افراد کی اولاد ان کی قائم مقام ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک قرابت کے لحاظ سے میراث پاتا ہے۔ قریبی کے ہوتے ہوئے دور والے کو میراث نہیں مل سکتی لیکن اگر مادری و

پدری چچا کا بیٹا ہو اور ایک پدری چچا ہو تو کل میراث ابن عم کو ملے گی اور ہمارے نزدیک دیگر چچاؤں کو کوئی حصہ میراث سے نہیں ملے گا۔ باپ کے چچا، ماموں، پھوپھیاں اور خالائیں مذکورہ افراد کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام ہوں گے اور قریبی کی موجودگی میں بعید کو میراث نہیں ملے گی ۔

اور اگر کوئی میت سے ایسے دو رشتوں سے قریب ہو کہ جو مشترک ہیں تو دونوں کی بنا پر میراث پائے گا جیسے چچازاد بھائی اور شوہر بھی ہے ماموں زاد بھائی ہے اور شوہر بھی ہے ۔

زوجہ اور شوہر کی میراث

۱۔ دائمی زوجہ شوہر کے مال سے اولاد کی عدم موجودگی میں چوتھائی حصہ بطور میراث لے گی خواہ اس سے مجامعت کی ہو یا نہ کی ہو اور اولاد کی موجودگی میں آٹھواں حصہ لے گی اولاد لڑکا ہو یا لڑکی ۔

۲۔ شوہر زوجہ کے مال سے نصف میراث پائے گا اگر اس سے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو گی تو چوتھائی حصہ بطور میراث پائے گا ۔

۳۔ اگر زوجہ کا شوہر کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو تو شوہر نصف فرض کی بنا پر اور نصف رد کی وجہ سے میراث لے گا، ایک قول یہ ہے کہ رد کی وجہ سے میراث نہیں پائے گا ۔

۴۔ اگر شوہر کا کوئی وارث زوجہ کے سوا نہ ہو تو فرض کے بعد زوجہ پر رد کے لئے دو میں دو قول ہیں ۔

۵۔ جس شخص کی دو، تین، چار بیویاں ہوں وہ چوتھائی اور ثمن میں مشترک ہیں ۔

۶۔ طلاق رجعی والی عورت زوجہ کے حکم میں ہے پس اگر عدہ کے زمانہ میں شوہر مرجائے تو اس کی میراث پائے گی اسی طرح اگر عدہ کے زمانہ میں زوجہ مرجائے تو شوہر اس کی میراث پائے گا۔

۷۔ اگر حالت مرض میں زوجہ کو طلاق دے تو چار شرائط سے زوجہ میراث کی مستحق ہے۔

۱۔ اس مرض کو ایک سال پورا نہ ہونے سے قبل مرجائے۔

۲۔ طلاق کا مطالبہ خود زوجہ نے نہ کیا ہو۔

۳۔ طلاق خلع و مبارات نہ ہو۔

۴۔ زوجہ نے دوسرا شوہر نہ کیا ہو۔ طلاق میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ رجعی ہو بائن۔

۸۔ اگر مرض کی حالت میں چار بیویوں کو طلاق دے اور (دوسری) چار عورتوں سے شادی کر لے اور طلاق کے وقت سے اس مرض کو ایک سال پورا ہونے سے قبل مرجائے تو گزشتہ شرائط کے ہوتے ہوئے چاروں مطلقہ عورتیں بعد والی چاروں عورتوں کے ساتھ اولاد کی موجودگی میں آٹھویں حصہ میں اور اولاد کی عدم موجودگی میں چوتھائی میں شریک ہیں۔

۹۔ جب چار میں سے ایک کو طلاق دے اور ایک دوسری سے نکاح کرے اور جس مرض میں طلاق دی تھی اسی میں انتقال ہو جائے تو مطلقہ مذکورہ شرائط کے اعتبار سے میراث کی مستحق ہے اور آخری زوجہ کے لئے اولاد کی موجودگی میں آٹھویں میں سے چوتھائی اور عدم موجودگی میں چوتھے میں سے چوتھائی اور باقی چار بیویوں کو آٹھویں حصہ میں سے تین چوتھائی اگر اولاد ہے اور اگر اولاد ہے اور اگر اولاد نہ ہو تو چوتھے میں سے تین چوتھائی ترکہ کی حقدار ہے۔

۱۰۔ اگر ایک یا زیادہ سے نکاح کرے اور مجامعت نہ کی ہو اور جس مرض میں عقد کیا تھا اسی میں مرجائے تو زوجہ کو میراث نہیں ملے گی۔

۱۱۔ شوہر زوجہ کا ترکہ اور زوجہ شوہر کے ترکہ میں سے تمام منقول چیزوں میں سے میراث پائیں گے اور زمین سے زوجہ میراث نہیں ملے گی نہ زمین اور نہ اس کی قیمت۔ ہاں بنیاد (عمارت) آلات، درخت اور کھجور وغیرہ میں سے قیمت بطور میراث دی جائے گی اور قیمت کا حساب اسی روز کے لحاظ سے ہوگا جس روز ادا کی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ لڑکے والی کو تمام ترکہ سے میراث ملے گی۔

اولیاء کے طبقات

۱۔ غلام کا ولی اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی تین شرائط کے ساتھ میراث پائے گا

۱۔ غلام کو بغیر کسی عوض کے آزاد کیا ہو۔

۲۔ اس کا کوئی ضامن جریرہ نہ ہو۔

۳۔ غلام کا قریب یا بعید کا کوئی وارث موجود نہ ہو جو اس کی میراث لے سکے۔

۲۔ ولی کی موجودگی میں زن و شوہر میں سے ہر ایک کو اعلیٰ حصہ دیا جائے گا۔

۳۔ اگر غلام کو آزاد کرنے والی ایک جماعت ہے تو سب اس کی میراث میں شریک ہیں۔

۴۔ اگر آزاد کرنے والا مرد تھا اور غلام کے انتقال سے قبل اس کا انتقال ہو گیا تو جو مردوں میں اس کا ولی ہوگا غلام کی میراث اسے ملے گی جیسے باپ بیٹے۔ جتنا بھی سلسلہ نیچے جائے۔ اور اگر آزاد کرنے والی عورت ہے تو اس کے قرابتداروں کو غلام کی میراث ملے گی یعنی عورت کے بھائیوں کو ملے گی نہ کہ اولاد کو اور اگر باپ و بھائی موجود نہ ہوں تو بھائیوں کے ولی اور باپ کے اجداد کو ملے گی ماں کے قرابت داروں کو میراث نہیں ملے گی اگر ان میں سے کوئی نہ رہا ہو تو چچاؤں کو ملے گی۔

۵۔ حق ولایت کا بیچنا، ھبہ کرنا اور بیع میں اسے شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۶۔ ولایت کا جاری ہونا صحیح ہے پس اگر ایک کنیز غلام سے حاملہ ہو تو پیدا ہونے والے بچہ کا ولی کنیز کا مولا ہے اگر اس کا باپ آزاد ہو جائے تو اس کی ولایت آزاد شدہ باپ کی طرف منتقل ہو جائے گی اگر باپ نہ ہو تو باپ کے والدین اور ان کی اولاد ذکور کی طرف منتقل ہو گی اگر ان میں سے کوئی باقی نہ ہو تو ان کے قرابتدار اس کے ولی قرار پائیں گے اور اگر وہ بھی مر چکے ہوں تو اس کے باپ کو آزاد کرنے والا ولی بنے گا اور اگر وہ بھی نہ ہو تو باپ کے آزاد کرنے والے اور اس کے آزاد کرنے والے ـــــ ولی قرار پائیں گے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو آزاد کرنے والے کے قرابتداروں میں سے اولاد ذکور کو ولایت ملے گی اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو ضامن جریرہ کو اور اگر ضامن جریرہ بھی نہ ہو تو امامؑ ولی قرار پائیں گے اور امام کے غلام کی طرف ولایت منتقل نہیں ہو گی۔

دوسرا گروہ ضامن جریرہ

۱۔ ضامن جریرہ کی ولایت یعنی ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ میری جنایت کے آپ ضامن ہیں اور میری میراث کے بھی آپ ہی مالک ہیں ۔

۲۔ اس کا صیغہ یہ ہے کہ وہ ولی بنانے والا کہے کہ میں آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ مجھے اس کیس سے بچائیں گے تو میری میراث پائیں گے دوسرا اسے قبول کرے تو پہلے شخص کی موت کے بعد جب اس کا کوئی نسبی یا سببی وارث نہ ہو گا تو اس کے ضامن کو میراث ملے گی۔

۳۔ ضامن جریرہ کے انتقال کے بعد یہ میراث اس کے وارثوں کو نہیں ملے گی۔

۴۔ یہ عقد (معاہدہ) اسی صورت میں صحیح ہے جب کوئی نسبی وارث اور آزاد کرنے والا موجود نہ ہو۔

تیسرا گروہ ولایت امامؑ

جس شخص کا کوئی نسبی یا سببی جیسے شوہر، آزاد شدہ غلام کا ولی اور ضامن جریرہ نہ ہو تو اس کی میراث کا وارث امام قرار پائے گا پس اگر مرنے والے کی ایک زوجہ ہے تو وہ ترکہ میں سے چوتھائی حصہ میراث لے گی اور باقی امامؑ کو پہنچے گی وہ جہاں چاہے اسے صرف کرے، مشہور یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے شہر کے فقیروں میں اور مفلس ہمسائیوں میں تقسیم کیا تھا۔ امام کی غیبت کے زمانہ میں حاکم شرعی اس کا وارث ہو گا۔

خلیفہ دوم عمر نے فرائض میں عول کے بارے میں اشتباہ کیا

عول کی حقیقت یہ ہے کہ ارباب سہام کی میراث سے کچھ حصہ کم کیا جائے جیسے شوہر کو نصف اور دو یا زیادہ بہنوں کو اجتماع کی صورت میں دو تہائی دیا جائے۔

ایک مرتبہ عمر نے میراث تقسیم کی اشتباہ سے دوچار ہوئے تو تمام ارباب سہام میں سے کم کرنے کا حکم دے دیا اور جس کو خدا نے مقدم کیا تھا اسے موخر اور جسے موخر کیا تھا اسے مقدم کر دیا جیسا کہ حاکم نے اپنی مستدرک کی جلد ۴ کتاب الفرائض کے صفحہ ۳۴۰ پر تحریر کیا ہے اور بخاری و مسلم کی شرط پر اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اپنی تلخیص میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا سب سے پہلے فرائض میں عمر نے عول کیا ہے، قسم خدا کی اگر خدا کے مقدم کردہ کو مقدم اور موخر

کئے ہوئے کو موخر کیا جاتا تو فرائض (میراث کی تقسیم) میں عول نہ ہوتا۔

ابن عباس سے کہا گیا کہ کون سا فریضہ موخر ہے کہا کہ ہر وہ فریضہ جسے خدا نے کسی فریضہ کے ذریعہ موخر کیا ہو جیسے خدا نے بیوی، شوہر اور ماں کو فریضہ میں مقدم کیا ہے اور جس فرض کا وارث نہ ہو گا تب وہ دوسرے طبقے والے کو ملے گا۔ اور جن لوگوں کو خدا نے ان سے موخر کیا ہے جیسے بہنیں اور بیٹیاں جب دونوں موجود ہوں گی یعنی خدا نے جن کو مقدم کیا ہے اور وہ جنہیں موخر کیا ہے وہ جمع ہو جائیں تو پہلے مقدم کو اس کا پورا حق دیا جائے گا اس کے حق کے بعد کچھ بچے گا تو وہ دوسرے کو دیا جائے گا۔

اس حدیث کا اقتضا ماں اور شوہر و زوجہ کے اجتماع کی صورت میں یہ ہے کہ زن و شوہر دونوں کو ان کا فریضہ یعنی چوتھائی اور ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے اور باقی دونوں لڑکیوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے ــــ ماں اور بیٹیوں کے ہوتے ہوئے بہنوں کو میراث نہیں ملے گی کیوں کہ بہنیں دوسرے طبقے میں ہیں جب کہ بیٹیاں اور ماں پہلے طبقے میں موجود ہیں

شیعہ تعصیب کے قائل نہیں ہیں

تعصیب کی حقیقت یہ ہے کہ میت کے وہ قرابتدار کہ میراث میں جن کے حصے مقرر ہیں انہیں میراث دینے کے بعد جو مال بچ جائے وہ دور کے ذوی الارحام کو دیا جائے جیسے ماں اور ایک بیٹی کہ دونوں طبقہ اولی سے متعلق ہیں اور ایک میت کا بھائی کہ اس کا تعلق دوسرے طبقے سے ہے جمع ہو جائیں یا بھائی کے بجائے چچا موجود ہو کہ جس کا تعلق تیسرے طبقے سے ہے تو اہل سنت یہاں اس طرح میراث تقسیم کرتے ہیں کہ ماں اور بیٹی کا حصہ دے کر باقی عصبہ (یعنی چچا اور بھائی) کو دیں گے

لیکن ہمارے نزدیک کل میراث ماں اور بیٹی کو فرض اور رد کے طریقہ سے دی جائے گی اور عصبہ کو کوئی چیز نہیں دی جائے گی جیسا کہ اس سلسلہ میں قرآن میں نص وارد ہوئی ہے

"کتاب خدا میں بعض صاحبان رحم بعض سے اولیٰ ہیں"[1]

اور سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے ۔

"تمہارے اوپر یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت سامنے آجائے تو اگر کوئی مال چھوڑ رہا ہے تو اپنے ماں باپ اور قرابتداروں کے لئے وصیت کر دے یہ صاحبان تقویٰ پر ایک طرح کا حق ہے"[2]

دونوں آیتوں کے مفہوم کا تعلق واضح طور پر تعصیب سے نہیں ہے کیوں کہ ماں اور ایک یا ایک سے زیادہ بیٹیاں رحم کے لحاظ سے میت سے بہ نسبت میت کے بھائی، چچا سے زیادہ قریب ہیں اور بیٹے بیٹیاں اگر موجود ہیں تو باپ کی میراث میں اپنے اپنے حصہ کے مستحق ہوں گے جیسا کہ قرآن میں اس سلسلے میں نص موجود ہے ۔

"اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا"[3]

اس آیت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے بیٹے بیٹیاں میت سے قرب کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں اور اولیٰ ہیں پس بیٹیاں باپ کی میراث کی زیادہ حقدار ہیں بہ نسبت میت کے بھائی اور

---

[1] ۔ سورۂ انفال آیت ۷۵ ۔ [2] سورہ بقرہ آیت ۱۸۰ ۔ [3] سورہ نساء آیت ۱۱ ۔

چچا کے خواہ ان کا فریضہ مقرر تھا نہیں کیونکہ مذکورہ دونوں آیتیں مطلق ہیں ان میں کوئی قید ایسی نہیں ہے کہ جس سے ان کی اولیت کی نفی ہوتی ہو جس طرح بیٹے باپ کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں کیوں کہ وہ باپ سے زیادہ قریب ہیں اور میت کا چچا، بھائی ان کی اولاد (بیٹوں) کی میراث میں شریک نہیں ہیں اسی طرح بیٹیاں بھی ان لوگوں کے لئے حاجب ہیں اور اپنے باپ کی تمام میراث کی خود ہی مستحق ہیں ان کا وجود دوسروں تک میراث پہنچنے میں مانع ہیں جیسا کہ ذوی الارحام دور والے کے لئے حاجب و مانع ہیں اور یہ بات معقول نہیں ہے کہ میت سے بیٹوں کی اولویت سلب و ختم ہو جائے کہ جس سے تعصیب صحیح ہو جائے اور یہ تو اس بات سے واضح ہے کہ وہ چچا اور بھائی کے باپ سے زیادہ قریب ہیں پس بیٹیاں چچا اور بھائی سے زیادہ میراث کی مستحق اس لئے فریضے کے بعد باقی میراث رد کے طور پر انہیں کو دی جائے گی اس لئے کہ آیتیں مطلق ہیں اور اقرب کو اولویت حاصل ہے۔

محمد ابن عبد الوہاب شعرانی اپنی میزان الاعتدال کی جلد ۲ ص ۱۰۳ پر اور محمد ابن عبد الرحمٰن دمشقی عثمانی میزان الاعتدال کے حاشیہ کتاب الرحمہ جلد ۲ ص ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کہتے ہیں

"ماں کو فرض اور رد کے طور پر میراث دی جائے گی، بیٹی کو فرض کے لحاظ سے نصف اور باقی رد کے طور پر میراث ملے گی۔

ان دونوں اقوال کا اقتضیٰ یہ ہے کہ دونوں پر باقی حصہ رد کیا جائے اور یہی شیعوں کا نظریہ ہے۔

قضاوت

طاغوت کے پاس اپنا جھگڑا لے جانا جائز نہیں ہے یہ وہ حاکم ہے جس کے لئے خدا نے نہی فرمائی ہے پس جو طاغوت کے پاس اپنا جھگڑا لے جائے گا وہ قرآن کے لحاظ سے منافق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا خیال یہ ہے کہ وہ آپ پر اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی چیزوں پر ایمان لے آئے ہیں اور پھر یہ چاہتے ہیں کہ سرکش لوگوں کے پاس فیصلہ کرائیں جب کہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ انہیں گمراہی میں دور تک کھینچ لے جائے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حکم خدا اور رسول کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھو گے کہ وہ شدت سے انکار کر دیتے ہیں۔ پس آپ کے پروردگار کی قسم یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں گے اور پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے دل میں تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں۔ ۱

۱۔ سورۂ نساء، آیت ۶۰، ۶۱، ۶۵۔

یہ خدا کے نازل کئے ہوئے قانون کے بغیر حاکم بن بیٹھے ہیں جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے۔

اور جو بھی ہمارے نازل کئے ہوئے قانون کے
مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ سب کافر شمار ہوں گے۔
اور جو بھی خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ
کرے گا وہ ظالموں میں شمار ہوگا۔[۱]

قرآن میں اس شخص کو ظالم کہا گیا ہے جو خدا کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور جو شخص اپنا جھگڑا طاغوت کے پاس فیصلہ کے لئے لے جاتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

اور خبردار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاؤ اختیار
نہ کرنا کہ جہنم کی آگ تمہیں چھوئے گی۔[۲]

اور سورہ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے

کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں جب کہ صاحبان
یقین کے لئے اللہ کے فیصلہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔[۳]

ان آیات کا مفہوم واضح ہے کہ جو بھی اپنا جھگڑا طاغوت کے پاس فیصلہ کے لئے لے جائے گا اور انہیں اپنا حاکم تسلیم کرے گا تو اگر اس نے فیصلہ صحیح کیا اور قرآن کی طرح قضاوت کی تو بھی فیصلہ کرانے والے نے سحت اختیار کیا اور حرام کھایا ہے۔ کیوں کہ اس نے

۱۔ سورہ مائدہ آیت ۴۴، ۴۵، ۴۷ ۲۔ سورۂ ہود آیت ۱۱۳ ۳۔ سورۂ مائدہ آیت ۵۰۔

طاغوت سے فیصلہ کرایا ہے جب کہ قرآن نے اس سے اجتناب کا حکم دیا ہے ۔ خدا نے مذکورہ آیات میں کافر حاکموں سے فیصلہ کرانے کے لئے نہی فرمائی ہے اور جو بھی خدا کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ ظالم و فاسق ہے اور جو ایسے حاکموں کی طرف رجوع کرتا ہے وہ مطلق طور پر منافق ہے ہاں اس وقت طاغوت سے فیصلہ کرا سکتا ہے جب کہ حق کا حاصل کرنا اسی پر موقوف ہو جیسا کہ خداوند عالم سورہ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے ۔

"جب تم میں سے کوئی کسی کی طرف مضطر ہو جاؤ" [1]

اور رسولؐ کا قول ہے کہ :

" خدا نے جس چیز کو بھی حرام قرار دیا ہے اسے مجبوری کے وقت حلال بھی قرار دیا ہے "

قاضی کے صفات

قاضی کے لئے نو۹ شرائط معتبر ہیں

(۱) بالغ (۲) عاقل (۳) مومن (۴) عادل (۵) حلال زادہ (۶) مرد (۷) مستقل طور پر فتوے کی اہلیت رکھتا ہو (۸) جتنا علم عادتاً قاضی کے لئے ضروری ہو اس مقدار کا حامل ہو (۹) معصومؑ کی اجازت ہو ۔ آنے والے مسائل اسی کی فرع ہیں ۔

۱۔ فقہائے اہل بیت میں سے مذکورہ شرائط کے حامل فقیہ کا فیصلہ زمانہ غیبت میں تمام افراد

---

[1] ۔ سورۂ مائدہ آیت ۱۲۰ ۔

۱۰۔ اگر قاضی گواہوں کی عدالت سے ناواقف ہو تو خود ان سے بحث کرے جیسا کہ نبی اکرمؐ نے کیا تھا۔

۱۱۔ جب قاضی گواہوں کی ظاہری عدالت پر اعتماد کرلے اور بعد میں حکم سے متصل وقت میں دونوں کا فسق ظاہر ہو جائے تو اس کا حکم ختم ہو جائے گا۔

۱۲۔ عدالت کے سلسلہ میں حسن ظاہری پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ عدالت مطلق طور پر گواہی سے ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۴۔ تفسیر کے بغیر جرح ثابت نہیں ہوتی ایک قول ہے کہ عدالت کی طرح مطلق طور پر ثابت ہوتی ہے۔

۱۵۔ جب گواہوں کی جرح وتعدیل میں تعارض (اختلاف) ہو تو جرح کو مقدم کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ قاضی توقف کرے گا کیوں کہ کوئی مرجح نہیں ہے۔

۱۶۔ گواہوں سے الگ الگ بیان لینا مستحب ہے خصوصاً تہمت کے سلسلہ میں۔

۱۷۔ جب قاضی پر اقرار نامہ لکھنا واجب ہو تو اس کے مقدمات ولوازمات فراہم کرنا قاضی پر واجب نہیں ہے ہاں اگر بیت المال سے ان کے مصارف قاضی کو دیئے جائیں تو واجب ہے

۱۸۔ گواہ کی گواہی کے درمیان قاضی دخل اندازی نہیں کرسکتا کہ جس سے اپنے مطلب کی بات کہلوائے یا گواہ سے ایسی بات کہلوائے کہ جو اس کے لئے مضر ہے بلکہ اس درمیان خاموشی سے گواہی سنے گا اور اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

۱۹۔ گواہ جب گواہی کی دلیلوں میں متردد ہو تو قاضی کے لئے دلیلوں میں اس کی ترغیب کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے برعکس یہ کہ دلیلوں میں متردد کرنا بھی جائز نہیں ہے جب کہ وہ

پر نافذ ہوں گے اور ایسے فقیہ کو حاکم شرعی کہتے ہیں ۔

۲۔ جھگڑوں میں حاکم شرعی سے فیصلہ کرانا واجب ہے اور غیر کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے

۳۔ فیصلوں کے لئے معتبر و موثق اور شرائط کے حامل انسان کو مقرر کرنا مستحب ہے۔ حاکم ہونا واجب نہیں ہے ہاں اگر امامؑ نے اس پر لازم کر دیا ہے تو واجب ہے یا اس کے علاوہ دوسرا اس کام کے لئے موجود نہیں ہے تو اس کا تعین ہو گا ۔

۴۔ معصومؑ کو حقوق اللہ اور حقوق الناس میں اپنے علم کی بنا پر فیصلہ کرنے کا حق ہے ۔

۵۔ غیر معصوم حاکم انسانوں کے حقوق میں اپنے علم سے فیصلہ کر سکتا ہے اور حقوق اللہ کے بارے میں اگر اپنے علم کی بنا پر فیصلہ کرے تو اس کے صحیح ہونے کے بارے میں دو قول ہیں، علماء کے درمیان صحیح ہونا مشہور رہے ۔

۶۔ جب حاکم کو علم نہ ہو تو گواہوں کے علم پر اس وقت فیصلہ کر سکتا ہے جب ان کی عدالت کا علم رکھتا ہو۔

۷۔ حاکم کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے فیصلہ کی چھان بین کرے یا اسے بدل دے مگر یہ کہ محکوم علیہ یہ دعویٰ کرے کہ پہلے فیصلہ و حکم میں مجھ پر ظلم ہوا ہے تو قاضی کے لئے لازم ہے کہ اس فیصلہ پر نظر (ثانی) کرے ۔

۸۔ اگر حاکم کو گواہی کے لئے مترجم کی ضرورت پیش آئے تو اس کی بات دو عادل گواہوں کی تائید کی بنا پر قبول کی جائے گی ۔

۹۔ اگر قاضی کو کاتب کی ضرورت پیش آئے تو کاتب کا بالغ، عاقل، مومن، عادل ہونا واجب ہے ۔

یقینی طور پر گواہی دے رہا ہو۔

۲۰۔ قاضی کے لئے ایسا کام کرنا جائز نہیں ہے کہ جو مدعی علیہ کے لئے مدعی کے حق سے انکار کا سبب بنے مگر یہ کہ اس کا تعلق حقوق خدا سے ہو اس لئے کہ نبیؐ نے ماعز کے ساتھ یہی سلوک اس وقت کیا تھا جب اس نے زنا کا اقرار کیا تھا اور نبیؐ نے فرمایا تھا

"شاید تم نے اس کے بوسے لئے ہوں اور چھوا ہو"،

مشہور ہے کہ اس حدیث میں رسولؐ چاہتے تھے کہ وہ چار مرتبہ اقرار نہ کرے۔

۲۱۔ حاکم کے لئے رشوت لینا جائز نہیں ہے اور رشوت دینے والا گناہگار ہے جب کہ وہ رشوت کے ذریعہ غلط فیصلہ اپنے حق میں کرانا چاہتا ہو کیوں کہ رسولؐ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت کی ہے۔ اگر کسی کے حق کا حصول رشوت دینے پر ہی موقوف ہے تو رشوت دینے والا گناہگار نہیں ہے جب کہ لینے والا اس سے بری نہیں ہے رشوت لینے والے کے لئے واجب ہے کہ وہ اسے واپس کرے۔

حاکم کی ذمہ داریاں

۱۔ فریقین سے سلام و کلام، نشست و برخاست میں یکساں برتاؤ کرے اور حکم میں عدل و انصاف سے کام لے، داخل ہونے کی اجازت خندہ پیشانی سے دے لیکن یہ اس وقت کرے جب فریقین اسلام یا کفر میں مساوی ہو۔

۲۔ حاکم کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک فریق کو ایسی باتیں بتائے کہ جس سے دوسرے فریق کو ضرر پہنچے۔

۳۔ فریقین میں سے کسی ایک کو ایسی دلیلیں نہ بتائے کہ جس سے ایک کی پشت پناہی ہو رہی ہو۔

۴۔ جب فریقین میں بول چال بند ہو جائے تو قاضی دونوں سے بول چال کے لئے یا یہ کہے کہ تم میں سے مدعی کو بولنا چاہیئے اور اپنی غلطی اس بات میں سمجھے کہ میں ان سے نہ کہوں کہ تو کسی ایسے شخص کو حکم دے کہ جو ان سے گفتگو جاری کرنے کے لئے کہے۔

۵۔ دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان مصالحت کی ترغیب کے بعد فیصلہ کرنا لازم ہے اگرچہ وہ انکار کرتے ہوں جب کہ حاکم کے نزدیک حکم واضح ہو اور جب ان میں سے کوئی ایک یا دونوں انکار کریں تو حکم جاری کرے۔

۶۔ پہلے جو آئے تو فریق ثانی کے آنے کے بعد پہلے سے گفتگو کرے گا اور جب یہ نہ معلوم ہو کہ کون پہلے آیا ہے اور کون بعد میں یا دونوں ایک ساتھ آئے ہیں تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں

۱۔ دونوں کے درمیان قرعہ کشی کی جائے گی۔

۲۔ دو مدعیوں کے نام لکھے جائیں گے نہ کہ ان کے مخالف کے، کیوں کہ حق انھیں کا ہے

۷۔ جس نے دعویٰ کرنے میں پہل کی ہو اس کو مقدم کیا جائے گا اور جب دونوں نے ایک دفعہ دعویٰ کیا ہو تو داہنی طرف والے کو مقدم کیا جائے گا۔

۸۔ جب مخالف حق کا اقرار کرے تو اس کو اسی پر عمل کرنے کو کہا جائے گا لیکن جب اقرار کرنے والا بالغ، عاقل اور مختار ہو اور اگر وہ اس پر قدرت رکھنے کے باوجود انکار کرتا ہے اور مدعی اس سے طلب کرتا ہے تو اسے قید کیا جائے گا۔

۹۔ اگر محکوم علیہ کا تنگ دست ہونا ثابت ہو جائے تو قاضی اسے خوش حال ہونے تک کی چھوٹ دے گا۔

فیصلہ کی صورت وکیفیت

۱۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حق مدعی کا ہے تو حاکم مدعی سے کہے میں نے تمہارا فیصلہ اس طرح کر دیا ہے۔

۲۔ مدعا علیہ انکار کرے تو مدعی سے بینہ طلب کیا جائے گا اگر وہ بینہ لے آتا ہے تو فیصلہ مدعی کے حق میں سنائے گا۔

۳۔ جب مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر قسم کھائے گا بشرطیکہ مدعی اس سے قسم کھانے کے لئے کہے تو حاکم اس سے حلف اٹھوائے گا، مدعی کے مطالبہ کے بغیر منکر سے حلف نہیں لیا جا سکتا ہے۔

۴۔ جب منکر خواہ مخواہ قسم کھائے گا تو قبول نہیں کی جائے گی اسی طرح اگر حاکم اس سے خواہ مخواہ قسم لے تو بے اعتنا شمار ہو گی اور جب مدعی قسم کا مطالبہ کرے گا تو منکر دوبارہ قسم کھائے گا پس اگر مدعا علیہ قسم کھائے گا تو مدعی کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔

۵۔ منکر جھوٹی قسم کے ذریعہ بری الذمہ نہیں ہو گا بلکہ اس پر مدعی کا حق ادا کرنا واجب ہو گا کہ جس وہ اور خدا جانتا ہے۔

۶۔ منکر کی قسم کے بعد مدعی کے ہاتھ اگر منکر کا مال آ جائے تو مدعی اس مال میں اپنا حق وضع نہیں کر سکتا ہے

۷۔ مدعی علیہ خود اپنے اقرار سے اپنے دعوے کی تکذیب کرے اس وقت مدعی اس چیز کا مطالبہ کر سکتا ہے اور مدعی علیہ کے امتناع کے باوجود اس سے وہ اپنی چیز لے سکتا ہے۔

۸۔ اگر مدعی علیہ یہ کہے کہ مدعی اس سلسلہ میں قسم کھائے اگر مدعی اپنا حق حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے حلف اٹھانا چاہیئے۔ اگر انکار کرتا ہے تو دعویٰ باطل ہو جائے گا۔

۹۔ اگر منکر قسم کھانے سے پہلو تہی اختیار کرتا ہے تو اور وہ چیز بھی نہیں لوٹاتا ہے بلکہ اپنی بات پر اڑا ہوا ہے تو اس میں دو قول ہیں۔

۱۔ فقط اس کے انکار سے اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔

۲۔ مدعی سے حلف لیا جائے گا اگر وہ حلف اٹھاتا ہے تو اس کا حق ثابت ہے ورنہ نہیں۔

۱۰۔ جب مدعی کے پاس بینہ ہو تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ اسے پیش کرنے کے لئے کہے اس سلسلہ میں دو قول ہیں (۱) جائز ہے کیوں کہ حق مدعی کا ہے نہ کسی غیر کا ہے (۲) جائز نہیں ہے۔

۱۱۔ جب مدعی بینہ پیش کر دے تو ـــــ اس کے بعد قاضی کو حق نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا سوال کرے مگر یہ کہ مدعی مطالبہ کرے کیوں کہ اس کا حق ہے۔

۱۲۔ جب حاکم کے نزدیک گواہوں کی عدالت ثابت ہو جائے گی تو مدعیٰ علیہ سے کہے گا کیا تمہارے پاس جرح کا ذریعہ بھی ہے اگر مدعی علیہ اثبات میں جواب دیتا ہے اور ثابت کرنے کی مہلت طلب کرتا ہے تو ایک مدت کی مہلت دے گا کہ جس میں وہ اسے ثابت کرے۔ لیکن علما کے درمیان مشہور یہ ہے کہ تین دن کی مہلت دے گا اگر اس مدت میں وہ ثابت نہ کر سکے تو مدعی کے طلب کرنے پر فیصلہ اس کے خلاف کیا جائے گا۔

۱۳۔ جب مدعی کے پاس بینہ ہو گی تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی مگر یہ کہ میت پر اپنے قرض کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں اس سے حلف لیا جائے گا۔

۱۴۔ جب کسی غائب شخص پر دوسرے شخص کا حق بینہ سے ثابت ہو جائے تو حاکم غائب

کے مال سے اس کا حق ادا کرے گا . . . . . ایک قول یہ ہے کہ بینہ کے ساتھ ساتھ قسم بھی کھائے گا جیسے میت کے لئے اسی کے حکم میں مجنون و بچہ بھی ہے ۔

۱۵۔ جب مدعی دعویٰ کرے کہ میرا بینہ غائب ہے تو قاضی اسے انتظار کرنے اور مدعی علیہ کو حلف دینے کے درمیان اختیار دے گا اور مدعی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کو قید کرے یا اپنی چیز کا مطالبہ اس کے کفیل سے کرے جب ایک ہی گواہ ہو ۔

۱۶ ۔ جب مدعی علیہ خاموشی اختیار کرے اور اپنی خاموشی پر برقرار رہے تو اسے جواب دینے پر مجبور کیا جائے اور جب جان بوجھ کر نہ بولے تو اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک کہ جواب نہیں دے گا لیکن اگر اس کی خاموشی کسی مرض کی وجہ سے ہے جیسے بہرا، گونگا تو ان کے اشارہ سے جواب سمجھ لیا جائے گا ۔ لیکن اس کا اشارہ ایسا ہو کہ جس سے اس کا اقرار یا انکار سمجھا جائے اور جب اس کے اشارہ کو سمجھنے کے لئے مترجم کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے دو عادل گواہوں کی ضرورت ہوگی ۔

۱۷ ۔ جب مجلس قضاوت سے مدعی علیہ غائب ہو خواہ مسافر ہو یا وطن میں موجود ہو کہ جہاں سے وہ حاضر ہو سکتا ہے اور بینہ کو سن سکتا ہے تو حقوق الناس کے سلسلہ میں حکم اس کے خلاف لگایا جائے گا لیکن حقوق خدا میں (حاضر ہونا ضروری ہے) جیسے حد زنا، وغیرہ واجب ہے ۔

۱۸ ۔ جب مدعی کا کوئی وکیل ہو تو وہ موکل مدمقابل سے حق کا مطالبہ کرے اور مدمقابل یہ دعویٰ کرے کہ میں وہ چیز تمہارے موکل کے سپرد کر چکا ہوں اور اس بات پر کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہو تو اس کے دعوے کو لغو قرار دیا جائے گا اور اس چیز کی واپسی کا حکم دیا جائے گا ۔

قسم کی کیفیت

۱۔ خصومت کے حل کے اسمائے خدا کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا کافی نہیں ہے[۱] اگرچہ قسم کھانے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ جائز ہے کہ کافر ذمی سے اس چیز کا حلف اٹھوایا جائے جو دین سے تعلق رکھتی ہو جب قاضی اسے ہٹ دھرم محسوس کرے۔

۳۔ قاضی کے لئے مستحب ہے کہ وہ مدعیٰ علیہ کو حلف لینے سے قبل وعظ ونصیحت کرے اور قسم کھانے کے نتائج سے خوف دلائے۔

۴۔ منکر کے لئے حلف اٹھانے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ واللہ مدعی کا کسی بھی طرح کا کوئی حق مجھ پر نہیں ہے۔

۵۔ جب حلف اٹھانے کے لئے قاضی منکر پر سختی کرتا ہو اور منکر اس بات پر آمادہ نہ ہو تو حلف اٹھانے کے سلسلہ میں اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا ہے اور اس کے انکار سے ہٹ دھرمی ثابت نہیں ہوتی ہے۔

۶۔ گونگے کی گواہی بامفہوم اشارہ ہے۔

۷۔ قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ منکر سے قضاوت کی مجلس ہی میں حلف لے لیکن اگر شریعت وعقل کے لحاظ سے کوئی مانع ہے تو پھر مجلس قضاوت کے علاوہ دوسری جگہ بھی حلف لیا جاسکتا ہے۔ جیسے کسی عورت کی عادت مردوں کے مجمع میں آنا نہیں ہے یا عذر شرعی رکھتی ہے مثلاً قاضی نے مسجد میں فیصلہ کیا اور عورت حائض ہے کہ اس حالت میں وہ مسجد میں داخل

نہیں ہو سکتی تو یہاں قاضی کسی کو اپنا نائب بنائے گا جو اس سے حلف لے گا۔

منکر کی قسم اور مدعی

۱۔ منکر کے لئے قسم اور مدعی کے لئے بینہ ہے۔

۲۔ منکر کی رد کے ساتھ مدعی قسم کھائے گا اور ایک عادل گواہ پیش کرے گا۔

۳۔ جب مدعی کے پاس بینہ ہوگا تو اس وقت منکر قسم نہیں کھائے گا۔

۴۔ جب مدعی کے پاس کوئی بینہ نہ ہوگا تو اصل برأت کے لحاظ سے حق منکر کا ہے اور وہ مدعی کے دعوے کی رد کے لئے قسم کھائے گا۔

۵۔ صرف قطعی چیز کے لئے قسم جائز ہے اگر اس چیز کی سند امارہ شرعیہ ہو جیسے کوئی چیز کسی کے قبضہ میں ہو۔

۶۔ جب مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو اس وقت اس پر قسم کھانا بھی ضروری نہ ہوگا مگر یہ کہ منکر رد کرے یا انکار کرے تو مدعی قسم کھائے گا اور اس کا دعویٰ مدعی کے انکار سے ساقط ہو جائے گا۔

۷۔ قسم میں انکار کے ساتھ مدعی کے استحقاق کی نفی کافی ہے۔

۸۔ جب منکر بری الذمہ ہونے کا دعویٰ کرے یا یہ کہے کہ میں نے وہ چیز مدعی تک پہنچا دی تھی تو یہاں منکر مدعی ہو جائے گا اور مدعی منکر قرار پائے گا اگر اس کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی یہ حلف اٹھائے گا کہ میرا حق اس پر باقی ہے۔

وارث پر دعویٰ

۱۔ وارث پر دین یا عین کا دعویٰ ہی ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ حلف برداری کی نوبت آئے لیکن تین طریقوں سے دین یا عین ثابت ہو جاتا ہے۔

۱۔ یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس کو وارث کی موت کا علم ہے

۱۱۔ یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس کو (میرے) حق کا علم ہے اور جتنا مال اس نے چھوڑا ہے وہ کل اس کا بعض حصہ میرے قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔

۱۱۱۔ میت کا وارث ہو۔

۲۔ جب وارث پہ مورث کی موت کے علم یا اس بات کی تحقیق کے بعد کہ یہ وارث اپنے حق کا دعویٰ کرے وارث کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ نہیں جانتا۔

۲۔ جب مورث کی موت کی تحقیق کے بعد یہ جو وارث کے پاس مال ہے وہ میت کا ہے تو وارث قطعی طور پر قسم کھائے اس کے علم کی نفی نہ کرے اور ایک قول یہ ہے کہ مدعی کے لاعلم ہونے کی قسم کافی ہے۔

۴۔ جب مدعی کے پاس دلیل ہو لیکن اس سے اعراض کرے اور منکر سے قسم کھانے کو کہتا ہے یا منکر اس کی دلیل کو رد کر دیتا ہے تو منکر کی قسم سے پہلے مدعی دلیل کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور یہی حکم وہاں ہے جہاں مدعی کے پاس ایک گواہ ہے اور وہ اسے پیش کرنے سے پہلو تہی اختیار کرتا ہے اور منکر کی قسم پر اکتفا کرتا ہے اور پھر منکر کے حلف اٹھانے سے قبل اپنے گواہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو کافی ہے اور اگر منکر ہی مدعی سے قسم کھانے کے لئے کہے اور مدعی گواہ کے باوجود قسم کھائے

۵ ۔ جب چوری کا انکار کرے تو تاوان قرض کے اسقاط کے لئے اس سے قسم لی جائے گی پس اگر وہ مدعی سے قسم کھانے کے لئے کہتا ہے اور مدعی قسم کھا لیتا ہے تو اس پر مال ادا کرنا واجب ہے اور اس حکم میں وہ شخص ہے جو قسم کھانے سے انکار کرے اگرچہ مدعی کے پاس ایک عادل گواہ بھی ہے اور مدعی خود حلف اٹھا لیتا ہے تو انکار کرنے والے کو مال دینا پڑے گا۔

غلام پر دعوے کے احکام

غلام پر دعوے کے سلسلہ میں چند امور ہیں

۱۔ جب غلام پر دعوی کرنے والا مدعی خود مولا ہو دعوی کا تعلق مال سے ہو یا کسی جرم کے ارتکاب سے۔

۲۔ جب غلام پر حدود خداوندی میں سے کسی حد کا دعوی کیا جائے جیسے زنا وغیرہ تو مولا کا دعوی دلیل کے بغیر قابل سماعت نہیں قرار پائے گا۔

قسم اور شاہد کے احکام

قسم اور شاہد کے احکام میں چند امور ہیں ۔

۱۔ قسم اور ایک گواہ کی موجودگی میں دو شرائط کے تحت حکم لگانا جائز ہے۔

پہلی شرط: یہ ہے کہ گواہ گواہی دے ۔

دوسری شرط: گواہی پہلے دی جائے اس کے بعد قسم کھائی جائے ۔

۲۔ حکم، گواہ اور قسم سے ہر چیز میں ثابت ہوتا ہے جس کا تعلق مال یا اس چیز سے ہوتا ہے

جس سے مراد مال ہی ہوتا ہے جیسے کسی ایسے جرم کا ارتکاب جو دیت کا باعث ہوتا ہے مثلاً غلطی سے کسی کو قتل کردینا یاجان بوجھ کر اس کا مرتکب ہونا یا والد بیٹے کو قتل کردے۔ ایک گواہ اور قسم سے خلع اور طلاق، وکالت نسب اور وصیت، غلام کی آزادی مبارات، مکاتبہ، رجوع اور عورتوں کے عیوب ثابت نہیں ہوتے ہیں اور ایک گواہ و قسم سے نکاح کے اثبات میں دو قول ہیں

۱۔ ثابت ہو جاتا ہے۔ ۱۱۔ ثابت نہیں ہوتا ہے۔

اور اس کے ذریعہ وقف کے اثبات میں چند اقوال ہیں

۱۔ مطلق طور پر ثابت ہے۔ ۲۔ مطلق طور پر منع کیا ہے۔ ۳۔ اس کے ذریعہ ثابت ہونے کے سلسلہ میں عام و خاص کے درمیان تفصیل ہے خاص میں ثابت ہوگا عام میں نہیں۔

۳۔ جب ایک جماعت کسی مال کے بارے میں دعویٰ کرے تو ہر ایک کا دعویٰ ایک گواہ اور قسم سے ثابت ہو جائے گا اور جو حلف اٹھائے گا مال اسی کو دیا جائے گا منکر کو نہیں۔

۴۔ جو شخص یقینی طور پر نہیں جانتا کہ حلف کس چیز کے لئے اٹھا رہا ہے اس کے لئے قسم کھانا جائز نہیں ہے لیکن اگر امارہ شرعیہ ہو تو جائز ہے جیسے مال کسی کے ہاتھ میں ہو تو اس سے شرعی لحاظ سے ملکیت سمجھ میں آتی ہے۔

۵۔ دو گواہوں اور قسم سے دعویداروں کے لئے علاوہ کسی اور کے لئے مال ثابت نہیں ہوگا

تقسیم کے احکام

تقسیم قرآن و سنت کے لحاظ سے مشروع ہے اور رسولؐ نے خیبر کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا تھا اور آپ ہی نے فرمایا ہے ناقابل تقسیم چیز میں شفعہ ہے پس جب حدود واقع ہو جائیں اور راستے

پہچان لئے جائیں تو ان کی تقسیم نہیں ہوگی، اور آنے والی شقیں اسی کی فرع ہیں ۔

۱۔ امام اور اس کے قائم مقام کے لئے مستحب ہے کہ وہ کسی کو تقسیم کرنے والا بنائے کیوں کہ اس میں امت کا فائدہ ہے ۔ تقسیم کرنے والے کے لئے پانچ شرائط معتبر ہیں

(۱) بالغ (۲) عاقل (۳) مومن (۴) عادل (۵) حساب داں، کیوں کہ تقسیم میں اس کی ضرورت ہوگی ۔

۲۔ جس تقسیم کرنے والے پر فریقین راضی ہو جائیں اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ امام اور ان کے قائم مقام کا حاضر ہونا بھی شرط نہیں ہے ۔

۳۔ جس چیز پر فریقین راضی ہو جائیں تقسیم کرنے والا اس کو کاٹ کر تقسیم کرنے کی شرط نہیں لگا سکتا ہے ۔

۴۔ تقسیم پر فریقین کی رضامندی اور قرعہ کے بعد تقسیم کرنے والے کی تقسیم پوری ہو جائے گی اور قرعہ کے بعد اس کا لزوم کسی کی رضا پر موقوف نہیں ہوگا قاسم کو خواہ امامؑ نے منصوب کیا ہو یا غیر نے

۵۔ امامؑ کی طرف سے منصوب شدہ قاسم کی تنخواہ مسلمانوں کے بیت المال سے دی جائے گی کہ جس کو خدا نے امت (مسلمہ) کی مصلحت کے لئے وجود بخشا ہے لیکن اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو تقسیم کرانے والے اس کی تنخواہ ادا کریں گے اگر چہ اس کو بلانے والا ایک ہی شخص ہو کیوں کہ تقسیم دونوں کے درمیان ہوتی ہے ۔ مگر یہ کہ وہ خود مفت تقسیم کرنے کا قصد رکھتا ہو

۶۔ ناپنے اور وزن کرنے والی چیزوں کو ناپ، تول کے ذریعہ تقسیم کیا جائے گا ۔

۷۔ جب تقسیم ہونے والی جنسوں کے اجزا میں تفاوت ہو پس اگر اس جنس کی تقسیم سے بعض کا ضرر ہو تو دوسرے اجزا سے اس کا جبران کیا جائے گا ۔

مدعی اور منکر

۱۔ مدعی وہ ہے جس پر دلیل لانا واجب ہے اگر دلیل نہیں پیش کرتا تو دعویٰ رد کر دیا جائے گا کیوں کہ اس کا دعویٰ اصل کے خلاف ہے یا ان چیزوں میں سے ہے جو ظاہراً شریعت کے خلاف ہے

۲۔ منکر وہ ہے جو مدعی کے دعوے کا انکار کرتا ہے، اصل اس کے ساتھ ہے۔

اور مدعی کے لئے سات شرائط ہیں

(۱) بالغ (۲) عاقل (۳) دعویٰ اپنی طرف یا جس کا ولی ہے جیسے بچے یا مجنون کی طرف سے ہو (۴) اپنے علاوہ غیر کی طرف سے دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے ہاں اگر کسی کا وکیل یا وصی یا ولی ہے تو دعویٰ کر سکتا ہے (۵) دعویٰ اس چیز سے متعلق ہو جس کی ملکیت صحیح ہوتی ہے مسلمان کا دعویٰ اس چیز کے بارے میں نہیں سنا جائے گا جو اس کے لئے حرام ہے جیسے شراب وغیرہ (۶) دعویٰ ممکن (چیز کے بارے میں) ہو محال عقلی یا شرعی کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا (۷) دعویٰ ملزمہ ہو ھبہ کے بارے میں دعوے کی سماعت نہیں ہوگی۔ اسی کے مثل رہن، وقف وغیرہ بھی ہیں کہ جن میں قبضہ معتبر ہے

۲۔ جب دعویٰ مطلق اموال سے متعلق ہو تو اس میں اعیان و قرض برابر ہے اس دعوے کے صحیح ہونے میں اس کے اسباب کے انکشاف کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے مانند نکاح اور دیگر عقود ہیں۔

۳۔ جب عورت اپنے دعوے میں اپنے ہی قول سے کسی کو اپنا شوہر قرار دے مثلاً کہے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے تو اس کے دعوے سے نکاح ثابت ہو جائے گا لیکن اگر شوہر انکار کرے اور اس کی قسم کی تردید کرے تو اس عورت کی زوجیت اس کے لئے ثابت ہو جائے گی۔

شوہر کے لئے ہمبستری کے جواز کے سلسلہ میں جبکہ اس نے زوجیت کی نفی میں (اپنے ضرر میں) قسم کھائی تھی اور حاکم نے زوجیت کے ثبوت کا فیصلہ دیا تھا، دو صورتیں ہیں۔

حق تک رسائی

۵۔ جب دو اشخاص میں کسی ایسی چیز پر جھگڑا ہو جو ــــــ ان کے قبضہ میں ہے اور بینہ دونوں میں سے کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کا حکم جاری کیا جائے گا۔

۶۔ جب جھگڑا کرنے والوں میں متنازعٌ فیہ شئی کسی ایک کے قبضہ میں ہو اور دوسرے کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ چیز اسی شخص کو دی جائے گی جس کے قبضہ میں ہے اگر مدمقابل قسم کھانے کے لئے کہے گا تو قسم کھانے کے بعد دی جائے گی۔

بینات میں تعارض

۱۔ جب عدالت و عدد میں تساوی کے باوجود بینات میں تعارض ہو جائے جیسے دو اشخاص یہ گواہی دیں کہ یہ فلاں کا حق ہے یا شئی ہے اور دوسرے دو اشخاص یہ گواہی دیں کہ فلاں کا حق یا شئی ہے پس اگر دونوں کی گواہی میں توافق ممکن ہو تو اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور اگر ممکن نہ ہو تو ایک کو صادق قرار دینے میں دوسرے کی تکذیب لازم آتی ہے تو یہاں چار صورتیں ہیں۔

(۱) یا تو وہ چیز کسی ایک کے قبضہ میں ہے (۲) یا دونوں کے قبضہ میں ہے (۳) یا کسی تیسرے شخص کے قبضہ میں ہے (۴) یا کسی کے قبضہ میں نہیں ہے۔

پہلی صورت میں یہ چیز اس شخص کو دی جائے گی جس کے قبضہ میں نہیں ہے جبکہ دو گواہوں کی گواہی اس کے حق میں ہو کیونکہ مدعی کے لئے بینہ پیش کرنا اور منکر کے لئے قسم کھانا واجب ہے منکر سے بینہ قبول نہیں کیا جائے گا اس کو بینہ خارج کہتے ہیں ۔

دوسری صورت میں اس چیز کے نصف نصف تقسیم کرنے کا حکم دیا جائے گا ضرورت کے وقت اس میں قسم کھلائی جائے گی جب کہ مدمقابل ایک دوسرے سے قسم کا مطالبہ کریں ۔

تیسری صورت میں اس چیز کا دو عادل گواہوں کی گواہی جب کہ وہ عدالت میں مساوی ہوں اور زیادتی کی صورت میں قرعہ کشی کی جائے گی پس قرعہ کے بعد جس کا نام نکلے گا اس کے موافق حکم کیا جائے گا اور جب یہ قسم نہ کھائے تو اس کا مدمقابل حلف اٹھائے گا اور فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا اور اگر فریقین قسم کھانے سے پیچھے ہٹیں تو دونوں کے درمیان اس چیز کو نصف نصف تقسیم کیا جائے گا ۔

چوتھی صورت کا وہی حکم ہے جو تیسری کا ہے ۔

۲۔ دونوں گواہوں کی گواہی میں تعارض واقع ہو یا ایک گواہ (مرد) کی گواہی میں اور دو عورتوں کی گواہی میں تعارض ہو ۔

۳۔ دو گواہوں اور ایک گواہ یا قسم کے درمیان میں تعارض کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے دو گواہوں کی گواہی کے مطابق حکم لگایا جائے گا ۔ ایک قول یہ ہے کہ دو دلیلوں کے درمیان تعارض ہو سکتا ہے اور ایک گواہ اور دو عورتوں یا قسم کے درمیان تعارض ہو جائے تو ایک گواہ اور دو عورتوں کی گواہی کے مطابق حکم صادر کیا جائے گا ۔

گواہ کے صفات

۱۔ گواہ کے لئے چھ شرائط معتبر ہیں

(۱) بالغ (۲) عاقل (۳) مومن (۴) عادل (۵) حلال زادہ (۶) حد شرعی اس پر جاری نہ ہوئی ہو۔

۲۔ جرح میں دس سال کے لڑکوں کی گواہی تین شرائط پر قبول کی جائے گی۔

(۱) وہ دس سال کے ہو گئے ہوں (۲) ان کی باتوں میں اختلاف نہ ہو (۳) اس چیز پر اجتماع نہ ہو جو ان کے علاوہ دوسروں پر حرام ہے۔

۳۔ حالت افاقہ میں ادواری مجنون کی گواہی قبول کی جائے گی حالانکہ قاضی کے لئے واجب ہے کہ اس سے اس طرح سوالات کرے کہ جس سے کامل العقل ہونا اور حافظ الذہن ہونا آشکار ہو جائے اس طرح اس بیوقوف اور جس پر سہو غالب ہو اس کی بھی گواہی قبول کی جائے گی۔

۴۔ مومن کے علاوہ کسی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ جو مومن نہیں ہے، یا منافق و ظالم ہے یا فاسق۔

۵۔ جہاں عادل مومنین نہ ہوں وہاں اس کافر ذمی کی گواہی قبول کی جائے گی جس کے مذہب میں عدل ہو جیسا کہ قرآن میں نص وارد ہوئی ہے

عدالت

یعنی وہ شخص گناہ کبیرہ جیسے زنا، قتل، شراب خوری، لواط اور غیبت و نمیمت (یعنی مومنین کی

عیب جوئی کا مرتکب نہ ہوتا ہو، لوگوں کا مال غصب نہ کرتا ہو، ظلم نہ کرتا ہو، گناہ صغیرہ پر اصرار نہ رکھتا ہو۔ کیوں کہ توبہ کے بعد کبیرہ، اور اصرار کے بعد کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے) جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہا گیا ہے کہ صغیرہ پر اصرار یعنی گناہ کرتا رہے اور خدا سے استغفار نہ کرتا ہو اور نہ اس کا نفس توبہ کی طرف مائل ہوتا ہو۔

۶۔ اصول عقائد میں سے کسی ایک کے مخالف کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی خواہ اس کی مخالفت تقلید کی بنا پر ہو یا خود اس کے اجتہاد کے سبب اسی طرح ان فروعی عقائد کے مخالف کی بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو ضروریات دین سے ہیں کیوں کہ اس میں مطلق طور پر کوئی عذر نہیں ہے۔

۷۔ جو فروعی عقائد ضروریات دین سے نہیں ہیں ان کے مخالف اور حق کے معتقد کی گواہی قبول کی جائے گی۔ لیکن وہ اجماع قطعی یا متواتر اور قطعی دلیلوں کا مخالف ہو۔

۸۔ جو عقائد ضروریات دین سے نہیں ہیں ان کے مخالف اہل حق کو فاسق نہیں کہا جاسکتا ہے اگرچہ اس سے اجتہاد میں خطا سرزد ہوئی ہے لیکن اس اجتہاد میں بھی اسے ایک نیکی ملے گی جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔

۹۔ مومنہ عورت پر زنا کی تہمت لگانے والے کی گواہی اس وقت تک قبول نہیں کی جائے گی جب تک وہ توبہ اور اصلاح نہیں کرے گا، اسی طرح قمار کے آلات سے کھیلنے والے اور کسی بھی قسم کے شراب خوار کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے اور نہ مغنّی اور مغنیّہ کی گواہی قبول کی جائے گی، حاسد کی گواہی بھی قابل قبول نہیں کہ جو دوسرے کی نعمت کی تباہی چاہتا ہے۔ مومن سے بغض کا مظاہرہ کرنے والے کی بھی گواہی نہیں مانی جائے گی اور نہ ہی خالص حریر

پہننے والے کی گواہی تسلیم کی جائے گی اور مردوں میں سے ان لوگوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو سونا پہنتے ہیں ۔

کس کی گواہی قبول ہے کس کی نہیں

۱۔ اس شخص کی گواہی نہیں مانی جائے گی جس کی طرف گواہی کے فائدے کی بازگشت ہو جیسے شریک ایک دوسرے کی گواہی دے ۔

۲۔ قرض خواہ کی گواہی جب کہ اس شخص کے بارے میں جس پر اس کا قرض ہو اور ممنوع التصرف ہو ۔

۳ ۔ وصی کی گواہی اس چیز کے بارے میں جس کا اسے وصی بنایا گیا ہو تاکہ وہ چیز بھی وصیت میں داخل ہو جائے ۔

۴۔ مولا کی گواہی اپنے غلام کے سلسلہ میں کہ جس کو مولا کی طرف سے اجازت ہو کیوں کہ غلام کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ مولا کا ہے ۔ مکاتب کے بارے میں دو قول ہیں ۔

۵ ۔ دنیوی دشمنی گواہی کو مانع ہے لیکن اگر دینی معاملات کی بنا پر ہے تو گواہی قبول کی جائے گی ۔

۶ ۔ بعض دوستوں کی گواہی بعض کے حق میں قابل قبول نہیں ہے جیسے ڈاکو اپنے دوستوں کی گواہی دے مگر یہ کہ راہزن و ڈاکو خود اقرار کرے یا عادل گواہی دے ۔

۷ ۔ نسب گواہی کے قبول ہونے میں مانع نہیں ہے مثلاً باپ بیٹے کے حق میں گواہی دے

یا اس کے خلاف گواہی دے اسی طرح اگر بیٹا اپنے باپ کے خلاف گواہی دے ، اگر گواہی حق یا مال کے بارے میں ہے تو اس میں دو قول ہیں ، مشہور یہ ہے کہ قبول نہیں کی جائے گی ایک قول ہے کہ قبول کی جائے گی ۔

۸ ۔ زوجہ کے حق میں یا اس کے خلاف شوہر کی گواہی قبول کی جائے گی اسی طرح شوہر کے حق میں یا اس کے خلاف زوجہ کی گواہی پر بھی اعتماد کیا جائے گا لیکن زوجہ کے ساتھ اور بھی عادل گواہ موجود ہو ۔ ایک قول یہ ہے کہ زوجہ کے حق میں شوہر کی گواہی کے ساتھ غیر کی گواہی بھی ہو ۔

۹ ۔ مہمان اور کرایہ دار کی گواہی قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ عادل اور گواہی پر مائل ہوں اور انہوں نے بغور اس (کیس) کو دیکھا ہو ۔

۱۰ ۔ عدالت و بلوغ کے بعد بچے کی گواہی قبول کی جائے گی ایمان لانے اور عادل بننے کے بعد کافر کی گواہی پر اعتماد کیا جائے گا جب کہ یہ دونوں حق کو پہچانتے ہوں ایسے غلام کی آزادی کے بعد گواہی قبول کی جائے گی اور جس شخص کا فسق پوشیدہ ہو اس کی گواہی کو وہ شخص رد کر سکتا ہے جو اس کے باطن سے باخبر ہو اگر توبہ کرے تو قبول کی جائے گی ۔

۱۱ ۔ غلام کی گواہی میں چند اقوال ہیں (۱) مولا کے خلاف اس کی گواہی پر اعتماد کیا جائے گا (۲) مطلق طور پر قبول نہیں کی جائے گی ۔ (۳) مولا کے خلاف قبول کی جائے گی غیروں کے خلاف نہیں ۔ مشہور پہلا قول ہے اسی کے مثل مدبر ، مکاتب اور مشروط غلام ہے ۔ لیکن یہ قول کہ مولا کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی ۔ اور کہا گیا ہے کہ جتنا آزاد ہو گا اسی تناسب سے گواہی قبول کی جائے گی ۔

۱۲۔ جب غلام آزاد ہو جائے گا اس دن اس کی گواہی قبول کی جائے گی یہاں تک کہ اس کے مولیٰ کے خلاف بھی ۔

۱۳۔ گواہ کے لئے اقرار سنا کافی ہے اگرچہ اس کو شہود علیہ یا مشہود لہ نے نہ بلایا ہو جیسے دو جھگڑا کرنے والے یا ان میں سے کسی ایک شخص سے کہے کہ تم وہی گواہی دینا جو ہم دونوں سے یا ایک سے سنو! اور حکم کا سبب ہو یا ان میں سے کوئی جنایت کا مرتکب ہو اور خود اس کا اقرار کرے ۔

۱۴۔ حاکم کے سوال کرنے سے قبل لوگوں کے حق میں خواہ مخواہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ۔

مدارک شہادت

مدارک شہادت تین ہیں ۱ علم ۲ مشاہدہ ۳ سماع ۔

۱۔ علم ۔ یہ ان تمام چیزوں میں ضروری ہے جن کے بارے میں گواہی دی جاتی ہے

۲۔ مشاہدہ ۔ یعنی آنکھوں سے دیکھنا اس چیز کے بارے میں جس کا ادراک قوت سماع نہ کرسکے افعال ظاہرہ میں جیسے زنا، لواط، قتل، چوری وغیرہ

۳۔ سماع ۔ کفایت کرتا ہے نسب میں ، ملک مطلق میں ، نکاح میں ، وقف میں، عتق میں موت میں اور ان کے علاوہ دوسری وہ چیزیں جو شیوع کے ذریعہ سے متحقق ہو جاتی ہیں یا اتنے افراد کے ذریعہ معلوم ہو کہ جس سے یقین پیدا ہو جائے یا اس طرح شہرت پا جائے کہ جو یقین کے قریب ہو ۔ گونگے اور اندھے کی گواہی صحیح ہے

حقوق

حقوق دو طرح کے ہیں ۱ حقوق اللہ ۲ حقوق الناس ۔

حقوق اللہ دو طرح کے ہیں :

۱۔ وہ حقوق جو چار مردوں کے ذریعہ ثابت ہوتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) زنا (۲) لواط (۳) مساحقہ ۔ ان تینوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ زنا تین مرد یا دو عورتوں سے یا دو مردوں اور چار عورتوں کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے لیکن آخری صورت میں صرف کوڑے کی سزا ثابت ہوگی ۔

۲۔ حقوق اللہ کی دوسری قسم وہ ہے جو دو عادل مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے ۔ وہ ایسی جنایتیں ہیں جو موجب حد ہیں جیسے مرتد ہونا، شراب پینا، قذف (یعنی زنا کی تہمت دینا) چوری وغیرہ ہیں ۔

حقوق الناس : یہ تین طرح کے ہیں ۔

۱۔ وہ جو صرف دو عادل مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتے ہیں یہ ایسے حقوق ہیں جو خود تو مالی نہیں ہیں البتہ اس سے مقصود مال ہے جیسے طلاق، خلع، وکالت، وصایت عہدی نسب، رویت ہلال، اس کے مقابل ایک قول ہے کہ یہ چیزیں ایک مرد اور دو عورتوں کے ذریعہ بھی ثابت ہو جاتی ہیں لیکن مشہور پہلا قول ہے ۔

۲۔ وہ حقوق جو دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں یا ایک گواہ اور ایک قسم کے ذریعہ ثابت ہوتے ہیں یہ وہ حقوق ہیں جو خود مال ہیں یا دین ہیں جیسے عقود

ہیں جو خود مال ہیں یا دین ہیں جیسے عفو دیت، وصیت تملیکیہ اور وقف ۔

۲ ۔ وہ حقوق جو دو عادل مردوں کی گواہی اور تنہا عورتوں کی گواہی سے یا عورت و مرد دونوں کی گواہی سے ثابت ہوتے ہیں، تنہا عورتوں کی گواہی مخصوص ہے ان چیزوں کے ساتھ کہ جن پر مردوں کا غالباً باخبر ہونا مشکل ہے وہ عورتوں کے باطنی امور میں سے ہیں جیسے قرن، حیض، نفاس ۔ اسی طرح عورتوں کے ظاہری عیوب کے بارے میں جیسے لنگڑاپن، ولادت، استہلال، رضاعت ۔ عورتوں کی تنہا گواہی کے لئے ضروری ہے کہ چار سے کم نہ ہوں کیوں کہ دو عورتیں گواہی میں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن کی یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے

"اور تم گواہ لاؤ اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کو اور اگر
دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جو گواہی پر راضی ہو جائیں
اگر ان میں سے کوئی ایک بھول جائے تو دوسرا اسے یاد دلادے"[۱]

شہادت واجب ہے

۱ ۔ اگر کسی ایسے شخص کو بلایا جائے جو گواہی کا اہل ہو اور اسے کوئی خوف بھی نہ ہو تو اس پر گواہی دینا واجب کفائی ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو تو واجب عینی ہے ۔

۲ ۔ جب گواہ کو کوئی خوف نہ ہو اور اسے گواہی کے لئے بلایا جائے تو اس پر گواہی کا ادا کرنا واجب ہے اور گواہی کا چھپانا حرام ہے جیسا کہ قرآن میں اس پر نص موجود ہے ۔

---

[۱] ۔ سورہ بقرہ آیت ۲۸۲

"گواہ انکار نہ کریں جب انہیں (گواہی کے لئے) بلایا جائے"[۱]

اور دوسری آیت:

"تم گواہی کو نہ چھپاؤ، جو گواہی کو چھپاتا ہے وہ گناہگار ہے"[۲]

۲۔ حاکم شرع کے کسی کسی اور کے سامنے گواہی کا ادا کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اسے مجبور کیا جائے کہ وہ غیر کے سامنے گواہی دے، اس صورت میں جائز ہے۔

۴۔ گواہ سے قسم لینا جائز نہیں ہے کیوں کہ وہ محسن ہے اور قرآن میں ارشاد ہے:

"محسنین پر کوئی راستہ نہیں ہے"[۳]

شہادت پر شہادت

۱۔ حقوق الناس میں شہادت پر شہادت قبول کی جاتی ہے، جیسے عقود، ایقاعات یا وہ چیز جن پر عموماً مرد مطلع نہیں ہو سکتے جیسے عورتوں کے عیوب، ولادت، استہلال وغیرہ۔

۲۔ حدود میں گواہی پر گواہی مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی خواہ وہ حدود اللہ ہو جیسے زنا، لواطہ اور ساحقہ وغیرہ یا وہ مشترک ہوں حق اللہ اور حق الناس کے درمیان جیسے حد قذف اور مشہور علما کے درمیان حد سرقہ میں یہی حکم ہے۔

۲۔ مندرجہ ذیل مقامات میں فروع کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔

(۱) دو کی گواہی کیوں کہ وہ فرع ہے اصل سے اور اصل بھی دو ہیں اور فرع بھی اس کے مثل ہے

۱۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲۔ ۲۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۳۔ ۳۔ سورۂ توبہ آیت ۹۱۔

(۲) دو کی گواہی فرع سے ہر ایک اصل پر۔

(۳) دو کی گواہی فرع سے ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے اصل پر۔

(۴) دو مردوں کی گواہی فرع سے ان چار عورتوں کی گواہی پر جن کی گواہی قبول ہے اصل سے۔

(۵) فرع پر فرع کی گواہی قبول نہیں ہے اس لئے کہ یہ تیسری گواہی بنتی ہے لیکن ایک قول ہے کہ یہ گواہی بھی قابل قبول ہے۔

(۶) فرع اور اصل کی گواہی میں مطابقت ہونی چاہئے۔

(۷) فرع کی گواہی وہاں قابل قبول ہے جہاں اصل گواہی دینے سے معذور ہو مثلاً مرض وغیرہ کی وجہ سے۔

(۸) حکم کے صادر ہونے سے پہلے اصل فرع کی گواہی کا منکر نہ ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل و فرع میں جو زیادہ عادل ہو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

شہادت پر شہادت کی یہ صورت ہے کہ اصل شاہد کہے کہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں زید پر کہ خالد کے لئے ایسی بات ہے ایسا ہو گا اصل شاہد کے سوال کرنے کے بعد رعایت کرتے ہوئے اپنی گواہی کی اور گواہی کی گواہی ہو گی "میں تجھے شاہد بناتا ہوں اپنی شہادت پر" یا یہ کہے کہ جب میں تجھ سے شہادت طلب کروں اپنی گواہی پر پس اس وقت میری گواہی پر گواہی دینا۔

(۹) جب شاہد فرع گواہی دے دینے پر راضی ہو جائے پس اگر وہ شاہد اصل کے مطالبہ کی وجہ سے ہو تو وہ کہے گا کہ مجھے گواہ بنایا ہے زید نے اپنی گواہی پر۔ اور اگر اس کے سننے کی وجہ سے ہو قاضی کے پاس تو شاہد فرع کہے کہ میں گواہ ہوں کہ زید نے گواہی دی ہے قاضی کے پاس فلاں چیز کی اور اگر اس نے نہ سنا ہو قاضی کے پاس تو وہ کہے کہ زید نے گواہی دی ہے خالد پر فلاں چیز کی وجہ سے۔

(۱۰) اصل کا حال متغیر نہ ہو اور وہ منتقل نہ ہو عدالت سے فسق و کفر کی طرف کیوں کہ حکم اس کی گواہی پر موقوف ہو ۔

(۱۱) دو عادل فرعوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے جب وہ اپنے دونوں اصلوں سے سنیں اور ان دونوں سے عدول نہ کریں اور قاضی پر ضروری ہے کہ وہ ان دونوں کے بارے میں بحث کرے اور قاضی گواہی پر اس وقت فیصلہ کرے جب وہ چیز ثابت ہو جائے جو گواہی کے قبول ہونے کی موجب ہے اور رد کر دے اس چیز کے ثبوت کے ساتھ جو گواہی کے رد کی موجب ہے ، اگر وہ دونوں حاضر ہوں قاضی کے پاس اور گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جب تک ان کو اصل نہ کہا جائے اگرچہ ان دونوں نے اس سے عدول کر لیا ہو ۔

وہ چیزیں جو گواہی کی قبولیت و عدم قبولیت میں معتبر ہیں

۱۔ دونوں گواہ ایک بات پر متفق ہوں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہوں ۔

۲۔ وہ گواہی نہ دیں ایک ایسے فعل پر کہ دونوں اپنے زمان و مکان اور صفت میں مختلف ہوں ۔

۳۔ ناممکن چیزوں پر گواہی نہ دیں جیسے گواہی دے کہ زید نے خالد سے صبح کپڑا بیچا ہے ایک دینار میں اور دوسرا گواہی دے کہ زید نے خالد سے وہی کپڑا رات میں بیچا ہے دو دینار میں ۔

۴۔ جب دونوں کی گواہی میں اختلاف پایا جائے تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کی گواہی پر فیصلہ کرے مدعی کی قسم کے ساتھ جب گواہی مال کے سلسلہ میں ہو یا قرضے کے سلسلے میں ہو ۔

۵۔ جب دو عادل قاضی کے پاس گواہی دیں اور فیصلہ سے پہلے وہ مر جائیں تو ان کی گواہی قبول

ہو گی اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۶۔ جب دونوں گواہ فاسق یا کافر ہو جائیں گواہی کے ادا کرنے کے بعد اور فیصلہ سے پہلے تو اس میں دو قول ہیں (۱) گواہی قبول ہو گی اور اسی کے مطابق فیصلہ ہو گا (۲) گواہی قبول نہیں ہو گی جیسا کہ اگر وہ فاسق یا کافر ہو جائیں گواہی کے ادا کرنے سے پہلے۔

گواہ کب اپنی گواہی سے منحرف ہو سکتا ہے

۷۔ گواہ اپنی گواہی سے حکم کے صادر ہونے سے پہلے نہیں پلٹ سکتا اگر وہ حکم کے صادر ہونے کے بعد پلٹ جائے تو حکم نہیں بدلے گا اور اگر حکم کے نافذ ہونے کے بعد پلٹ جائے اور محکوم بہ چیز تلف ہو گئی ہو تو گواہ اس کا ضامن ہو گا کیوں کہ وہ اس تلف کا سبب بنا ہے اور یہ سبب اقوی ہے مباشر سے اور اگر حکم کے نافذ ہونے سے پہلے پلٹ جائے تو اگر وہ حکم حد کا ہو حدود اللہ میں سے تو بر بنائے قول مشہور حکم باطل ہو جائے گا شبہ کے عارض ہو جانے کی وجہ سے جو حدود کے باطل ہونے کا موجب ہے اور اسی کے مثل اگر حد حقوق الناس میں سے ہو جیسے حد قذف یا حد مشترک ہو بین اللہ و بین الناس جیسے حد سرقہ، اگرچہ حق ہو تو اس میں دو قول ہیں:

۱۔ حکم ختم ہو جائے گا جیسا کہ حدود میں ہوتا ہے۔

۲۔ حکم برقرار رہے گا جیسا کہ حکم کے نافذ ہونے کے بعد حکم نہیں ٹوٹتا۔

۸۔ جب دو گواہ گواہی دیں اس چیز کی جو موجب قتل یا جرح ہو اور محکوم بہ عملی جامہ پہنایا جا چکا ہو پھر وہ اپنی گواہی سے منحرف ہو جائیں تو ان دونوں گواہوں سے قصاص لیا جائے گا جب وہ عمداً غلط گواہی دینے کا اقرار کریں اور اگر وہ خطا کا اقرار کریں تو ان دونوں پر دیت واجب ہو گی

خود انہیں کے مال سے اور اگر ان دونوں میں ایک عمد کا اقرار کرتا ہے اور ایک خطا کا تو عمد والے پر قصاص ہوگا اور خطا والے پر دیت اور مقتول کے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دونوں کو قتل کرادے اور خطا کے اقرار کرنے والے کا دیت دے دے اور اگر ایک کو قتل کرے تو دوسرے سے دیت لے کر مقتول کے ورثا کو وہ دیت دے دے۔

۹۔ جب دونوں گواہ گواہی دینے کے بعد ایک ساتھ منحرف ہو جائیں تو دونوں ساوی طور پر ضامن ہوں گے اگر ان میں سے ایک منحرف ہو تو اس پر نصف مال کی ضمانت ہوگی اور جب گواہی ایک مرد اور دو عورتوں کی طرف سے ہو تو مرد پر نصف اور نصف دونوں عورتوں پر ہوگی۔

۱۰۔ جب گواہ اپنی گواہی سے منحرف ہو جائیں تو تلف ہونے والی چیز کی ان پر ضمانت ہوگی اور اگر گواہ کسی کی عصمت کی حفاظت کے لئے ہوں تو اگر صفائی کے گواہ ہوں اور زنا کے گواہوں کی صفائی دیں درانحالیکہ وہ جھوٹے ہوں تو دونوں ضامن ہوں گے کیوں کہ وہ دونوں حکم کا سبب بنے ہیں۔

شاہد فرع کب منحرف ہو سکتا ہے

۱۱۔ جب شاہد فرع اپنی گواہی سے منحرف ہو جائے حکم کے صادر ہونے کے بعد پس اگر شاہد اصل انحراف میں اس کی تکذیب کردے تو اس پر ضمان نہیں ہوگی اور ایک قول ہے کہ اس پر ضمان ہوگی اور اگر شاہد اصل اس کی تصدیق کر دے رجوع میں تو اس پر ضمان ہوگی پس اگر دو گواہ ہوں اور پھر دونوں منحرف ہو جائیں تو ہر ایک پر ان میں نصف کی ضمان ہوگی اور دونوں پر

ایک ساتھ قصاص ہوگا اگر وہ دونوں عمد کا اقرار کریں اگر ان میں سے ایک منحرف ہوتا ہے تو اس پر اس کا حصہ ہوگا، جب دونوں کا انحراف اصل میں سے ایک سے ہو تو ان کو ملحق کیا جائے گا اصل سے دونوں گواہوں کے انحراف کے ساتھ اور ان اصلوں میں سے ایک کے رجوع کے ساتھ ملحق کیا جائے گا، پس پہلی صورت میں (کہ جب دونوں سے منحرف ہوتے ہیں) تمام مال کی ضمانت ہوگی اور دوسری صورت میں (یعنی جب ایک سے منحرف ہوتے ہیں تو) نصف مال کے ضامن ہوں گے۔۔۔

جب ایک فرع ایک اصل سے اور دوسرا دوسرے اصل کی گواہی سے منحرف ہو جائے تو دونوں تمام مال کے ضامن ہوں گے اصلوں کی گواہی کلی طور پر درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے، کیوں کہ ان کی گواہی فرع کی گواہی کے ذریعہ ہی ثابت ہوئی تھی۔

۱۲۔ جو شخص جھوٹی گواہی دے اس پر قاضی کی صواب دید کے مطابق تعزیر ہوگی کوڑوں کی صورت میں۔ اور اس کی اس کے قبیلہ میں تشہیر کی جائے گی نیز اس کے محلہ میں اس کو پھرایا جائے گا تاکہ لوگ اس کو پہچان لیں اور وہ نیز دوسرے لوگ ایسی گواہی سے باز رہیں۔

غیر اللہ کی قسم نزاع کے فیصلہ کے علاوہ جائز ہے

نزاع کے فیصلے کے علاوہ اور دعویداروں کے نزاع کو اٹھانے کے علاوہ غیر اللہ کی قسم جائز ہے خواہ مستقبل میں ہو یا ماضی میں اور اس کی قسم کی مخالفت پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ کفارہ اور یہ قسم دعوؤں میں فیصلہ کن نہیں ہوتی اور علی الاطلاق قبیح نہیں ہے۔ اس کے جائز ہونے پر پہلی دلیل اصالۃ حلیت ہے اس چیز میں جس کی حرمت پر نص نہ ہوں۔ دوسری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک ہے اور صحابہ کرام کا فعل ہے اور قرآن کریم کی بھی بہت سی آیات میں غیر اللہ کی قسم آئی ہے جیسے والنجم، والشمس، واللیل، والضحی، والعصر، ووالد وما ولد، ونفس وما سواھا، والتین والزیتون

والطور سنین . لا اقسم بہذا البلد وغیرہ یہ آیات غیر اللہ کی قسم کھانے پر نص ہے اور یہ غیر اللہ کی قسم کے شرعی اور اور جائز ہونے پر دلیل ہیں پس ان مخصوص اشیاء سے دوسری اشیا کی طرف سرایت ہو گی لہذا اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر مخلوقات کی قسم قبیح ہوتی تو شارع سے ایسا فعل صادر نہ ہوتا پس کیسے اللہ یہ کام انجام دیتا جب کہ فی نفسہ قبیح اللہ کے فعل کی طرف نسبت دینا جائز نہیں ہے مطلقاً ۔ تو ایسا کام کیوں کر اچھا اور جائز ہو سکتا ہے تشریع وتکوین کے طور پر قرآن کے بعد ہم سنت رسول پاک میں ایسا ہی پاتے ہیں کہ انہوں نے غیر اللہ کی قسم کھائی ہے ۔

اہل سنت کے امام مسلم اپنی صحیح ص۳۴۲ جز اول کتاب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص رسول پاکؐ کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ کون سا صدقہ افضل ہے تو حضرتؐ نے فرمایا تیرے باپ کی قسم تجھے اس بات کی خبر دی جاتی کہ تو صدقہ دیتا درانحالیکہ تو حقیقتاً بخیل وحریص ہے اور فقر وفاقہ سے خوف کھاتا ہے ۔

فتح الباری فی شرح البخاری میں ابن حجر عسقلانی نے باب ایمان والنذور ص۴۲۵ جز گیارہ میں روایت کی ہے "عن رفیق العبد" کہ بہ تحقیق غیر اللہ کی قسم کے بارے میں مالکیوں کے دو قول ہیں ۔ مشہور ان میں یہ ہے کہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے ۔ ابن عبد اللہ نے حکایت کی ہے کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم مکروہ ہے ۔ امام شافعی سے منقول ہے کہ مجھے خوف ہے کہ غیر اللہ کی قسم معصیت ونافرمانی ہو ۔ مشہور صحابہ اس سے پاک تھے ۔ امام حرمین نے کہا ہے کہ غیر اللہ کی قسم مکروہ ہے ۔ امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ غیر اللہ کی قسم صحیح ہے ۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم مکروہ ہے اور مجھے خوف ہے کہ معصیت ہو ۔

پس بعض جاہلوں نے غیر اللہ کی قسم کو حرام گمان کیا ہے جو عمل رسول اللہؐ اور ان تمام اہل سنت

کے قول کے مخالف ہے ۔

حدود

وہ سزائیں جو معصیت و نافرمانی کے مرتکب افراد کے لئے جسمانی اذیت پہچانے کے لئے شریعت مقدسہ میں مقرر کی گئی ہیں اور وہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے محدود و معین ہوں بخلاف تعزیر کے کہ اس کی مقدار معین حاکم شرع کی صواب دید پر موقوف ہے ان محرکات کے ارتکاب کی نوعیت کے اعتبار سے کہ جن کی سزا معین و مشخص نہیں ہے ۔ لیکن تعزیر حد سے کم ہوگی ۔ حدود و تعزیرات خطاکار کو اس فعل قبیح کے بار بار انجام دینے سے روکتی ہے اسی طرح غیر کے لئے بھی موجب عبرت ہوتی ہے کہ ایسا کام انجام نہ دے جو موجب حدود و تعزیر ہو جس کو مصالح اور مفاسد سے باخبر پروردگار نے اپنے بندوں کے لئے وضع کیا ہے اور پھر اس پر فطرت انسانی کا لبادہ اڑھایا ہے کیوں کہ اس کے بغیر جرائم بہت ہو جاتے ۔ سرکش لوگوں کی سرکشی بڑھ جاتی نافرمان لوگ زمین پر فساد برپا کرتے طاقتور کمزور کو ختم کر دیتے حدود پامال کر دی جاتیں اور مقدسات الٰہیہ کا مذاق اڑایا جاتا ۔ زنا ، لواط ، سرقہ ، قذف جیسی برائیاں عام ہوتیں ۔ جیسے کہ ہم اپنی آنکھوں سے اس چیز کا اپنے معاشرہ میں مشاہدہ کر رہے کہ لوگ اپنے مادی اور روحانی علاج کے لئے جس دستور کے محتاج تھے اس کو جہلاء نے وضع کیا لیکن وہ ان کی ضروریات پورا نہ کر سکا پس تنہا اسلام اپنے عادلانہ نظام اور بالغ الرائی قیادت اور متوازن سیاست کے بل بوتے پر ایسی حکومت قائم کرتا ہے جو معاشرہ کے شریر لوگوں کے شر کو روکتا ، خوں ریزی کرنے والے باغی لوگوں کو قابو رکھتا لوگوں کے ناموس کی حفاظت کرتا اور قاتل لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے جن کے ہاتھ ابریا

کے خون سے رنگے ہوتے ہیں جن کو وہ اپنی حکومت کی حفاظت کے لئے بہاتے ہیں جس سے عوام اور ان کے درمیان فاسد شہوات اور گھٹیا خواہشات کی وجہ سے خلیج بن جاتی ہے اسلام لوگوں کو ان کی عزت وشرافت لوٹاتا ہے اور خوش بختی کا حق دار بناتا ہے اور ان کے دلوں کو سکون بخشتا ہے ان کے لئے ایک شریفانہ اور خوشحال زندگی فراہم کرتا ہے اور لوگوں کو صیاکل کی پلید اجارہ داری سے نجات دلاتا ہے کہ جس کو استعماری چیلے مقدس بن کر ظاہر کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں اور اس پر تقدس کی ملمع کاری کرتے ہیں اور یہ شب وروز اسی کا راگ الاپتے ہیں بغیر کسی نیکی کے جس کو وہ عام کریں اور بغیر عدل وانصاف کے کہ جن کو وہ اپنے معاشروں میں رائج کریں۔ پس اسلام وہ دستور ازلی اور قوانین کا مالک ہے جو فساد اور بدکرداری کے ارتکاب کو کم کرتا ہے اور اسلام ہی حکومت کو تنگدستی ومحرومیت کے ازالہ کا مکلف ٹھہراتا ہے جو طبعی خواہشوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ انسان وانسانیت کے درمیان دیوار کھڑی کردیتی ہیں

خلاصہ: اسلام معاشرہ میں عدل وانصاف کے رواج اور دہشت وبربریت کی روک تھام کا جامع قانون ہے اور حدود اسی قانون کا ایک حصہ ہیں۔

حدود کی سزاؤں کے اسباب شریعت اسلامی میں سات ہیں اور یہ قصاص دجبہ وح اور دیات وتعزیرات کے علاوہ ہیں۔

(۱) زنا (۲) لواط (یعنی ہم جنسی (۳) مساحقہ (عورت کا عورت سے جنسی تعلقات قائم کرنا (۴) قذف (۵) شراب پینا (۶) چوری (۷) رہزنی۔

زنا کیسے متحقق ہوتا ہے

زنا ہر قوم وملت میں حرام ہے اور سارے ادیان اسے گناہ کبیرہ میں گردانتے ہیں اس کی حرمت قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور یہ ضروریات دین میں سے ہے یہ نسبت کے خلط ملط ہونے کا سبب ہے قبائل کے عائلی زندگی سے تنزل کا موجب ہے اور انسان کو حیوانات کی صف میں لے آتا ہے۔

وہ زنا جو موجب حد ہیں اس کے ثبوت کے چند شرائط ہیں۔

۱۔ آلۂ تناسل کا داخل ہونا۔

۲۔ زانی کا بالغ ہونا۔

۳۔ عاقل ہونا۔

۴۔ بااختیار ہونا۔

۵۔ عورت کے قبل و دبر میں داخل کرنا۔

۶۔ عورت بالاصل داخل کرنے والے پر حرام ہو نہ کہ کسی عارض کی وجہ سے حرام ہو جیسے حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا موجب حد نہیں ہے۔

۷۔ مدخولہ عورت کے ساتھ عقد نکاح نہ ہوا ہو اور نہ ہی دخول اشتباہاً ہو۔

۸۔ وہ مدخولہ وطی کرنے والے کی ملک نہ ہو، منفعت کا بھی مالک نہ ہو شبہ ملکہ و شبہ منفعت بھی نہ ہو

۹۔ اس عورت مدخولہ کے حرام ہونے کا علم رکھتا ہو۔

۱۰۔ حشفہ یا اس کی مقدار کے برابر داخل کرے اگر حشفہ کٹا ہوا ہو۔

۱۱۔ حدِ رجم کے لئے شرط ہے کہ دونوں محصن ہو۔

فروعات

۱۔ عورت کی نسبت زنا کے تحقق میں یہ شرط نہیں ہے کہ زانی مرد بالغ و عاقل ہو۔

۲۔ مرد کی نسبت زنا کے ثبوت میں بھی یہ شرط نہیں ہے کہ عورت بالغہ و عاقلہ ہو۔

۳۔ جب کوئی فاعل حلیت مفعول کا عقیدہ رکھتا ہو تو حد ساقط ہو جائے گی۔

۴۔ جب ایک عورت اپنے آپ کو اس طرح مشتبہ کرے کہ وطی کرنے والا اس کو اپنی بیوی یا لونڈی گمان کرے اور اس سے وطی کرے تو صرف عورت پر حد ہوگی کیوں کہ وہ زانیہ ہے۔

۵۔ جس کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس پر عورت کا مہر المثل ہوگا۔

۶۔ محصن مرد: جو بالغ عاقل آزاد اور نکاح دائمی کے ذریعہ بیوی رکھتا ہو یا ایسی لونڈی و کنیز رکھتا ہو جس کے ساتھ صبح و شام وطی کر سکتا ہو۔

۷۔ محصنہ عورت عاقلہ ہو اور اس کا خاوند ہو جس کے ساتھ وہ رہتی ہو اور وہ آپس میں روابط رکھتے ہوں اگر اس کے ساتھ کوئی بالغ زنا کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔

۸۔ اگر عورت نابالغ کے ساتھ زنا کرے تو اس پر حدِ رجم نہیں ہوگی اور اگر اس کے ساتھ مجنون زنا کرے تو عورت پر حدِ رجم ہوگی۔

۹۔ صغیر اور مجنون پر حدِ رجم نہیں ہے بلکہ تادیبی کارروائی کے طور پر تعزیر ہوگی۔

۱۰۔ وہ عورت جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو وہ زوجہ کے حکم میں ہے اور محصنہ ہے۔

۱۱۔ طلاق بائن کے ذریعہ عورت محصنہ ہونے سے خارج ہو جاتی ہے اور پھر اگر رجوع ہو تو بھی

بغیر خاوند کی وطی کے احصان ثابت نہیں ہوگا ۔ اور ایسے ہی کنیز کو جب آزاد کر دے اور مکاتب جب آزاد ہو جائے ۔

۱۲۔ اندھے پر حد قائم ہوگی رجم ہو یا کوڑے ہوں ۔

زنا کیسے ثابت ہوتا ہے

زنا کے ثبوت کے دو طریقے ہیں ۔

۱۔ بالغ، عاقل باختیار چار دفعہ زنا کا اقرار کرے خواہ عورت ہو یا مرد وہ اشارہ مفید اقرار ہے جو نطق کے قائم مقام ہو جیسے گونگا ۔

فروعات

۱۔ جب ایک شخص اپنے اوپر حد کا اقرار کرتا ہے اور نوع حد مشخص نہیں کرتا تو اس کے بیان کے ذریعہ ملزم ٹھہرایا جائے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں ۔

۲۔ اگر ایک حرام عورت سے معانقہ کرتا ہے یا اس کا بوسہ لیتا ہے تو اس پر حاکم شرعی کی صوابدید کے مطابق تعزیر ہوگی جو حد سے بہر صورت کم ہوگی

اسی طرح اگر کوئی حرام عورت کے رانوں میں آلہ تناسل لگائے یا اس کے ساتھ سو جائے تو اس پر بھی تعزیر ہوگی اور ایک قول ہے کہ سو کوڑے مارے جائیں گے ۔

۳۔ ایک مرد اگر اپنے اوپر ایسی شئی کا اقرار کرتا ہے جو موجب رجم ہے اور پھر انکار کر دیتا ہے تو اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا اسی طرح قاتل اگر اقرار کرے اور پھر انکار کر دے تو ایک قول کے

مطابق اسے قتل نہیں کیا جائے گا

۴۔ اگر کوئی رجم یا قتل کے علاوہ کسی ایسی جنایت کا اقرار کرتا ہے جو موجب حد ہے اور پھر انکار کر دیتا ہے آیا اس پر حد واجب ہوگی یا ساقط ہو جائے گی اس میں دو قول ہیں۔

(۱) اس پر حد قائم ہوگی (۲) اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۵۔ اگر موجب حد کا اقرار کرنے والا توبہ کرے تو حاکم شرعی کو اختیار ہے وہ اس کو معاف کردے یا اس پر حد جاری کرے۔ حد خواہ رجم ہو یا کوڑے ایک قول ہے کہ یہ اختیار صرف امام کو حاصل ہے اور نائب امام دوسرے حکام کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔

۶۔ اگر ایک عورت بغیر شوہر کے حاملہ ہو جائے تو اس پر حد نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ خود چار مرتبہ زنا کا اقرار کرے یا گواہ زنا کی گواہی دیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گواہوں کی صورت میں عورت سے پوچھا جائے گا تاکہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے۔

۷۔ زنا گواہوں سے ثابت ہوتا ہے اس کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ چار عادل مرد گواہی دیں۔

۲۔ تین عادل مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔

۳۔ دو مرد اور چار عورتیں گواہی دیں اس سے صرف کوڑوں کی سزا ثابت ہوتی ہے اور اس کی چند صورتیں ہیں

(۱) وہ اپنی گواہی میں مشاہدہ کے ذکر پر متفق ہوں یعنی انہوں نے آلہ تناسل کو فرج میں داخل ہوتے اور نکلتے دیکھا ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور یہ دخول و خروج بغیر عقد و ملکیت و شبہ کے ہو جیسا کہ حدیث میں اس پر نص ہے۔

۲۔ وہ تمام اپنی گواہی میں ایک فعل ایک وقت اور ایک جگہ پر متفق ہوں۔

۳۔ عدالت میں تمام ایک وقت میں گواہی دیں۔

۴۔ اگر کوئی زانی گواہی قائم ہونے سے پہلے توبہ کرے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی رجم ہو یا کوڑے، لیکن گواہی کے قیام کے بعد ساقط نہیں ہوگی۔

زنا کی حد کی قسمیں آٹھ ہیں

(۱) قتل (۲) سنگساری (۳) کوڑے (۴) کوڑے اور سر مونڈ کر تشہیر ——— (۵) پچاس کوڑے (۶) اس کی حد جو بعض آزاد ہو (۷) ضغث یعنی تنکو کوڑے یکبارگی مارنا (۸) معین حد ۸۰ کوڑے۔

قتل کی سزا تین طرح کے زانیوں کی ہے۔

۱۔ نسبی محرم میں سے کسی ایک کے ساتھ زنا کرنے والا۔

۲۔ ذمی جو مسلمان عورت سے زنا کرے۔ عورت خواہ مجبور ہو یا مختار اور ذمی نے اس سے عقد پڑھا ہو یا نہ اور اگر ذمی مسلمان ہو جائے تب بھی یہ حد ساقط نہیں ہوگی اور عورت نے اگر زانی ذمی کی اطاعت کی ہے تو اس کی بھی سزا قتل ہے۔

۳۔ عورت سے زنا بالجبر کرے تو ——— اس حد کی تینوں قسموں میں بوڑھے، جوان، مسلم، کافر، محصن و غیر محصن آزاد، غلام میں کوئی فرق نہیں ہے آیا ان کے لئے کوڑے اور قتل دونوں اکٹھے بھی ہیں اس میں دو قول ہیں۔

۱۔ پہلے انہیں کوڑے مارے جائیں گے اور پھر انھیں قتل کیا جائے گا۔

۲۔ انہیں فقط قتل کیا جائے گا اور دہری حد صرف محصن پر ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے گا اور کوڑے بھی مارے جائیں گے۔

احصان کے تحقق کی شرائط

احصان کے ثابت ہونے کے سات شرائط ہیں ۔

۱۔ وطی اس طرح ہو کہ موجب غسل ہو مثلاً حشفہ یا مقدار حشفہ (اگر حشفہ کٹا ہوا ہو) قبل میں داخل کرے اور اگر منی نہ نکلے تو فقط اجتماع کافی نہیں ہے ۔ اور وطی فی الدبر بھی موجب احصان نہیں ہے ۔

۲۔ وطی کرنے والا بالغ ہو ۔ ۳۔ وطی کے وقت عاقل ہو ۔ ۴۔ آزاد ہو ۔ ۵۔ زوجہ دائمی ہو یا مملوکہ ہو ۔ ۶۔ زوجہ کے پاس آنے سے مانع نہ ہو ۔ ۷۔ وطی اقرار کے ذریعہ معلوم ہو نہ فقط خلوت یا بچہ کے ذریعہ ۔

عورت کے لئے بھی وہی شرائط ہیں مگر وہ زوج کے لئے آمادہ ہو وہ جب چاہے اس کے پاس آئے، نہ زوج زوجہ کے لئے آمادہ ہو وہ جب چاہے زوج کو استعمال کرے کیونکہ وطی حق زوج ہے نہ کہ زوجہ ۔

فروعات مسئلہ

۱۔ جب محصن بوڑھا یا بوڑھی یا جوان لڑکا یا لڑکی زنا کریں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا

۲۔ اگر محصن نابالغ یا مجنون عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سنگسار کرنے یا کوڑے مارنے میں دو قول ہے ۔

(۱) مجنون کو سنگسار کیا جائے گا ۔ (۲) اس کو صرف تادیبی سزا دی جائے گی ۔

۳۔ اگر مجنون محصنہ عورت کے ساتھ زنا کرے تو عورت کو کوڑے مارے جائیں گے اس کے بعد سنگسار کیا جائے گا لیکن مجنون ـــــ کی حد سنگساری ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔

(۱) مجنون کو سنگسار کیا جائے گا (۲) اس کو صرف تادیبی سزا دی جائے گی۔

۴۔ آیا مریض اور مستحاضہ کو فوراً سنگسار کیا جائے گا یا شفا و پاکیزگی تک انتظار کیا جائے گا اس میں دو قول ہیں۔

(۱) ان کو سنگسار کر دیا جائے گا (۲) مرض کے شفا اور خون کے رکنے کا انتظار کیا جائے گا۔

۵۔ مریض اور مستحاضہ کو اس وقت تک کوڑے نہیں مارے جائیں گے جب تک وہ مرض سے شفا اور خون سے پاک نہ ہو جائے بشرطیکہ ان کا قتل یا سنگساری واجب نہ ہو۔

تیسری حد: سو کوڑے ہیں یہ دو طرح کے زانیوں کی سزا ہے۔

۱۔ جب محصنہ کے ساتھ بچہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے تعزیر کے طور پر مارے جائیں گے

۲۔ مرد محصن جب مجنون عورت کے ساتھ زنا کرے خواہ بالغہ ہو زانی خواہ بوڑھا ہو یا جوان

چوتھی حد سو کوڑے اور سر مونڈ کر شہر بدر کرنا ہے۔

یہ بالغ آزاد اور غیر محصن مرد کی سزا ہے اور جلا وطنی سے مراد یہ کہ اس کو اس کے شہر سے دوسرے شہر بھیج دیا جائے گا ایک سال قمری مہینے کے لحاظ سے ایک قول یہ ہے کہ جلا وطنی صرف اس کی سزا ہے جو ازدواج کر چکا ہو مگر دخول نہ کر پایا ہو۔ عورت کا سر نہیں مونڈا جائے گا اور نہ ہی جلا وطن کی جائے گی بلکہ وہ صرف سو کوڑے کی سزا پائے گی۔ ایک قول ہے کہ مرد کی طرح اس کو بھی جلا وطن کیا جائیگا

پانچویں حد پچاس کوڑے ـــــ غلام و لونڈی کی ہے۔

جب وہ بلوغ و عقل اور اختیار کی صورت میں زنا کرے اگرچہ محصن ہی ہوں ان کا سر مونڈا

جائے گا جلا وطن نہیں کیا جائے گا۔

چھٹی حدوہ ۔ بعض آزاد شدہ کی حد ہے کہ جس قدر آزاد ہے اس کو آزادی کے تناسب سے آزادی والی حد ہوگی اور جس قدر ابھی غلام ہے اسی حساب سے غلام والی حد ہوگی۔ مثلاً ایک غلام نصف آزاد اور نصف غلام ہے تو اس کو پچھتر کوڑے مارے جائیں گے نصف آزادی کی حد پچاس کوڑے اور نصف غلام کی حد پچیس کوڑے۔

ساتویں حد ضغث۔

یہ اس مریض کی سزا ہے جو بار بار کوڑے کی مار برداشت نہیں کر سکتا اگر اس کو متعدد کوڑا مارا جائے تو وہ مر جائے گا۔

ضغث کا مطلب یہ ہے کہ چھڑی وغیرہ معین تعداد میں لے کر ایک ہی دفعہ مجرم کو مارتا کہ جو درد آور ہو اور تمام لکڑیاں جسم سے مس ہو جائے۔

لیکن اگر مریض میں کوئی ایسی وجہ ہے جو اس کو حد بالضغث سے مانع ہے تو پھر اس کا شفا پانے تک انتظار کیا جائے گا اور پوری حد اس پر قائم کی جائے گی۔

آٹھویں حد یہ معین حد اور زائد سزا جو حاکم شرعی کی صواب دید پر موقوف ہے

یہ اس شخص کی حد ہے جو ماہ رمضان میں زنا کرے دن میں یا رات میں، مسجد میں یا مقامات مقدسہ میں یا مردہ عورت کے ساتھ زنا کرے۔

فروعات مسئلہ:

حاملہ عورت کو اس وقت حد کی سزا دی جائے گی جب ولادت ہو جائے اور ایام نفاس اور بچے کو دودھ پلانے کی مدت گزر جانے کے بعد جب کہ کوئی دودھ پلانے والی دستیاب نہ ہو۔ اور جب دودھ

پلانے والی موجود ہو تو نفاس سے پاک ہونے کے بعد حد جاری ہوگی ۔

۲۔ زانی اگر مجنون ہو جائے یا مرتد ہو جائے تو اس سے حد ساقط نہیں ہوگی خواہ حد سنگساری ہو یا کوڑا ۔

۳۔ اگر عورت حیض کی حالت میں زنا کرے تو حیض کی وجہ سے تاخیر نہیں کی جائے گی ۔

۴۔ شدید سردی یا گرمی میں حد قائم نہیں کی جاتی لہذا سردیوں میں دوپہر میں اور گرمیوں میں صبح یا شام کے وقت حد جاری ہوگی ۔

۵۔ اگر کوئی شخص حرم میں پناہ لے لے جب تک وہ حرم میں ہے اس پر حد جاری نہیں کی جاسکتی کیوں کہ حرم مبارک کو اللہ نے جائے امن قرار دیا ہے لہذا اس پر خورد و نوش بند کر دیا جائے گا کہ وہ باہر نکل آئے ۔ لیکن اگر وہ حرم میں ایسا جرم کرتا ہے جو موجب حد ہے تو پھر اس پر حرم میں ہی حد جاری کی جائے گی کیوں کہ اس نے ہتک حرمت کیا ہے ۔

۶۔ اگر آزاد یا غلام ایک عورت سے کئی بار زنا کرے یا متعدد عورتوں سے ایک ہی دن میں زنا کرے یا متعدد ایام میں زنا کرے مگر اس پر حد نہ جاری ہو سکی ہو تو اس پر ایک ہی حد جاری کی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ اس پر تعداد کے لحاظ سے متعدد حدیں جاری ہوں گی ۔

۷۔ اگر ایک اہل کتاب ذمی ، ذمیہ عورت یا مشرکہ غیر ذمیہ سے زنا کرے تو امام علیہ السلام کو اختیار ہے کہ وہ اس پر اس کی حد جاری کریں یا اس کو اس کے مذہب والوں کے حوالہ کر دیں کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق اس کو سزا دیں ۔

۸۔ جب ایک شخص بار بار زنا کرے اور اس پر تین بار حد جاری ہو چکی ہو تو چوتھی دفعہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اگرچہ زانی عورت ہی ہو ۔ اور ایک قول ہے کہ تیسری دفعہ قتل کیا جائے گا ۔

۹۔ اگر زانی غلام ہو یا لونڈی ہو اور بار بار زنا کرے اور اس پر سات دفعہ حد جاری ہوئی ہو تو اس کو آٹھویں دفعہ قتل کر دیا جائے گا اور ایک قول ہے کہ ساتویں دفعہ قتل کیا جائے گا۔

زانی پر حد جاری کرنے کی کیفیت

۱۔ جب زانی کوڑے اور سنگساری دونوں سزاؤں کا مستحق ہو تو پہلے کوڑے مارے جائیں گے پھر سنگسار کیا جائے گا۔

۲۔ اگر کسی جنایت کار پر متعدد حدود ہوں تو اس حد کو مقدم کیا جائے گا جس سے دوسرے حدود فوت نہ ہوں۔ جیسے قتل اور کوڑے اگر کسی کی سزا ہو تو اس کو پہلے کوڑے مارے جائیں گے پھر قتل کیا جائے گا۔

۳۔ اگر کسی شخص پر ایسے حدود ہوں جن میں ہر ایک دوسرے کے ضائع ہونے کا موجب ہو اور ایک ان میں حقوق اللہ میں سے ہو اور دوسرا حقوق الناس میں سے اور لوگ اس کے طلبگار بھی ہوں تو اس وقت حق اللہ کو مقدم کیا جائے یا حق الناس کو اس میں دو وجہیں ہیں۔

۴۔ جب دو ایسے حدود ہوں کہ ان میں جمع ممکن ہو جیسے قذف اور زنا غیر محصن کی اور ایسی چوری جس پر حد جاری ہوتی ہو تو کوئی خاص مقدم ہے یا جس کے ساتھ مرضی ہو ابتدا کریں اس میں دو قول ہیں۔

۵۔ اگر زانی کا جسم کوڑے لگنے سے زخمی ہو جائے تو زخم کے مندمل ہونے کا انتظار کریں یا نہ اس میں دو قول ہیں۔

۶۔ جس پر سنگساری کی سزا ہے اگر مرد ہے تو اس کو کمر تک گڑھے میں گاڑ دیا جائے گا اور

اگر عورت ہے تو اسے پستان تک گڑھے میں گاڑا جائے گا اور ایک قول ہے کہ مرد و زن کو ایک ہی طرح گڑھے میں گاڑا جائے گا۔

۷۔ سنگساری کا مستحق مرد ہو یا عورت اگر گڑھے سے نکل جائیں تو اس کو پھر گڑھے میں لایا جائے گا اگر زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو اور اگر خود اس کے اقرار کی وجہ سے ثابت ہو تو پھر اس کو ترک کر دیا جائے گا۔

اور ایک تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کو سنگریزہ نہ لگا ہو تو اس کو گڑھے میں پلٹایا جائے گا اور اگر فرار سنگریزہ لگنے کے بعد ہو تو پھر اس کو نہیں پلٹایا جائے گا۔

۸۔ سنگساری میں ابتداء گواہ کریں گے اور پھر امام علیہ السلام اگر موجود ہوں تو وہ اور بعد میں باقی لوگ اور اگر زنا خود اقرار سے ثابت ہو تو سنگساری میں ابتداء امام علیہ السلام کریں گے۔

۹۔ جب سنگساری کی حد کا اجرا مقصود ہو اور زنا اقرار کے ذریعہ ثابت ہو اور زانی خواہ مرد ہو یا عورت تو اس طرح اعلان کیا جائے گا

" اے مسلمانو! نکلو تاکہ اس پر حد جاری کی جائے

درانحالیکہ تم اور تمہارے ہاتھوں میں پتھر ہوں "

۱۰۔ جب زانی پر حد قائم کی جا رہی ہو تو مومنین کے ایک گروہ کا حاضر ہونا واجب ہے اور یہ وجوب اس امر کی وجہ سے ہے کہ جو آیہ میں ہے اور ایک قول ہے کہ مستحب ہے۔

۱۱۔ رجم و سنگساری ایسی شئی کے ساتھ ہونا چاہیئے جس پر پتھر کا اطلاق ہوتا ہو اور جس پر حدود اللہ میں سے کوئی حد ہو آیا وہ حد جاری کر سکتا ہے اس میں دو قول ہیں۔

۱۲۔ حد کے اجرا کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں اگر مر جائیں یا غائب ہوں تو بھی حد جاری کی جائے گی کوڑے ہوں یا سنگساری ہو۔

۱۳۔ اگر گواہ اجرا حد کے وقت حاضر ہونے کے ڈر سے غائب ہو جائیں تو شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۱۴۔ اگر زنا کے گواہوں میں چوتھا گواہ زانیہ کا شوہر ہو تو مشہور یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول ہو گی اور ایک قول ہے کہ قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۵۔ اگر ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو زنا کرتے ہوئے دیکھے اور اسے علم ہو کہ بیوی نے زانی کی اطاعت کی ہے تو وہ دونوں کو قتل کر سکتا ہے اور اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک قول ہے کہ اگر دونوں محصن نہیں ہیں تو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس صورت میں اگر قتل کرے تو اس پر قصاص ہو گا جب تک وہ اپنے دعویٰ پر گواہ نہ لائے یا مقتولین کے سرپرست اس کی تصدیق نہ کر دیں۔

۱۶۔ اگر کوئی آزاد عورت کا انگلی کے ذریعہ پردۂ بکارت پھاڑ دے تو اس کی سزا اسّی کوڑے اور مہر مثل ہے۔ ایک قول ہے کہ کوڑے خود حاکم معین کرے گا۔

۱۷۔ اگر کوئی لونڈی کا پردۂ بکارت پھاڑے تو اس پر لونڈی کی قیمت کا دسواں حصہ مالک کو دینا لازم ہے۔ ایک قول ہے کہ ارش دینا لازم ہے۔ لیکن دونوں قولوں کی بنا پر تعزیر ضرور ہو گی۔ اور اگر شوہر نے پردۂ بکارت پھاڑا ہے تو حرام کا مرتکب ہوا ہے اور ایک قول ہے کہ اس پر تعزیر ہے اور مقرر شدہ مہر بھی اس پر لازم ہو جائے گا۔

حدِ لواط - (اغلام بازی)

لواط - مرد کا اپنے ہم جنس سے بدفعلی کرنا یہ زنا سے بڑا گناہ ہے اور اس سے بدتر ہے۔
اور اس کا ارتکاب قوم لوط نے کیا تھا تو وہ عقاب اور ہلاکت کے مستحق قرار پائے۔

احادیث میں ہے کہ "جب مرد اپنے ہم جنس سے بدفعلی کرتا ہے تو عرش لرز جاتا ہے"۔

جو لڑکے سے مجامعت کرے وہ قیامت کے دن حالت جنب میں آئے گا اور اس کو دنیا کا پانی پاک نہیں کر سکتا ہے اللہ کا غضب ولعنت ہے اس پر۔ اور اس کے لئے جہنم آمادہ ہے جو برا ٹھکانا ہے۔

لواط کے فاعل ومفعول پر حد جاری کرنے کی چھ شرائط ہیں۔

۱ - مرد کا اپنے ہم جنس کی دبر میں آلۂ تناسل کا داخل کرنا اگرچہ حشفہ کی مقدار ہو۔

۲ - چار مرتبہ اقرار یا چار عادل مرد گواہی دیں کہ انہوں نے بدفعلی کرتے ہوئے اسے دیکھا ہے۔

۳، ۴ - اقرار کرنے والا فاعل ہو یا مفعول بالغ ہو، دونوں کامل العقل ہوں۔

۵ - دونوں آزاد ہو۔

۶ - دونوں نے اختیار کے ساتھ بدفعلی کی ہو اور اقرار کے وقت بھی بااختیار ہوں۔

اس مسئلہ کی فروعات۔

۱ - جب ایک شخص چار مرتبہ سے کم اقرار کرتا ہے تو اس پر صرف تعزیر ہوگی۔

۲ - جب چار سے کم گواہ ہوں تو گواہوں پر اتہام کی حد اسّی کوڑے ہوگی۔

۲۔جب لواط میں فاعل بالغ، عاقل اور مفعول نابالغ ہو تو بالغ پر حد لواط اور نابالغ پر تعزیر ہو گی۔ اور مجنون بھی اسی طرح ہے۔

۴۔ اگر مجنون عاقل کے ساتھ لواط کرے تو حد عاقل پر ہو گی اور مجنون کے بارے میں دو قول ہے۔ اس پر حد ہو گی۔ ۲۔ اس پر صرف تعزیر ہو گی۔

۵۔جب مولیٰ اپنے غلام کے ساتھ بدفعلی کرے اور دخول بھی کر دے تو دونوں پر حد ہو گی اور اگر دخول نہ کرے تو دونوں کو سو کوڑے مارے جائیں گے — اس میں مسلم و کافر محصن و غیر محصن یکساں ہیں اور ایک قول ہے کہ محصن کو سنگسار کیا جائے گا۔

۶۔ اگر غلام کہے کہ مولا کے مجبور کرنے کی وجہ سے اس نے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے تو غلام سے حد ساقط ہو جائے گی اور مولا پر برقرار رہے گی۔

۷۔ اگر ذمی مسلمان سے بدفعلی کرے تو اسے قتل کیا جائے گا اگرچہ دخول نہ بھی کیا ہو۔

۸۔ اگر ذمی ذمی سے لواط کرے تو اس کا حکم ہم مذہب سے زنا والا ہے کہ امامؑ کو اختیار ہے کہ اسلامی حد قائم کریں یا اس کو اس کے مذہب والوں کے سپرد کریں کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اس پر حد جاری کریں۔

۹۔ حاکم شرعی لواط میں اپنے علم کے مطابق عمل کر سکتا ہے خواہ امام معصوم ہو یا غیر معصوم ایک قول ہے کہ یہ حق صرف امام معصوم علیہ السلام کو حاصل ہے۔

بدفعلی کرنے والوں کو قتل کرنے کی کیفیت۔

بدفعلی کی سزا فاعل و مفعول کے لئے قتل ہے جب کہ وہ بالغ، عاقل، با اختیار ہوں اور دخول بھی ہوا ہو۔ لیکن اس میں کوئی امتیاز نہیں کہ مسلم ہو یا کافر۔ محصن ہو یا غیر محصن۔ آزاد ہو یا غلام جبکہ

مملوک پر حد کا ثبوت علم حاکم یا گواہوں سے ہو۔ مشہور یہ ہے کہ حاکم ان پانچ طریقوں میں سے جس کے ذریعہ چاہے قتل کر سکتا ہے۔

(۱) تلوار کے ذریعہ گردن مارنا (۲) آگ میں جلا کر ہلاک کرنا (۳) سنگساری (۴) ایسی بلندی سے گرانا جہاں سے گر کر ہلاک ہو جائے (۵) اس پر دیوار کا گرانا۔

۱۰۔ جب ادخال نہ ہو صرف ران میں آلہ کو رگڑے تو ان کو سَو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر دوبارہ یہی فعل انجام دے تو پھر سَو کوڑے مارے جائیں گے اور تیسری مرتبہ بھی سَو کوڑے مارے جائیں گے اور چوتھی دفعہ قتل کر دیا جائے گا۔

۱۱۔ اگر بدفعلی کا مرتکب گواہی کے قیام سے پہلے توبہ کرے تو حد ساقط ہو جائے گی اور گواہی کے بعد ساقط نہیں ہو گی اور اگر اقرار کے بعد توبہ کرے تو امام علیہ السلام کو اختیار ہے کہ وہ حد جاری کریں یا معاف کر دیں۔

مساحقہ کی حد

عورت کا اپنی شرمگاہ کو دوسری عورت کی شرمگاہ سے رگڑنے کو مساحقہ کہتے ہیں اور حدیث میں اس کی تعبیر یوں ہے "بالّلواتی مع اللواتی" یعنی وہ ہم جنس کے ساتھ ہوں تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور جو مردوں کے اصلاب اور عورتوں کے ارحام میں ہے وہ سب اس پر لعنت کرتے ہیں اور وہ آگ میں جائیں گی اور ان پر آگ کے ستر لباس ہوں گے اور یہ بہت بڑا زنا ہے۔

اس کی حد کے معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں

(۱) دونوں عورتیں بالغ ہوں (۲) دونوں عاقل ہوں (۳) دونوں با اختیار ہوں اس میں آزاد

لونڈی، مسلمہ، کافرہ، محصنہ، غیر محصنہ، فاعلہ و مفعولہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی حد سو کوڑے ہے اور ایک قول ہے کہ محصنہ کو سنگسار کیا جائے گا (۲) چار عادل مرد گواہی دیں یا چار مرتبہ اقرار ہو۔

اس مسئلہ کی فروعات۔

(۱) جب مساحقہ بار بار ہو اور ہر دفعہ حد جاری کی گئی ہو تو چوتھی دفعہ عورت کو قتل کیا جائے گا اور ایک قول ہے تیسری دفعہ ہی قتل ہو گی۔

(۲) اگر گواہی سے پہلے توبہ کرے تو حد ساقط ہو جائے گی اور گواہی کے بعد نہیں ساقط ہوگی۔

(۳) اگر عورتیں مساحقہ کا اقرار کریں اور پھر توبہ کریں تو امام علیہ السلام کو اختیار ہے کہ حد جاری کریں یا معاف کر دیں۔

(۴) جب دو اجنبی عورتیں ایک چادر میں برہنہ پائی جائیں تو ان پر تعزیر ہو گی جو حد سے کم ہو گی جیسے دو مرد ایک چادر میں ننگے پائے جائیں۔

۲۔ حدود میں کفالت قبول نہیں ہے۔

۲۔ حد کے سقوط کے لئے کسی کی سفارش قبول نہیں ہوتی جب کہ حدود اللہ میں سے ہو۔

۴۔ حد کے اجرا میں تاخیر جائز نہیں ہے کہ جس پر معطلی کا عنوان صادق آئے جب کہ حد کا قیام ممکن ہو اور ضرر کا خوف نہ ہو، حدیث میں ہے کہ حدود میں لمحہ کا انتظار نہیں ہے۔

۵۔ ایک مرد اپنی بیوی سے جماع کرے اور وہ بیوی کسی باکرہ سے مساحقہ کرے اور باکرہ لڑکی اس مرد کے نطفہ سے حاملہ ہو جائے تو بچہ کو اس مرد کے ساتھ ملحق کریں گے اور اس کی زوجہ پر باکرہ کا مہر اور سو کوڑے اور باکرہ کو بھی وضع حمل کے بعد سو کوڑے مارے جائیں گے ایک قول ہے کہ زوجہ کو سنگسار کیا جائے گا اور باکرہ کے لئے مہر نہیں ہے مثل زانیہ کے اور بچے کو مرد کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا

دلالی کی حد

قیادت. عورت و مرد کا زنا کے لئے اکٹھا کرنا یا دو مردوں کو لواط کے لئے یا دو عورتوں کو مساحقہ کے لئے اکٹھا کرنا قیادت کہلاتا ہے۔

اس کی حد پچہتر کوڑے ہیں

یہ پانچ شرائط کے ساتھ قابل اعتبار ہے۔

(۱) بلوغ (۲) عقل (۳) آزادی (۴) اختیار۔ مسلمان و کافر، اور عورت و مرد کا امتیاز نہیں ہے

(۵) دو دفعہ اقرار یا دو عادل مردوں کی گواہی سے قیادت ثابت ہوتی ہے اگر ایک دفعہ اقرار کرے تو صرف تعزیر کا مستحق ہے۔

ایک قول ہے کہ دلال کو کوڑے مارے جائیں گے اور سر مونڈ کر شہر میں تشہیر کی جائے گی اور شہر سے نکالا جائے گا جلا وطنی کی مدت معین کئے بغیر۔ اور ایک قول ہے کہ اگر دو مرتبہ اقرار کرلے تب ایسا کیا جائے گا۔

قذف کی حد

قذف ان سات عقاب آور میں سے ایک ہے

(۱) اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا (۲) جادو (۳) نفس محترمہ کو قتل کرنا (۴) سود خوری (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) دشمن کے خوف سے بھاگنا لشکر کی بھیڑ کے باوجود (۷) محصن کو زنا کی نسبت دینا، جیسے کہے کہ تو نے زنا کیا یا لواط کیا یا تیرے ساتھ لواط کیا گیا یا ہر وہ لفظ جو ایسے معنیٰ ادا کرے۔ لیکن

اگر لفظ ایسا ہو جو گالی گلوچ کے لئے ہو جیسے تو کتا ہے یا تو کتے کا بچہ ہے وغیرہ یہ موجب تعزیر ہے اور قذف تمام لغات میں واقع ہو جاتا ہے صرف عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں ہے ۔

مساحقہ آیا زنا و لواط کے ساتھ ملحق ہے یا نہیں اس کے بارے میں دو قول ہیں ۔

قاذف پر حد کے وجوب کی چار شرطیں ہیں

۱۔ بالغ ۲۔ کامل العقل ہو ۔ آیا حریت شرط ہے حد کامل کے اجرا میں یا نہیں اس میں دو قول ہیں ۔ اگر حریت شرط ہو تو غلامی کی صورت میں چالیس کوڑے ثابت ہوں گے اور اگر شرط آزادی نہ ہو تو پھر اسی کوڑے پوری حد جاری ہوگی۔

۷۔ لفظ کے معنی کو جانتا ہو کہ وہ قذف کا فائدہ دیتا ہے۔ اگرچہ مقذوف قاذف کے معنی کو نہ جانتا ہو ۔ ۴ ۔ دو عادل مرد گواہ ہوں یا قاذف خود دو مرتبہ اقرار کرے ۔

وہ چیزیں جو مقذوف میں معتبر ہیں پانچ ہیں ۔

۱۔ بلوغ ۲۔ کمال عقل ۳۔ آزادی ۴۔ اسلام ۵ ۔ عفت و پاکدامنی ۔

جس میں یہ پانچ شرائط ہوں اگر اس کو زنا و لواط کی تہمت دے تو اس پر اسی کوڑے کی حد ہوگی اگر یہ تمام شرائط مفقود ہوں یا بعض مفقود ہوں تو پھر حد سے کم تعزیر ہوگی ۔

علی الاعلان زنا کرنے والے کو اور ظاہر بظاہر اعلام کے مرتکب کو تہمت لگانا حرام نہیں ہے ۔

فروعات:

۱۔ اگر کوئی کافرہ یا لونڈی ماں کے مسلمان بیٹے کو زانیہ کا بیٹا کہے تو اس پر حد واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں ۱۔اس کو حد لگائی جائے گی ۲۔ اس پر صرف تعزیر ہوگی ۔

۲۔ ایک شخص ایک جماعت کو ایک ایک کر کے ایک ہی کلمہ کے ساتھ قذف کرتا ہے تو اس پر ہر ایک کی علیحدہ حد ہو گی۔

۳۔ اگر ایک گروہ کو ایک لفظ کے ساتھ زنا کی تہمت دیتا ہے مثلاً کہتا ہے تم زانی ہو یا وہ زانی ہیں۔ اگر وہ قاذف کے پاس اکٹھے آئے ہیں تو اس پر ایک حد ہو گی اور اگر علیحدہ علیحدہ آئے ہیں تو ہر ایک کے لئے علیحدہ حد اس پر ہو گی۔

۴۔ جب ایک شخص کسی مسلمان کے ماں باپ دونوں کو زنا کی تہمت دے تو اس کے ماں باپ کے لئے علیحدہ علیحدہ اس پر حد ہو گی جب وہ جداگانہ مطالبۂ حد کریں۔

۵۔ میت کے ورثا میں جو مال کا وارث ہو گا وہ حد کا وارث ہو گا مرد ہو یا عورت۔ لیکن زوج اور زوجہ آپس میں وارث حد نہیں ہوں گے مگر جب مطالبہ کریں۔ آیا یہ معاف کر سکتے ہیں یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔

۶۔ اگر وارث صرف ایک ہے اور وہ قاذف کو معاف کر دیتا ہے تو حد ساقط ہو جائے گی اور اگر ورثا متعدد ہے اور ان میں بعض معاف کر دیتے ہیں تو اس کے حق کے برابر حد ساقط ہو گی اور بقیہ کی ثابت رہے گی جب تک وہ ساقط نہ کریں۔

۷۔ جب کوئی تین دفعہ قذف کرے اور ہر دفعہ اس پر حد جاری ہو گئی ہو تو اس کو چوتھی قذف پر قتل کر دیا جائے گا اور ایک قول ہے کہ تیسری دفعہ قتل کیا جائے گا۔

۸۔ جس کو تہمت دی گئی وہ اپنے حق کے ثبوت سے پہلے اور بعد میں تہمت دینے والے کو معاف کر سکتا ہے۔ اور حاکم کو کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور دعویٰ بھی بغیر مقذوف کے مطالبہ کے قائم نہیں ہو سکتا۔

۹۔ اگر ایک تہمت لگانے والے کو حد قذف لگادی جائے اور پھر تہمت زدہ کو کہے کہ میں نے تیرے لئے کہا تھا وہ حق ہے تو دوسری دفعہ اس پر تعزیر ہوگی۔

۱۰۔ اگر دو شخص جو کامل الشرائط ہو باہم ایک دوسرے کو تہمت زنا دیتے ہیں تو دونوں پر تعزیر ہوگی۔

۱۱۔ کافروں کو ایسے برے القاب سے بلانے پر تعزیر نہیں ہے جو مذمت کی علامت ہوں لیکن اگر فساد کا خوف ہو تو تعزیر ہوگی۔ ایک قول ہے کہ مطلقاً تعزیر ہوگی۔

نبیؐ کو گالی دینے اور دعوائے نبوت کرنے والے کا حکم

۱۲۔ جو کوئی نبیؐ ، امیرالمومنین علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور آئمہ معصومینؑ میں سے کسی ایک پر (العیاذ باللہ) سب وشتم کرے اس کو قتل کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اسے سنے۔

اور یہ متفقہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

حدیث ۱۔ نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے لئے فرمایا:

"یا علی جو تجھ پر (معاذاللہ) سب وشتم کرے اس نے مجھ پر سب وشتم کیا اور جس نے مجھ پر سب وشتم کیا اس نے خدا پر سب وشتم کیا"

حدیث ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور حسنین علیہ السلام کے لئے فرمایا

"حربکم حربی، سلمکم سلمی" تمہاری جنگ میری جنگ اور تمہاری صلح میری صلح ہے

لہٰذا ان پر سب وشتم کرنے والا نبی اکرمؐ پر سب وشتم کرتا ہے اور ان پر سب وشتم کرنے والے کا وہی حکم ہے جو رسول پاکؐ پر سب وشتم کرنے والے کا حکم ہے اور انبیاء ماسلف کو بھی سب وشتم کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے ۔

مگر جب نقصان کا خوف ہو اپنے اوپر۔ یا اپنے مال پر یا کسی مومن پر تو تقیۃً سزا نہیں ہے

۱۳۔ جو شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے یا نبی آخر الزماں کی نبوت میں شک کرے وہ واجب القتل ہے ۔

۱۴۔ جادوگر اگر مسلمان ہے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے اگرچہ وہ جادو کو حلال نہ سمجھتا ہو اور اگر جادوگر کافر ہے تو اس کو تادیبی سزا دی جائے گی اور اگر مسلمان حد کے قیام سے پہلے توبہ کرے تو اس سے قتل کی حد ساقط ہو جائے گی ۔

۱۵۔ قذف کی حد اس وقت ساقط ہو جائے گی جب مقذوف قاذف کی اس بات میں تصدیق کردے جو اس نے اس کے متعلق کہی تھی یا مقذوف کے زنا پر عادل گواہ گواہی دے دیں.

نبی اکرمؐ کی والدہ ماجدہ پر (معاذاللہ) تہمت لگانے کا حکم تعزیریہ کی تادیب

۱۶۔ جو نبی اکرمؐ کی والدہ ماجدہ پر (معاذاللہ) تہمت لگائے تو اس کا قتل واجب ہے اور توبہ کے باوجود قتل کی سزا ساقط نہیں ہوگی

۱۷۔ جو حرام کا ارتکاب کرے یا واجب کو چھوڑے اس پر تعزیر ہوگی جو کہ حد سے کم ہوگی آزاد کے لئے سو کوڑے سے کم اور غلام کے لئے پچاس کوڑے سے کم کیوں کہ یہ ان کے حدود ہیں اور اس تعزیر کی تعیین حاکم شرعی کرے گا ۔

۱۸۔ حقوق اللہ میں تعزیر دو عادل گواہوں یا دو مرتبہ اقرار کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے ۔
۱۹۔ بچے کو تادیب سکھانا کے لئے دس کوڑوں سے زیادہ مارنا مکروہ ہے اور غلام کا بھی یہی حکم ہے۔

نشہ آور شئی کے استعمال کی حد

مسکر ہر وہ شئی جو عقل کو زائل کر دے اور گفتگو کے توازن کو بگاڑ دے اور انسان حیوان سے بھی پست تر ہو جائے عرف عام میں یہی مشہور ہے جیسے شراب ۔ یہ تمام گناہان کبیرہ کی جڑ ہے اور اس سے رزائل اخلاقی ، بدنی بیماری ، معاشرتی اور اقتصادی نقصانات پیدا ہوتے ہیں اور فقاع بھی شراب کی ایک قسم ہے جس کو جو سے بنایا جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ فقاع شراب ہے جس کو لوگ اہمیت نہیں دیتے یعنی اس کو حرام نہیں سمجھتے ۔

شراب خور پر حد جاری کرنے کی چھ شرطیں ہیں ۔

(۱) شراب خور بالغ ہو (۲) عاقل ہو (۳) با اختیار پیئے (۴) شراب کے حرام ہونے کو جانتا ہو (۵) دو عادل مرد اس کی شراب خوری پر گواہی دیں یا وہ خود دو مرتبہ اقرار کرے (۶) شراب پئے اگر چہ اتنی مقدار نہ ہو کہ وہ مستی کی موجب بنے ۔ کیوں کہ حدیث میں اس بات پر بین دلیل ہے کہ جو شئی نشہ آور ہے وہ حرام ہے خواہ قلیل ہی استعمال ہو ۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ خود شراب پئے یا کسی دوسری شئی میں ملا کر پئے مثلاً کھانے یا شربت یا دوا وغیرہ میں ڈال کر پیتا ہے اس کے اقسام میں کوئی فرق نہیں ہے جب تک وہ نشہ آور ہوں۔ اور انگور کا شیرہ بھی جوش کھانے کے بعد اور ⅔ حصہ زائل ہونے سے پہلے شراب کا حکم رکھتا ہے ۔ جب تک

کہ سرکہ نہ بن جائے ۔

شراب خوری کی حد اسّی کوڑے ہے مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اور کافر اگر ظاہر بظاہر پیئے تو اس کی بھی یہی سزا ہے ۔

مرد کا نشہ جب زائل ہو جائے تو اس کی شرمگاہ اور شانوں کے علاوہ ننگا کر کے کوڑے مارے جائیں گے اور اس کے موجب قتل مقامات، چہرہ، فرج کو بچایا جائے گا۔

فروعات:

۱۔ جو کوئی تین دفعہ شراب پیئے اور ہر بار اس پر حد جاری کر دی گئی ہو تو چوتھی دفعہ پینے کی صورت میں قتل کر دیا جائے گا۔ ایک قول ہے کہ تیسری دفعہ قتل ہوگا۔

۲۔ اگر کوئی شخص شراب کے بیچنے کو حلال سمجھے تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا اور اگر حلال نہیں سمجھتا مگر بیچتا ہے تو اس کی سزا تعزیر ہے اگرچہ توبہ نہ بھی کی ہو۔

۳۔ اگر کوئی شخص شراب کو حلال سمجھے تو وہ واجب القتل ہے لیکن اگر شراب کے علاوہ اور مسکرات کو حلال سمجھتا ہو تو اس کے قتل میں اختلاف ہے مگر دیگر مسکرات کے پینے والے پر حد حتماً جاری ہو گی خواہ وہ ان کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو یا حرام ہونے کا

۴۔ اگر شراب خور گواہی قائم ہونے سے پہلے توبہ کرے تو حد ساقط ہو جائے گی اور اگر گواہی کے بعد توبہ کرے تو حد برقرار رہے گی ۔

۵۔ اگر شراب خور اپنے اقرار کے بعد توبہ کرے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کو معاف کر دے یا سزا دے ایک قول ہے کہ سزا دینا ضروری ہے معافی نہیں ہو سکتی ۔

۶۔ اگر کوئی شخص ایک ایسی شئ کو حلال سمجھتا ہے کہ جس کی حرمت پر تمام فرقِ اسلام کا اتفاق ہے جیسے خون، مردار، سود، سور کا گوشت وغیرہ تو اگر وہ پیدائشی مسلمان اور حد کے شرائط بھی کامل رکھتا ہے تو اس کی حد قتل ہے۔

۷۔ اگر کوئی شخص حرام کو حلال نہ سمجھتا ہو بلکہ اس شئ کی حرمت کو جانتا ہوا اس کے بعد اس کا مرتکب ہو تو اس پر تعزیر ہوگی۔

۸۔ اگر کوئی شخص حد یا تعزیر کی سزا پاتے ہوئے مرجائے اور حد جاری کرنے والے نے غلطی بھی نہ کی ہو تو جب کہ حد کو جاری کرنے والے امام علیہ السلام ہوں اس کی دیت نہیں ہوگی ایک قول ہے کہ اگر حد یا تعزیر حقوق الناس کی وجہ سے ہو تو بیت المال سے اس کی دیت دینا واجب ہے۔

۹۔ اگر حاکم حاملہ عورت پر حد کا فیصلہ دے اور خوف کی وجہ سے اس کا بچہ ساقط ہو جائے تو بیت المال سے بچے کی دیت دی جائے گی، کیوں کہ بیت المال کے مصارف میں سے یہ بھی ایک مصرف ہے۔

چوری

سرقہ: کسی کے مال کو چھپا کر اس مکان سے نکالنا جو اس کی حفاظت کے لئے بنایا گیا ہو (اور اصطلاحِ فقہ میں اس کو حرز کہتے ہیں)

اس میں چودہ شرطیں ہیں جو حد سرقہ کے لئے معتبر ہیں

۱۔ بلوغ۔ چور پر حد اس وقت ثابت ہوگی جب وہ بالغ ہونے کی صورت میں چوری

کرے اور اگر بچہ چوری کرے تو اس پر تعزیر ہو گی جو حاکم اپنی صواب دید کے مطابق معین کرے گا ایک قول ہے کہ بچہ اگر پہلی دفعہ چوری کرے گا تو اسے معاف کر دیا جائے گا دوسری دفعہ چوری کرنے پر تادیبی کاروائی کی جائے گی اور تیسری دفعہ اس کی انگلی سے خون بہایا جائے گا اور چوتھی دفعہ اس کی انگلیاں کاٹی جائیں گی اور پانچویں دفعہ اس کو بالغ چوروں والی حد کا مستحق قرار دیا جائے گا لیکن مشہور پہلا قول ہے۔

۲۔ سارق (چور) کامل العقل ہو۔

۳۔ شبہ کا اندیشہ نہ ہو جیسے اگر خیال کرے یہ اس کی ملکیت ہے اور بعد میں اس کے برعکس ظاہر ہو۔

۴۔ مال مشترک نہ ہو اٹھانے والے اور کسی دوسرے کے درمیان مگر یہ کہ وہ اپنے حصہ سے زیادہ اٹھائے اور وہ چوری کے نصاب کے برابر ہو۔

۵۔ اس محفوظ مکان کو تنہا توڑے یا کسی کی معیت میں کہ جس میں مال ہے۔

۶۔ حرز سے مال نکالے تنہا یا کسی کی معیت میں۔

۷۔ با اختیار ایسا کرے۔

۸۔ چوری کرنے والا مال والے کا باپ نہ ہو۔

۹۔ چھپ کر مال نکالے۔

۱۰۔ مال محفوظ جگہ میں ہو۔ حرز وہ جگہ جو مال کی حفاظت کے لئے بنائی گئی ہو۔ اور یہ بھی کہ کہا جاتا ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں صرف مالک ہی جا سکتا ہے یا وہ جس کو مالک اذن دے اور بعض نے کہا ہے کہ حرز وہ جگہ ہے کہ جہاں مالک ہی تصرف کر سکتا ہے اور اس میں داخل ہو

سکتا ہو۔ وہ بند ہو اور مقفل ہو۔

۱۱۔ چوری کی دو عادل گواہی دیں یا چور دو مرتبہ اقرار کرے۔

۱۲۔ مال کی قیمت دینار کی چوتھائی سے کم نہ ہو۔ ایک قول ہے کہ مال مسروقہ ۵ سے کم نہ ہو۔

۱۳۔ چور آزاد ہو۔

۱۴۔ چوری کی حرمت کو جانتا ہو۔

فروعات۔

۱۔ اگر غلام اپنے مولا کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۲۔ اگر غلام مال غنیمت میں چرائے تو بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۳۔ وہ مقامات جن کو عرفاً حرز نہیں کہا جاتا ان سے مال لے جانے والے کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جیسے مساجد، حمام وغیرہ ــــ آیا غلاف کعبہ کے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔

۴۔ اگر ایک شخص کسی کی ظاہری جیب یا باہر کی آستین سے چوری کرے تو بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن اگر اندرونی جیب یا آستین سے چرائے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۵۔ درخت سے پھل توڑنے کی صورت میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۶۔ کھانے والی چیز جو کہ عام مجمع سے چوری ہو تو اس پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۷۔ اگر کوئی مملوک بچپنے میں چوری کرے کہ اپنے مولا اور غیر مولا میں تمیز نہ کر سکے تو اس کا ہاتھ قطع نہیں کیا جائے گا اور اگر چور آزاد ہو تو اس کا ہاتھ قطع نہیں کیا جائے گا اور ایک قول ہے کہ دفع فساد کے لئے اس کا ہاتھ قطع کیا جائے گا۔

۸۔ کفن چور کا ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب کفن کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے ایک قول ہے کہ مطلقاً کاٹا جائے گا اگرچہ نصاب کو نہ پہنچے اور اگر قبر کھودے اور کفن چوری نہ کرے تو اس پر فقط تعزیر ہوگی۔

۹۔ ایک دفعہ چوری کے اقرار کرنے سے قطع ثابت نہیں ہوگا البتہ مسروقہ مال ثابت ہو جائے گا۔

۱۰۔ اگر ایک شخص دو دفعہ اقرار کرنے کے بعد اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے تو حد ساقط نہیں ہے اور مال اس پر پہلے ہی اقرار سے ثابت ہو جائے گا۔

حد سرقت

چوری کی حد یہ ہے کہ چور کے دائیں ہاتھ کی چار انگلیاں کاٹی جائیں گی، انگوٹھا اور ہتھیلی کو چھوڑ دیا جائے گا۔ کیوں کہ آیۂ قطع میں ید کا مصدق انگلیوں پر ہوا ہے لہذا قطع انگلیوں کے ساتھ مختص ہے نیز یہ کہ خود انگلیاں سرقہ میں مباشر ہیں جیسے کہ کتابت میں انگلیاں فاعل ہوتی ہیں اور قرآن پاک میں اس کی تائید موجود ہے۔ فویل الذین یکتبون الکتاب بایدیھم،، کہ پھٹکار ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب کو لکھتے ہیں یہاں ید سے مراد انگلی ہے کیوں کہ کتابت کا انجام دینا انگلی کا کام ہے۔ اور پھر ہتھیلی اعضائے سجدہ میں سے ہے اور یہ جب آیۂ قرآن ،،ان المساجد للہ،، کہ مساجد اللہ کے لئے ہیں تو یہ آیہ کف کو بھی شامل ہے۔ لہذا ہتھیلی محترم ہے۔

اور اگر دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں گھٹنے سے کاٹ دیا جائے گا۔ اور بقیہ کو چھوڑ دیا جائے گا کہ اس کے ذریعہ چل سکے، اور اگر تیسری دفعہ چوری کرے تو عمر قید کی سزا

دی جائے گی اور اگر قید میں یا کہیں اور سے چوتھی دفعہ چوری کرے تو اس کا قتل کرنا واجب ہے۔

فروعات مسئلہ:

۱۔ جب چور کا داہاں ہاتھ شل ہو اور موجود ہو تو وہی کاٹا جائے گا بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

۲۔ اگر چور کا دایاں ہاتھ نہیں ہے تو بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۳۔ اگر چوری کے وقت دایاں ہاتھ تھا اور پھر وہ زائل ہوگیا ہے تو بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۴۔ اگر چور شرعی طور پر چوری کے ثابت ہونے سے پہلے توبہ کرے تو حد ساقط ہو جائے گی اور صرف اس کو مسروقہ مال واپس کرنا ہوگا اور اگر عادل گواہوں کی گواہی یا دو مرتبہ اقرار کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہیں ہوگی۔ ایک قول ہے کہ اگر چوری اقرار کے ذریعہ ثابت ہوئی ہے تو حاکم شرعی کو حق حاصل ہے کہ معاف کر دے یا حد جاری کرے۔

۵۔ جو شخص حد کا اجرا کر رہا ہے اگر وہ جان بوجھ کر چور کا بایاں ہاتھ کاٹے اور جانتا بھی ہو کہ محل قطع دایاں ہاتھ ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر اس گمان سے بایاں ہاتھ کاٹ دے کہ یہ بایاں ہاتھ ہے تو اس پر دیت ہوگی اور چور کی سزا آیا وہی بائیں ہاتھ کا کٹنا کافی ہے یا دایاں ہاتھ دوبارہ کاٹا جائے گا اس میں دو قول ہیں اور مشہور یہ ہے کہ چور کی حد ساقط نہیں ہوگی بلکہ بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۶۔ اگر مسروقہ مال بعینہٖ موجود ہے تو چور پر اسی کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر

وہ مال بعینہ نہیں ہے تو اس کا ضامن ہے اور اگر عین مال موجود ہے لیکن کم ہو گیا ہے تو اس عین کے واپس کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا ارش یعنی اس کا بدل بھی ادا کرنا واجب ہوگا ۔

۷ ۔ چور کا ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹا جائے گا جب تک مسروق حاکم کے پاس معاملہ نہ لے جائے اور حد کے اجرا کا مطالبہ نہ کرے کیوں کہ یہ حقوق الناس میں سے ہے اور انہی کو اس اجرا کا مطالبہ بھی کرنا ہے ۔

محارب کی حد

محارب ہر وہ شخص ہے جو سلاح پوش ہو اور اس کا مطلب لوگوں کو ڈرانا ہو اگرچہ تنہا ہو لیکن یہ صادق آرہا ہو کہ وہ زمین میں فساد کی کوشش میں ہے وہ محارب کہلائے گا اور سورۂ مائدہ کی یہ آیۂ مبارکہ ایسے ہی شخص کو شامل ہے ۔ ترجمہ

" ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیا جائے یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے ۔ "

اس آیۂ کریمہ میں مرد و زن ، قوی و کمزور ، سنگ دل و نرم دل اور ڈرانے کا قصد کرنے یا نہ کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ خشکی پر ہو یا سمندر میں ، شہر میں ہو یا شہر کے باہر رات میں ہو یا دن میں جو بھی ایسا ہے اور جہاں بھی ہے وہ محارب ہے اور ایک قول ہے کہ محارب

صرف مرد ہوگا عورت نہیں ۔

فروعات مسئلہ:

۱۔ محارب ہونا ایک دفعہ کے اقرار سے یا دو عادل گواہوں سے ثابت ہوجاتا ہے ۔

۲۔ محارب ہونا عورت کی تنہا گواہی یا مردوں کے ساتھ منضم گواہی سے ثابت نہیں ہوگا ۔

۳۔ لٹیروں کی گواہی دوسرے لٹیروں پر قبول نہیں ہوگی ۔

۴۔ محارب کی حد وہی ہے جو آیۂ کریمہ میں وارد ہوئی ہے اور "قطع الایدی والارجل من خلاف" سے مراد یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے ـــــ چور کے مثل ۔

۵۔ مشہور یہ ہے کہ آیۂ مبارکہ میں لفظ (او) یہ تخییر کے لئے ہے یعنی حاکم شرع کو اختیار ہے وہ ان سزاؤں میں سے جو چاہے جاری کرے ۔

۶۔ اگر محارب حد ہونے سے پہلے توبہ کرے تو اس سے حد ساقط ہوجائے گی جیسا کہ ارشاد الہی ہے ۔

" اگر وہ توبہ کریں قبل اس کے کہ تم ان پر قدرت حاصل کرو
توجان لو کہ اللہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے ۔"

لیکن حقوق الناس ساقط نہیں ہوں گے مثلاً اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے تو قصاص لیا جائے گا اور اگر زخم لگایا ہے تو اس کو بھی زخمی کیا جائے گا اور اگر مال لوٹا ہے تو وہ واپس کرنا پڑے گا ۔

۷۔ اگر محارب گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہیں ہوگی ۔

۸۔ ڈاکو محارب کے حکم میں ہے جب اس میں محاربت کے معنی متحقق ہوجائے، اور اس سے دفاع جائز ہے اگرچہ اس سے لڑائی کے ساتھ ہی ممکن ہو اور اگر دفاع کی صورت میں وہ قتل ہوجائے تو اس کا خون رائگاں جائے گا اور دفاع کرنے والے پر ضمان نہیں ہے

حکم مرتد

مرتد وہ شخص ہے جو اسلام لانے کے بعد اسلام سے منحرف ہو جائے ۔

اس کی دو قسمیں ہیں (۱) مرتد فطری (۲) مرتد ملی

۱۔ مرتد فطری وہ شخص جس کے ماں، باپ دونوں مسلمان ہوں یا ایک مسلمان ہو (یعنی وہ شخص مسلمان والدین یا صرف ایک مسلمان سے پیدا ہوا ہو)

۲۔ مرتد ملی وہ شخص جو پیدائشی کافر ہو پھر اسلام لے آئے اور پھر اسلام سے کفر کی طرف پلٹ جائے

ارتداد فطری کے ثبوت کی تین شرطیں ہیں ۔

(۱) بلوغ (۲) کمال عقل (۳) اختیار ۔ پس جس میں یہ تین شرطیں ہوں اور وہ اسلام سے منحرف ہو جائے اور اس کے ماں باپ یا صرف ماں یا باپ مسلمان ہوں تو اس کی سزا قتل ہے اگرچہ توبہ کرے اور اسلام کی طرف لوٹ آئے ، اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی اور وہ عدہ وفات رکھے گی کیوں کہ یہ میت کے حکم میں ہے اور اس کا مال ورثا میں تقسیم کر دیا جائے گا

اسلام میں انحراف تین امور میں سے ایک کے ذریعہ واقع ہوتا ہے

۱۔ کفر کا قصد ہو اور اس پر مصمم ارادہ ہو اگرچہ وقتاً فوقتاً ہو اور اسی طرح کفر میں تردد بھی اسی حکم میں ہے ۔

۲۔ زبان سے کفر اختیار کرنا مثلاً خالق کا انکار یا رسول کو جھٹلانا ۔ حرام بدیہی کو حلال کہنا جیسے زنا، شراب خوری یا بدیہی حلال کو حرام جیسے نکاح وغیرہ یا بدیہی واجب کی نفی جیسے نماز کی نفی یا رکعت کی نفی یا دین میں کسی شئی کا اضافہ کرنا جیسے ایک اور نماز مثلاً دن میں چھ نمازیں واجب سمجھنا ۔

۳۔ ایسا کام کرنا جس سے دین کی تضحیک ہو مثلاً بت کے سامنے سجدہ کرنا۔ (معاذاللہ) قرآن پاک کو گندگی میں پھینکنا۔

۴۔ ظاہراً مرتد کی توبہ قبول نہیں ہوگی لیکن باطناً یعنی بعداز مرگ اس میں اختلاف ہے (۱) قبول ہو جاتی ہے (۲) قبول نہیں ہوتی

۵۔ اگر مرتد ملی ہے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر قبول کرے تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ ایک قول ہے کہ اس کو توبہ کے لئے تین روز کی مہلت دی جائے گی اگر وہاں دنوں میں توبہ کرے تو پھر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

حیوانات اور مردوں کے ساتھ وطی کا حکم

۱۔ حیوانات کے ساتھ وطی کرنے والے پر تعزیر ہوگی اور اس کا معتبر ہونا چار امور پر موقوف ہے۔

(۱) بلوغ (۲) عقل (۳) اختیار (۴) دو عادل مرد گواہی دیں یا وطی کرنے والا ایک دفعہ اقرار کرے۔ اگر حیوان اسی کی ملکیت ہے اور اگر حیوان اس کی ملکیت نہیں ہے تب بھی تعزیر ایک اقرار یا دو گواہوں سے ثابت ہوگی خواہ حیوان کا مالک اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے لیکن دوسرے احکام مالک کی تصدیق ہی سے ثابت ہوں گے۔

۲۔ اگر کوئی شخص حیوان سے وطی کرے اور شرائط بالا اس میں پائی جاتی ہوں اور حیوان چوپایہ ہو مذکر ہو یا مونث قبل میں کرے یا دبر میں۔ اگر اس حیوان کا گوشت عادۃً کھایا جاتا ہو تو فاعل پر تعزیر کے ساتھ ساتھ اس حیوان کی قیمت ادا کرنا اس پر واجب ہوگی اگر یہ حیوان اس

فاعل کی ملکیت نہ ہو۔ اور اس کا گوشت، دودھ، نسل سب حرام ہے۔ اس کو ذبح کر کے جلا دیا جائے گا تاکہ دوسرے حیوانات کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے۔

۳۔ حیوان سے وطی کرنے والے میں یہ امتیاز نہیں ہے کہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا عاقل ہے یا مجنون اس کام کی حرمت کو جانتا ہے یا نہیں آزاد ہے یا غلام۔ کیوں کہ نص میں اطلاق ہے۔

۴۔ اگر حیوان ایسا ہے کہ اس کا گوشت کھایا نہیں جاتا صرف اس کا مصرف سواری یا بار برداری ہے جیسے گھوڑا، گدھا، خچر وغیرہ تو اس سے وطی کرنے والے پر تعزیر اور قیمت دونوں ہو گی۔ اگر وہ اس کا مالک نہیں ہے اگر مالک ہے تو صرف تعزیر ہوگی اور حیوان کا حکم یہ ہے کہ اس کو اس شہر سے نکال دیا جائے گا اور دوسرے شہر میں فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی قیمت فاعل یا مالک کو دے دی جائے گی۔ ایک قول ہے کہ اس کی قیمت کو صدقہ کر دیا جائے گا۔

۵۔ دوسرے شہر میں اگر حیوان کی قیمت اس تاوان سے زیادہ ہو جو فاعل نے ادا کیا ہے تو اضافی قیمت مالک کو دی جائے گی یا اس کو صدقہ کیا جائے گا یا اس کو فاعل لے گا اس میں چند اقوال ہیں۔

۶۔ حیوان سے وطی کرنے والے کی سزا پچیس کوڑے ہے اور ایک قول ہے کہ اس کی تعیین حاکم شرع کرے گا۔ بعض نے کہا ہے سو کوڑے اور ایک قول ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

۷۔ جب کوئی ایسا فعل بار بار کرے اور ہر بار تعزیر جاری کی گئی ہو تو چوتھی دفعہ میں واطی کو قتل کیا جائے گا، ایک قول ہے کہ تیسری دفعہ ہی قتل کیا جائے گا۔

بچے اور مجنون کے ساتھ تادیبی کاروائی کی جائے گی۔

میت سے وطی کرنے والے کی حد

۱۔ اگر میت جس کے ساتھ وطی کی گئی ہے عورت ہے اور زانی محصن ہے تو اس زانی کی حد سنگساری ہے اور اگر محصن نہیں ہے تو حد زنا کا مستحق ہوگا۔

۲۔ اگر میت مرد کی ہو اور اس سے لواط کرے تو اس کی حد قتل یا سنگساری ہے یا آگ میں جلانا یا بلندی سے گرانا ہے کہ جس سے وہ مرجائے یا اس پر دیوار گرانا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حاکم زیادہ سختی بھی کرسکتا ہے۔

۲۔ میت کے ساتھ زنا چار عادل گواہوں سے ——— یا چار مرتبہ اقرار سے ثابت ہوتا ہے اور میت کے ساتھ لواط کے لئے بھی چار عادل گواہ یا چار مرتبہ اقرار لازم ہے ایک قول ہے کہ دو عادل گواہوں سے یا بدفعلی کرنے والے کے دو دفعہ اقرار سے لواط ثابت ہو جاتا ہے۔

استمناء کا حکم

استمناء: منی کا خارج کرنا اپنے ہاتھ سے یا ہاتھ کے علاوہ اپنے کسی اور عضو سے یا کسی اور انسان کے کسی عضو سے یا حیوان یا بے روح شئی کے ساتھ، اور اس کو عرف علماء میں عادت سریہ کہتے ہیں۔

علمی طور پر ثابت ہے کہ یہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے اور حدیث میں ہے کہ (ایسا کرنے والا اپنے آپ نکاح کرتا ہے) اور یہ حرام ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا تعزیر کا مستحق ہے جس کو حاکم معین کرتا ہے۔

آیا یہ اپنی زوجہ یا مملوکہ یا دیگر جائز عورت سے ہو تو جائز ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔
استمناء دو عادل گواہوں کی گواہی یا فاعل کے ایک مرتبہ اقرار سے ثابت ہو جاتا ہے
اور ایک قول ہے کہ اگر دو مرتبہ ہو تب ثابت ہوتا ہے۔

دفاع کا حکم

۱۔ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کا اور اپنے ناموس اور مال کا جس قدر دفاع کر سکتا ہو کرے، جان اور ناموس میں واجب ہے اور مال میں اس وقت واجب ہے جب اس کی اشد ضرورت ہو۔

۲۔ دفاع کرنے پر واجب ہے کہ آسان ترین ذریعہ اپنائے مثلاً اگر دشمن داد و فریاد سے بھاگ جائے تو یہی واجب ہے اور اگر ہاتھ کے استعمال سے فرار کرتا ہے تو اس پر اکتفا کرے اور اگر لاٹھی وغیرہ سے دفاع لازم ہو تو اسی سے کرے اور اگر اس سے بھی ممکن نہ ہو بلکہ اسلحہ اٹھانے کی ضرورت ہو تو اس کے ذریعہ دفاع واجب ہوگا اور دفاع کی صورت میں اگر مقابل قتل ہو جائے یا زخمی ہو جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا۔

۳۔ دفاع مسلمان، کافر، آزاد، غلام سب پر واجب ہے اور رات دن کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

۴۔ دوسروں کی جان، ناموس اور مال کا دفاع اس وقت جائز ہے جب سلامتی وامن کا گمان ہو۔

۵۔ جو شخص دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے اس کا رتبہ اجر کے لحاظ سے شہید والا ہے جب وہ اس

کا مستحق بھی ہو۔

۶۔ جب دشمن پسپا ہو جائے تو ہاتھ کا روکنا واجب ہے۔

۷۔ دفاع کرنے کے لئے دشمن پر حملہ کرنے میں ابتدا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دشمن اس کی جان و ناموس یا مال پر دست درازی کا قصد رکھتا ہو۔

۸۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ یا لونڈی یا کسی اور محرم کے ساتھ فحش حرکات کرتے ہوئے پائے جماع کے علاوہ تو اس کا دفاع آسان سے آسان ذریعہ سے کرے اور اگر دفاع کرتے وقت مدمقابل قتل ہو جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا۔

۹۔ اگر کوئی شخص کسی کی مستورات کو جو اس پر حرام ہیں ان کو دیکھنے کے قصد سے جھانکے تو اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی تنبیہ و سرزنش کرے اگر باز نہ آئے تو اس کو لکڑی یا چھڑی سے مارے اگر یہ مار اس کے زخم یا قتل کا موجب بنے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا

۱۰۔ انسان کا اپنی جان یا کسی اور کی جان کا دفاع ہر اس جانور سے کرنا جائز ہے جو اس پر حملہ آور ہو جب کہ وہ دفاع پر قادر ہو اور اگر دفاع کی صورت میں حیوان ضائع ہو جائے تو اس کی ضمان وقیمت نہیں ہے۔ اگر بھاگن ممکن ہو تو بھاگ کر بچنا واجب ہے آیا جانور کو ہلاک کرنا اس صورت میں بھی جائز ہے؟ اس میں دو قول ہے۔

۱۱۔ جب دو مسلمان آپس میں لڑیں تو وہ دونوں جہنم میں جائیں گے اور دونوں اس جنایت کے ضامن ہوں گے جو ہر ایک پر کی ہے کیوں کہ دونوں متجاوز ہیں لیکن اگر ایک رک جائے اور دوسرا اس پر حملہ کرے تو صرف حملہ آور سرکش ہوگا پس رکنے والا اپنی جان کے دفاع کا قصد کرے تو اس پر ضمان نہیں ہوگی جب کہ وہ اسی پر اکتفا کرے جس سے جان

محفوظ رہے اور حملہ آور ضامن ہوگا کیوں کہ وہ متجاوز ہے

۱۲۔ اگر ایک آدمی دوسرے کو دانت کاٹتا ہے اور وہ شخص ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرے اور کاٹنے والے کے دانت اکھڑ جائیں تو چھڑانے والے پر ضمان نہیں ہے ۔

قصاص

قصاص کا معنیٰ   جنایت کار سے اثر جنایت پورا کرنا ہے قتل، زخم یا ضربت وغیرہ سے اسی سے انسانی زندگی باقی ہے اور قرآن پاک میں اسی بات پر نص موجود ہے ۔

"ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب" سورہ بقرہ

قصاص میں زندگی ہے اے صاحبان عقل

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے

"کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس" الخ

کہ ہم نے ان پر زندگی میں لازم کیا کہ جان، جان کے بدلے، آنکھ آنکھ کے بدلے، ناک ناک کے بدلے، کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے اور زخم (زخم کے بدلے) ہیں اور قصاص کا موجب نفس محترم کا عمداً بغیر حق کے خون بہانا یا عمداً نفس محترمہ کے کسی عضو کا زخمی کرنا ہے

اسکی تین قسمیں ہیں

۱۔ عمد یعنی اپنے فعل سے قتل نفس محترمہ کرے

۲۔ شبہ عمد، فعل عمداً انجام دے لیکن قصد میں خطا کرے (یعنی فعل سے جو مقصود تھا وہ انجام نہ پائے بلکہ جو مقصود نہیں تھا فعل اس پر واقع ہوجائے)

۳۔ خطا محض: قصد اور فعل دونوں میں خطا ہو۔

قصاص کے معتبر ہونے کی چھ شرطیں ہیں

(۱) بلوغ (۲) عقل (۳) عمد قتل کا قصد رکھتا ہو (۴) مقتول قاتل کے برابر ہو اسلام اور آزادی میں (۵) قاتل باپ نہ ہو۔

عمد: قتل کے ارادے سے ایسی چیز مارے جو قتل کی صلاحیت رکھتی ہو یا ایسی چیز مارے جو عادۃً قتل کرنے والی نہیں ہے لیکن کبھی موجب قتل ہو جاتی ہے۔ تو اس قاتل پر قصاص ہوگا اور مقتول کے ورثہ کو اختیار ہے کہ وہ قاتل کے ساتھ دیت پر صلح کرلے۔

شبہ عمد: مثلاً کوئی شخص ادب سکھانے کے لئے مارے اور اس کی موت واقع ہو جائے تو ایسے قاتل پر دیت ہوگی اس کے اپنے مال سے۔

خطا محض: مثلاً اگر کوئی شخص حیوان کو تیر مارتا ہے اور وہ انسان کو لگ جاتا ہے تو اس قتل کی بھی دیت ہے لیکن یہ قاتل کے عاقلہ یعنی کنبہ پر ہے۔

فروعات مسئلہ:

۱۔ اگر کوئی شخص کسی کی طرف ایسی شئی پھینکے جو غالباً آلۂ قتل نہیں اور پھینکنے والا اس سے قتل کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو یہ عمد ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں مشہور یہی ہے کہ یہ عمد نہیں ہے۔

۲۔ جب ایک قتل پر تین شخص جمع ہو جائیں مثلاً ایک روکتا ہے دوسرا قتل کرتا ہے اور تیسرا نگرانی کرتا ہے تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور روکنے والے کو قید کیا جائے گا اور نگرانی کرنے والے کی آنکھ پھوڑی جائے گی۔

قتل عمد کی قسمیں

۲۔ قتل عمد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خود قاتل کے ہاتھ سے ہو (۲) قاتل کا فعل سبب قتل ہو مثلاً اس پر آگ ڈالتا ہے یا تلوار مارتا ہے یا گلا دباتا ہے یا زہر وغیرہ پلاتا ہے۔

دوسری قسم چند امور کے ذریعہ واقع ہوتی ہے۔

(۱) انسان کسی کو تیر مارتا ہے اور وہ تیر اس کو قتل کر دیتا ہے تو اس پر عمد کا صدق ہوگا اگرچہ قتل کا قصد نہ رکھتا ہو (۲) گلا دبا دینا اور اس کو ڈھیلا نہ کرنا یہاں تک کہ مر جائے یا اس کو جان کنی کے عالم میں چھوڑ دے لیکن مرا نہ ہو اور موت کا سبب بھی گلا دبانا ہی ہو تو بھی عمد ہے (۳) قید کر دے اور اس کو کھانا پینا اتنی مدت تک نہ دے کہ اس مدت میں اس محبوس جیسا آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔

۴۔ اس کو آگ میں ڈالے اگرچہ قصد قتل نہ ہو اور مر جائے۔

۵۔ بار بار مارے کہ مضروب کا سا بدن یا ایسی ضربوں کا متحمل نہ ہو سکتا ہو یا اتنے وقت عام بدن اس کا متحمل نہ ہو سکتا ہو (اور اس سے موت واقع ہو جائے)

۶۔ عمداً انسان کا ایک عضو کاٹ دے کہ یہ جنایت اس کی زندگی ختم کر دے۔

۷۔ جان بوجھ کر اپنے کو بلندی سے کسی پر گرائے کہ ایسے کام سے موت واقع ہو سکتی ہو۔

۸۔ کسی کے لئے راستے میں کنواں کھود کر اس کو بلائے کہ اگر وہ آیا تو کنویں میں گر جائے گا۔ اور وہ آنے والے کو معلوم نہ ہو کہ یہاں کنواں کھدا ہوا ہے اور وہ آئے اور کنویں میں گر کر مر جائے

۹۔ کوئی شخص کسی کو زخم لگائے اور مجروح خود زخم کے لئے زہریلی دوا استعمال کرے تو مجروح خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۰۔ کوئی شخص کسی کو سمندر میں پھینکے کہ جو عموماً موت کا موجب ہوتا ہے یا اس کو قتل کے قصد

سے پھینکے اور اس کو سمندر میں پہنچنے سے پہلے ہی مچھلی نگل لے تو گویا اس نے قتل کیا ہے ایک قول ہے کہ ایسے قاتل پر دیت ہو گی۔

۱۱۔ ظالم کسی کو قتل پر مجبور کرتا ہے اور قتل نہ کرنے کی صورت میں خود اس کو قتل کی دھمکی دے پس اگر مجبور و مکرہ قتل کر دے تو اس پر قصاص ہو گا کیوں کہ قتل میں اکراہ ثابت نہیں ہے اور حکم دینے والے کو عمر قید کی سزا دی جائے گی۔

۱۲۔ اگر مجبور کیا ہوا شخص بچہ یا مجنون ہو تو اس صورت میں قصاص مجبور کرنے والے پر ہوگا کیوں کہ یہ دونوں نسبت بہ جائز آلہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس میں فرق نہیں کہ بچہ یا مجنون آزاد ہو یا غلام۔ ایک قول ہے کہ اگر غلام بالغ عاقل ہو اور جانتا ہو کہ مولا جس چیز کا مجھے حکم دے رہا ہے یہ اللہ کی نافرمانی ہے اور پھر بھی انجام دے تو قصاص غلام پر ہوگا اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ جس کا مولا مجھے حکم دیتا ہے اس کی اطاعت واجب ہے تو قصاص مولا پر ہوگا۔

ایک شخص کے قتل میں اگر ایک گروہ شریک ہو اس کا حکم اور اعضا کے قصاص کا حکم

۱۔ ایک شخص کے قتل میں اگر ایک جماعت شریک ہو تو تمام پر قصاص ہوگا اور مقتول کے سرپرست کو یہ اختیار رہے کہ وہ تمام کو قتل کر دے اور اضافی کی دیت مقتول کے ورثا کو دے یا بعض کو قتل کرے اور باقی مقتول کے سرپرست کو دیت دیں گے پس اگر دو قاتل ہیں تو ہر ایک پر نصف ہوگا اور اگر تین قاتل ہیں تو ہر ایک پر ثلث یعنی ⅓ ہوگا اسی طرح باقی

۲۔ جس طرح انسان کے قتل میں قصاص ہے اسی طرح اعضا کے کاٹنے میں بھی قصاص ہے۔

۳۔ اگر ایک جماعت کسی کے ہاتھ کو کاٹنے میں شریک ہو تو تمام سے قصاص لے سکتا ہے اور اضافی کی دیت دے جیسا کہ ایک گروہ کے قصاص میں ہے۔

۴۔ اگر ایک شخص کے قتل میں دو عورتیں شریک ہوں تو دونوں کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا اور باقی دیت مقتول کے وارث کی نہیں ہوگی۔

۵۔ اگر ایک آزاد شخص عورت کو قتل کر دیتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور اضافی دیت اس کے ورثہ کو دی جائے گی۔

۶۔ اگر ایک مرد کسی عورت کے کسی عضو کو زخم لگائے تو جب تک عضو کی دیت ثلث دیت تک ہے تو مرد سے پورا قصاص لیا جائے گا اور اگر ثلث سے تجاوز کر جائے تو پھر عورت کا قصاص اور دیت نصف ہو جاتا ہے۔

۷۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کیا جائے گا اور اسی پر قرآن میں نص ہے۔

۸۔ غلام یا لونڈی کے عوض آزاد مرد یا آزاد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا ایک قول ہے کہ اگر مولا کی عادت ہی غلاموں کو قتل کرنا ہو تو پھر فساد کی وجہ سے مولا کو غلام کے بدلے قتل کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس پر تعزیر ہوگی اور اس پر قتل کے تمام کفارے آئیں گے اور مشہور یہ ہے کہ غلام کی قیمت کے برابر صدقہ دینا مولی پر واجب ہے۔

۱۰۔ جو شخص کسی کے غلام کو قتل کرے اس پر تعزیر ہوگی اور وہ غلام کے قتل کے وقت کی قیمت

اس کے مالک کو دے گا جب کہ یہ قیمت آزاد کی دیت سے تجاوز نہ کرے اور آزاد عورت کی دیت سے تجاوز نہ کرے اگر لونڈی کو قتل کیا ہے ۔

۱۱۔ اگر ایک غلام کسی آزاد شخص کو قتل کر دے تو اس کو آزاد کے بدلے قتل کیا جائے گا اور اس کے آقا پر اس کی جنایت کی ضمان نہیں ہوگی مقتول کے سرپرست کو یہ حق ہے کہ وہ غلام کو قتل کر دیں یا اس کو اپنا غلام بنا لیں ۔

۱۲۔ اگر کوئی شخص قتل کے علاوہ کسی ایک جنایت پر مجبور کرتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ فلاں کا ہاتھ کاٹو ورنہ تجھے قتل کر دوں گا تو وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے وہ اس کا ہاتھ کاٹ سکتا ہے کہ جس سے اس کی زندگی نہ ختم ہو اور مجبور پر قصاص نہیں ہے اور جابر پر دیت ہے ۔

۱۳۔ ایک آزاد شخص دو یا دو سے زیادہ آزاد آدمیوں کو قتل کر دے تو ان کے سرپرست صرف اس کو قتل کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ اس نے نفس محترمہ کے قتل کے علاوہ کوئی اور جنایت نہیں کی ہے اور نص قرآن بھی اسی پر ہے ۔

۱۴۔ جو شخص دو آدمیوں میں سے ہر ایک کا ایک ایک عضو کاٹ دے مثلاً ایک شخص کا ایک دایاں ہاتھ اور دوسرے آدمی کا بایاں ہاتھ کاٹتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔ اگر وہ ایک تیسرے شخص کا ہاتھ کاٹتا ہے تو آیا اس کا قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت کی صورت میں بدل جائے گا کیوں کہ محل قصاص نہیں ہے یا تیسرے ہاتھ کے بدلے اس کا دایاں پاؤں اور چوتھے ہاتھ کے بدلے اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا ۔ اس میں مشہور دو قول ہیں اور مشہور یہی آخری قول ہے ۔

ذمی، مجنون اور بچے کی جنایت کا حکم

۱۔ اگر مسلم کسی ذمی کو قتل کر دے تو مسلمان پر تعزیر اور دیت ہوگی اور مشہور کا قول ہے کہ اگر ذمیوں کو قتل کرنا مسلمان کی عادت بن جائے تو اس سے قصاص لینا جائز ہے البتہ اضافی دیت مسلم کے ولی و سرپرست کو دے دینی پڑے گی

۲۔ ذمی کی دیت چاندی کے آٹھ سو درہم ہیں اور ذمی عورت کی دیت اس کا نصف ہے۔

۳۔ اگر ذمی کو ذمی قتل کرتا ہے تو قاتل کو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور اگر ذمی عورت کو قتل کرتا ہے تو بھی قاتل سے قصاص لیا جائے گا اضافی دیت اس قاتل کے سرپرست کو دینے کے بعد۔

۴۔ ذمی عورت اگر کسی ذمی عورت کو قتل کرے یا ذمی مرد کو قتل کرے تو اس کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا اور مرد مقتول کی صورت میں اضافی دیت ادا کرنا عورت پر واجب نہیں ہوگا۔

۵۔ ذمی اگر عمداً کسی مسلمان کو قتل کر دے تو مقتول کے سرپرست ذمی کو اور اس ذمی کے مال کو اپنے اختیار میں لے لیں گے اور انہیں یہ اختیار ہوگا کہ وہ اس کو قتل کریں یا غلام بنا لیں۔

۶۔ اگر کوئی باپ عمداً اپنے بچے کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن اس پر تعزیر ہوگی اور تمام کفارے اکٹھے مقتول کی دیت اس پر آئے گی۔

۷۔ اگر کوئی شخص عمداً اپنے باپ کو قتل کر دے تو بدلے میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔

۸۔ اگر ماں اپنے بچے کو عمداً قتل کر دے تو بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا اور اگر کوئی بچہ اپنی ماں کو عمداً قتل کر دے تو اس سے بھی قصاص لیا جائے گا۔

۹۔ جب مجنون کسی عاقل یا مجنون کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے رشتہ داروں پر دیت ثابت ہو گی اور بچے کا بھی حکم ہے اور ایک قول ہے کہ اگر وہ بچہ بالغ ہو کر قتل کرے تو قصاص لیا جائے گا اور بعض دوسرے لوگوں کا نظریہ ہے کہ جب دس سال کی عمر میں قتل کرے تو قصاص لیا جائے گا اور پہلا قول مشہور ہے کیوں کہ بچہ کا عمد خطا ہے اور اس پر دلیل محکم ہے ایک قول ہے کہ بچہ اگر پانچ بالشت کو پہنچ جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور باقی حدود بھی اس پر قائم ہوں گی

۱۰۔ اگر مسلمان کسی مرتد کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اگرچہ وہ حاکم سے اذن نہ لینے کی وجہ سے گناہگار ہو گا مرتد میں کوئی فرق نہیں ہے ملی ہو یا فطری اور اسی طرح کسی ایسے شخص کو قتل کرے جس کے خون کو شریعت نے مباح کیا ہے تب بھی قصاص وغیرہ نہیں ہو گا۔

قتل کے دعوے کے قبول ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں۔

(۱) مدعی بالغ ہو (۲) دعوی کے وقت رشید ہو یعنی نفع و نقصان کو سمجھتا ہو (۳) دعوی اس شخص پر ہو جس کا قتل میں ملوث ہونا صحیح ہو پس اگر ایسے شخص پر دعوی کرے جو قتل کے وقت غائب تھا تو یہ دعویٰ قبول نہیں ہو گا کیوں کہ یہ صریح جھوٹ ہے (۴) دعویٰ کسی ایسی جماعت پر نہ ہو کہ ان کا ایک کے قتل پر متفق ہونا مشکل ہو جیسے ایک پورے شہر پر مگر یہ کہ دعوی میں ایسی بات ہو جو اس کو صحیح قرار دے سکتی ہو جیسے غائب میں مثلاً دعویٰ ہو کہ اس نے زہر قاتل بھیجا ہے اور اہل شہر پر دعویٰ ہو کہ ایک شخص اہل شہر کے درمیان قتل کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا دفاع نہیں کیا

قتل کے ثابت ہونے کا طریقہ اور قسامہ کا معنی

۱۔ قاتل کے ایک مرتبہ اقرار سے قتل ثابت ہو جاتا ہے ایک قول ہے کہ دو مرتبہ اقرار سے قتل

ثابت ہوتا ہے ۔

۲۔ دو عادل گواہوں سے قتل ثابت ہوتا ہے ۔

۳۔ قسامہ سے دعوائے قتل ثابت ہوتا ہے جب کہ مشروط ہو یعنی جب مقتول خون میں غلطاں ہو اور قریب ہی ایک شخص مسلح خون آلود ہو ۔ کیوں کہ دونوں طرف کا خون سے لتھڑا ہونا یہ مدعی کے دعویٰ کے سچا ہونے کے گمان کا فائدہ دیتا ہے ۔

قسامہ کے معنی یہ ہیں کہ مدعی اور اس کی قوم پچاس قسمیں اس طرح کھائیں

"باللہ علی واحدٍ ، بالقتل عمداً "

یا "علی جماعۃ بالقتل عمداً "

"یعنی خدا کی قسم اس شخص نے عمداً قتل کیا ہے یا اس جماعت نے عمداً قتل کیا ہے"

یا خطا کی قسم کھائے مثلاً

"باللہ علی واحدٍ او جماعۃ بالقتل خطاءً "

ایک قول ہے کہ قتل خطا کے ثبوت کے لئے پچیس قسمیں کافی ہیں

اقرار کے قبول کی شرائط چار ہیں:

(۱) اقرار کرنے والا بالغ ہو (۲) کامل العقل ہو (۳) با اختیار ہو (۴) آزاد ہو ۔

فروعات :

(۱) اگر ایک ایسا شخص قتل عمدی کا اقرار کرتا ہے جس کو سفیہ یا مفلس ہونے کی وجہ سے اس کو اپنے مال میں تصرف سے روک دیا گیا ہو تو اس کا اقرار قبول ہوگا اور اگر قتل خطا یا شبہ عمد کا اقرار کرے تو دیت اس کے ذمہ ثابت ہوگی ۔

۲۔ جب دو شخصوں میں سے ایک قتل عمدی کا اقرار کرتا ہے اور دوسرا قتل خطا کا تو دو میں سے سے جس کو چاہے قبول کر سکتا ہے دوسرے پر اس کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ ایک قول ہے کہ ہے کہ مقتول کے ولی کو اختیار ہے کہ قتل عمدی کے اقرار کرنے والے کو قصاص کے طور پر قتل کرے یا دونوں سے آدھی آدھی دیت لے لے۔

۲۔ اگر ایک شخص قتل عمدی کا اقرار کرتا ہے اور پھر دوسرا شخص آکر اقرار کرتا ہے کہ وہ قاتل ہے اور پہلا شخص اقرار سے منحرف ہو جاتا ہے تو دونوں سے قصاص نہیں لیا جا سکتا اور نہ ہی دونوں پر دیت ہو سکتی ہے کیوں کہ اشتباہ ہو گیا اور اس مقتول کی دیت بیت المال سے دی جائے گی

وہ شہادت جس سے قصاص اور دیت ثابت ہوتے ہیں

۱۔ پورے انسان اور اس کے اعضا کا قصاص دو عادل گواہوں سے ثابت ہوتا ہے اور ایک قول ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور ایک قول ہے ہے کہ اس سے صرف دیت ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ ہر وہ قتل جو موجب دیت ہے وہ دو عادل گواہوں یا ایک عادل گواہ اور ایک قسم سے ثابت ہو جاتا ہے جیسے قتل خطا یا شبہ عمد یا اور اسی کے مثل وہ زخم جن میں دیت واجب ہوتی ہے جیسے ھاشمۃ منقلۃ کسر عظام، جائفہ ان کی وضاحت بعد میں آئے گی

۳۔ جس کے خلاف گواہی کامل ہو جائے اور وہ خود قتل کا انکار کرے تو اس کے انکار کی کوئی وقعت نہیں ہے، جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ مقتول کی موت اس جنایت کے غیر سے ہوئی جس پر گواہ قائم ہوئے ہیں اور گواہوں نے بھی اس کے موت کی وجہ کی وضاحت نہ کی ہو تو اس کے انکار کی طرف

توجہ کی جائے گی اور اس سے قسم لی جائے گی اور زخم کا بھی یہی حکم ہے ۔

۴ - جب امارہ و علامت قتل پر موجود نہ ہو جو مدعی کے سچا ہونے کا گمان پیدا کرے تو قسامہ ثابت نہیں ہوگا یہاں پر مدعی منکر سے صرف ایک قسم لے سکتا ہے ۔

۵ - ایک مقتول اگر دو بستیوں کے درمیان پایا جائے تو ان دونوں میں سے جو مدعی کے قریب تر ہے اس کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور اگر دونوں کا فاصلہ برابر ہے تو پھر وہ ــــــ حکم میں برابر ہوں گی ۔

۶ - اگر کسی سڑک یا خرابے یا کنواں وغیرہ یا کسی چشمے میں جو کسی کا مخصوص نہ ہو یا لوگوں کی بھیڑ میں یا کسی چھوٹے بڑے پل پر کسی مقتول کی لاش پائی جائے تو اس کی دیت بیت المال سے دی جائے گی ۔

۷ - فاسق، بچے یا کافر یا بچوں کے گروہ یا کفار کے ذریعہ قتل میں ملوث ہونا ثابت نہیں ہوگا لیکن اگر ان کی خبر یقین آور ہو تو قتل میں ملوث ہونا ثابت ہو جائے گا ۔

۸ - قتل میں ملوث ہونا فاسقوں یا عورتوں کے گروہ سے ثابت ہو جائے گا جب گمان ہو کہ وہ سچے ہیں

۹ - قتل عمد میں قسامہ کی صورت یہ ہے کہ مدعی پچاس قسم کھائے اور اگر اس کے اقارب ہوں اگرچہ وہ وارث نہ ہوں اور انہیں دعوے کا یقین ہو تو ہر ایک ان میں سے قسم کھائے گا جب وہ پچاس ہوں اور مدعی ان میں سے ایک ہو (جب کہ ان کی خبر سے قتل کا علم حاصل نہ ہو) اور اگر وہ پچاس سے زیادہ ہیں تو وہ اپنے میں سے پچاس کو معین کریں گے کہ ان میں سے ایک مدعی ہوگا اور اگر وہ پچاس سے کم ہوں تو باقی ماندہ قسمیں ان سے دوبارہ لی جائیں گی یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں اور اگر بعض دوبارہ قسم نہ کھائیں تو دوسرے بعض سے قسم لی جائے گی ۔

۱۰۔ اگر مدعی کے ساتھ ایسے لوگ نہ ہوں جو قسم کھائیں یا اس لئے کہ وہ موجود نہیں تھے یا ان کو واقعہ کا حتمی علم نہیں ہے یا وہ قسم اس لئے نہیں کھاتے کہ ان پر واجب نہیں ہے تو مدعی پچاس قسمیں خود کھائے گا اور اگر مدعی اور اس کی قوم قسم نہ کھائے تو پھر وہ مدعیٰ علیہ سے صفائی کے لئے پچاس قسمیں لے گا۔ جب مدعیٰ علیہ کے عزیز و اقارب نہ ہوں اور اگر اس کے اقربا ہوں تو وہ مدعی کی طرح قسم میں پچاس میں سے ایک ہوگا۔ اگر مدعیٰ علیہ قسم نہ کھائے یا اس کی ساری قوم یا بعض قسم نہ کھائیں جب کہ وہ قسم دیتے تھے تو دعویٰ مدعیٰ علیہ پر لازم ہو جائے گا۔

۱۱۔ قسامہ کی تعداد قتل عمدی میں پچاس ہے اور قتل خطا یا شبہ عمد میں پچیس ہے۔

اعضاء کی قسامت

۱۔ جان کی طرح عضو میں بھی قسامہ ہے اور عضو کے قصاص کے لئے قسامت کے وہی شرائط ہیں جو جان کے قصاص کے لئے قسامت کے شرائط ہیں۔

۲۔ عضو کے قصاص میں جان کے قصاص سے دو شرطیں زیادہ ہیں۔

۱۔ وہ عضو جس کا قصاص لیا جا رہا ہے اور جس سے قصاص لیا جا رہا ہے برابر ہوں۔

۲۔ عضو صحیح سالم یا صحیح سالم نہ ہو۔

۳۔ قسامت میں قسم دینے والے کو واقعہ کا علم ہونا واجب ہے جنایت کا گمان کافی نہیں ہے کیوں کہ قسم صرف علم کی بنیاد پر دی جا سکتی ہے۔

۴۔ کافر کی قسم اس کے لئے دعویٰ میں جو مسلمان پر ہو قتل عمد و قتل خطا میں قبول کرے یا نہ کرانے کے بارے میں دو قول ہیں۔

۵۔ قصاص صرف تلوار سے گردن مارنے کے ذریعہ لیا جائے گا۔ جنایت کی مثل کے ساتھ قصاص لینا حرام ہے۔

۶۔ اگر قصاص میں کٹنے والا عضو زندگی کے اختتام کا موجب بن جائے تو قصاص لینے والا ضامن نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ قصاص لینے میں اس حد سے تجاوز کر جائے جو قصاص کے لئے معین تھی لہذا اگر وہ اس تجاوز کے عمد کا قائل ہو تو اس سے زائد کا قصاص لیا جائے گا جہاں قصاص لینا ممکن ہو اور اگر وہ خطا کا اقرار کرے تو اس سے دیت لی جائے گی۔

۷۔ قصاص لینے والے اور حدود قائم کرنے والے کی اجرت بیت المال سے ہوگی لیکن اگر بیت المال نہ ہو یا اس کا مصرف اجرت کی ادائیگی سے اہم ہو جیسے جہاد کے فریضہ کے لئے تو پھر اجرت اس پر ہوگی ——— جس کی طرف سے قصاص لے رہا ہے یا حد قائم کر رہا ہے یا جنایت کرنے والے پر ہوگی اس میں دو قول ہے۔

عضو کا قصاص

۱۔ عضو کے قصاص میں ہر وہ چیز معتبر ہے جو جان کے قصاص میں معتبر ہے مثلاً اسلام، حریت وغیرہ جن کا ذکر جان کے قصاص کے سلسلہ میں ہوا۔

۲۔ مرد کے کسی عضو پر جنایت کی صورت میں جنایت کرنے والا مرد ہو یا عورت دونوں سے قصاص لیا جائے گا اور عورت کے ذمہ اضافی کوئی شی نہیں ہوگی۔

۳۔ عورت کے لئے جانی عورت یا مرد دونوں سے قصاص لیا جائے گا لیکن مرد کے جانی ہونے کی صورت میں اضافی دیت لی جائے گی خواہ عضو میں ہو یا نفس میں۔

۴۔ ذمی پر اگر دوسرا ذمی یا کافر حربی جنایت کرے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر مسلمان جنایت کرے تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔

۵۔ اگر غلام کسی آزاد کے کسی عضو پر جنایت کرے تو آزاد کو یہ اختیار ہے کہ وہ غلام سے قصاص لے یا اگر اس عضو کی دیت غلام کی قیمت کے برابر ہے تو اس کو اپنا غلام بنالے یہاں غلام کے مالک کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

۶۔ ناقص ہاتھ کے بدلے میں صحیح وسالم ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ جنایت کار صحیح ہاتھ دے دے اور شل ہاتھ کو صحیح ہاتھ کے بدلے کاٹا جا سکتا ہے اگر جنایت صحیح ہاتھ پر ہوئی ہو۔

۷۔ دایاں ہاتھ دائیں کے بدلے اور بایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے بدلے میں کاٹا جائے گا۔ عضو پر جنایت کی شکل میں اس کا مثل عضو کاٹا جائے گا۔

۸۔ اگر جنایت کار کسی کا دایاں ہاتھ کاٹے اور خود دائیں ہاتھ سے محروم ہو تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر بایاں ہاتھ بھی نہ ہو تو اس کا پاؤں کاٹا جائے گا۔

۹۔ سر کے زخم کے قصاص کے وقت زخم کی مساحت (لمبائی اور چوڑائی) کے اعتبار سے برابر ہونا ضروری ہے۔

اعضاء کے وہ زخم جن میں قصاص ثابت ہوتا ہے

۱۔ الحارصہ: وہ زخم جو جلد کو چھیل دے یہ زخم چہرے اور سر کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲۔ الباضعہ: وہ زخم جو جلد کو کاٹتا ہوا گوشت تک پہنچ جائے۔

۳۔ سمحاقہ: وہ زخم جو اس نازک جلد کو لگے جو سر کی ہڈی کو ڈھانپے ہوئے ہے۔

۴۔ الموضحہ : وہ زخم جس سے سر کی ہڈی ظاہر ہوجائے ۔

۵۔ قصاص کے طور پر زخم لگانے میں واجب ہے اس زخم کی لمبائی اور چوڑائی کے بالکل برابر ہو جس کا قصاص لیا جارہا ہے اور جب قصاص سے لگائے گئے زخم پر زخم کا نام صادق آرہا ہو تو گہرائی معتبر نہیں ہے مذکورہ بالا اقسام زخم میں ۔

اگر وہ زخم جنایت کار کے تمام سر کو گھیر لے مثلاً جنایت کار کا سر چھوٹا ہے اور جس پر جنایت کی ہے اس کا سر بڑا ہے لیکن زخم پیمائش کے لحاظ سے پورا لگایا جائے گا ۔

۶۔ جس عضو سے قصاص لیا جارہا ہے اس سے دوسرے عضو کی طرف تجاوز نہیں کیا جا سکتا جب کہ جنایت کار کا لگایا ہوا زخم اس کے اپنے عضو سے بڑا ہو لہذا اگر زخم کے پورا ہونے میں کچھ باقی رہ جائے تو اس کی دیت لی جائے گی (مثلاً ایک زخم چار انچ کا ہے اور جنایت کار کا وہی عضو تین انچ کا ہے تو ایک انچ بقیہ کی دیت لی جائے گی) ۔

۷۔ الہاشمہ : وہ زخم جو ہڈی کو توڑ دے ۔

۸۔ المنقلہ : وہ زخم جو ہڈی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کر دے ۔

۹۔ الجائفہ : وہ زخم جو پیٹ تک پہنچ جائے

۱۰۔ المامومہ : وہ زخم جو سر کی چوٹی میں لگے (یعنی جو کھوپڑی کے اندر چلا جائے)

۱۱۔ جائفہ اور مامومہ کا قصاص نہیں لیا جائے گا کیوں کہ ان میں حتمی مقدار کا پورا کرنا ممکن نہیں ہے اور ان میں حکومت ثابت ہوگی اور حکومت عیب و نقص کا ارش (یعنی عیب کی وجہ سے جو کمی واقع ہوتی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے جو غرامت دی جاتی ہے اس کو ارش کہتے ہیں) ثابت ہوگا ۔ اسی طرح ہر وہ زخم جس میں غرر کا اندیشہ ہو مثلاً حق سے زیادہ زخم لگ جائے گا جو دوسرے

عضو کے ضائع ہونے کا موجب بنے گا تو وہاں قصاص نہیں ہوگا بلکہ حکومت ہوگی ۔

۱۲۔ آنکھ، ابرو، سر کے بال اور پلکوں میں قصاص ہوگا لیکن اگر زخم خوردہ مقام پر قصاص لینے سے پہلے بال اگ آئیں ۔ ذکر کے کاٹنے میں قصاص ثابت ہے اور اس کے قصاص میں جوان بوڑھے، شیر خوار، مجنون، ختنہ شدہ ہو یا نہ ہو خصی ہو یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے جب کہ یہ سب اسم، خلقت اور سلامتی میں مشترک ہوں ۔

۱۳۔ اگر آلۂ تناسل میں کوئی نقص ہو تو اس کے بدلے میں صحیح عضو نہیں کاٹا جائے گا البتہ اس کے کاٹنے پر ⅓ دیت ہوگی ۔

۱۴۔ دانت، دو نوں خصیوں یا ایک علیحدہ کا قصاص ہے۔ناک اور ایک نتھنے یا ــــ دونوں ہاتھوں اور کانوں میں قصاص ہے

۱۵۔ ہر وہ عضو کہ جس کا قصاص ثابت ہے اس کے بعض حصے مثلاً نصف یا چوتھائی وغیرہ کا بھی قصاص ہوگا اسی طرح اس کے مماثل کا بھی قصاص ہے ۔

۱۶۔ اگر کسی کا دانت توڑ دیا جائے اور وہ دوبارہ نہ نکلے یا اہل خبرہ نہ نکلنے کا فیصلہ دے دیں تو اس کا قصاص لیا جائے گا لیکن اگر دوبارہ دانت نکل آئے تو قصاص نہیں لیا جائے گا اور اگر اہل خبرہ اس کے نکلنے کا فیصلہ کردیں تو اتنی مدت قصاص میں انتظار کریں جس میں عموماً دانت نکل آتا ہے اگر نہ نکلے تو قصاص لے لیا جائے گا اگر چہ بعد میں دانت نکل آئے کیوں کہ یہ مضروب پر اللہ کی عنایت ہے ۔

۱۷۔ اگر کوئی شخص کسی بچے کا دانت توڑ دے اور دانت نہ نکلے تو ایک سال تک انتظار کیا جائے گا اگر دانت دوبارہ نکل آئے تو اس جنایت کار سے دیت لی جائے گی ۔

یعنی وہ تفاوت جو دانت والے اور بغیر دانت کے درمیان ہے اور اگر وہ دانت دوبارہ نہ نکلے تو جنایت کار سے قصاص لیا جائے گا اور اگر دوبارہ نکل آئے لیکن پہلے دانت سے مغائرت رکھتا ہو یا ٹیڑھا ہو تو جانی پر بغیر دانت والے کا تفاوت اور اس عیب دار دانت والے کا ارش ہے ۔

دیات

دیت کی موجب دو چیزیں ہیں ۔

(۱) عمد اشتباہی (۲) خطا محض ۔ ان کی تعریف پہلے گزر چکی ہے ۔

مندرجہ ذیل امور سے دیت واجب ہوتی ہے ۔

۱۔ ڈاکٹر و طبیب کے علاج کے ذریعہ اگر کوئی مر جائے تو ڈاکٹر اس کی دیت دے گا اگرچہ مریض نے اس کو علاج کی اجازت دی ہو اور ڈاکٹر نے علاج میں پوری کوشش کی ہو ۔ کیونکہ یہ شبہ عمد ہے ۔ ایک قول ہے کہ اگر ڈاکٹر علاج میں ماہر ہو اور پوری کوشش کے ساتھ علاج کرے اور مریض مر جائے تو ڈاکٹر ضامن نہیں ہے ۔

۲۔ اگر مریض علاج کے وقت پہلے سے ہی اجازت ——— دے دے تو مریض کی موت کی صورت میں ڈاکٹر ضامن نہیں ہوگا ۔ اسی طرح حیوان کا مالک حیوان کے ڈاکٹر کو بری الذمہ قرار دے اور علاج سے حیوان تلف ہو جائے تو ڈاکٹر ذمہ دار نہیں ہے ۔

۳۔ اگر ایک شخص سونے میں کسی شخص کے سینے پر چڑھ جائے اور وہ مر جائے تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی کیوں کہ یہ خطا محض ہے ایک قول ہے کہ خود اسی کے مال سے دیت ہوگی کیوں کہ یہ جنایت میں نہیں ہے بلکہ اسباب میں سے ہے ۔

۴۔ اگر سامان اٹھاتے ہوئے ایک شخص دوسرے شخص سے ٹکرائے اور سامان تلف ہو جائے تو وہ خود اس کا ضامن ہوگا کیوں کہ یہ اسی کے فعل سے ہوا ہے۔

۵۔ اگر شوہر بیوی کے ساتھ سختی سے جماع کرے اس کے قبل میں یا دبر میں اور وہ مرجائے تو اس کی دیت شوہر کے مال سے ہوگی اور اسی طرح اگر عورت اس سے اس طرح چمٹے مرد مر جائے تو عورت پر دیت ہوگی اور اگر عورت مرد کے ساتھ شدت کرے جماع وغیرہ میں کہ وہ مرجائے تو عورت کے مال سے دیت ہوگی۔

۶۔ اگر کوئی، بچہ، مجنون، مریض کے سامنے چیخ مارے خواہ وہ غافل ہو یا نہ ہو یا ایک کامل تندرست کے سامنے چیخ مارے جب کہ وہ غافل ہو اور مرجائے تو اس کی دیت چیخنے والے کے مال سے ہوگی، ایک قول ہے کہ اس کی دیت عاقلہ کے مال سے ہوگی۔

۷۔ اگر کوئی دوسرے شخص سے ٹکرائے اور وہ مرجائے تو اس کی دیت ٹکرانے والے کے مال سے ہوگی کیوں کہ ضیاع کا اسناد اس کے فعل اور قصد کی طرف ہوتا ہے اور اگر خود ٹکرانے والا مرجائے تو اس کا خون رائگاں ہوگا۔ کیوں کہ وہ اپنے فعل سے مرا ہے جب کہ دوسرا شخص اپنی ملکیت میں یا مباح جگہ پر یا وسیع راستہ پر کھڑا ہو۔

۸۔ اگر وہ شخص جس سے ٹکرایا ہو ایسی جگہ کھڑا ہے جہاں کھڑے ہونے کا حق نہیں رکھتا یا ایسی تنگ جگہ میں کھڑا ہے کہ ٹکرائے بغیر گزرنا ناممکن ہو تو اس صورت میں اگر ٹکرانے والا مرجائے تو اس کی دیت ٹکرائے ہوئے شخص کے مال سے ہوگی۔

۹۔ اگر دو شخص قصداً ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو اور دونوں مرجاتے ہیں تو ہر ایک کے ورثہ کے لئے نصف دیت ہوگی کیوں کہ دونوں کی موت میں نصف کے خود موجب ہیں۔ اگر

دونوں گھوڑوں پر سوار ہوں یا موٹروں پر جا رہے ہوں یا پیدل جا رہے ہوں اور دونوں تصادم کی وجہ سے مر جائیں یا ان کی سواریاں ضائع ہو جائیں تو اگر دونوں کی سواریوں کی قیمتوں میں فرق ہے مثلاً ایک کا گھوڑا سو دینار کا ہے اور دوسرے کا اسّی دینار کا تو سو دینار والے کا اس کا نصف ہوگا اسّی والے کے لئے اس کا نصف ہوگا، لہٰذا سو دینار والا دس دینار اسّی والے سے لے گا اور اسی طرح اگر دونوں کی موٹروں کی قیمت فرق کرتی ہے تو وہ فرق لیا جائے گا۔ لیکن اگر تصادم ان کے اختیار کے بغیر ہوا ہو مثلاً گھوڑے بے قابو ہو گئے تھے یا موٹروں میں خرابی واقع ہو گئی تھی اس میں آیا ہر ایک دوسرے کی شئی کا ضامن ہے یا نہیں اس میں دو وجہیں ہیں۔

۱۰۔ جب دو بچے آپس میں ٹکرائیں، اور سواریاں بھی ان کی اپنی ہوں تو ہر ایک کے عاقلہ پر نصف دیت ہوگی کیوں کہ ان کا فعل محض خطا ہے اگرچہ ان کے قصد سے تصادف ہوا ہو اور اس کے مثل ہے کہ اگر دونوں کو ان کے ولی نے سوار کیا ہو اور اگر سواری کسی اجنبی کی ہو تو اس پر دونوں کی دیت واجب ہوگی۔

۱۱۔ اگر دو بالغ غلام آپس میں ٹکرا کر مر جائیں تو دونوں کا خون رائگاں جائے گا اور اگر ایک مر جائے اور دوسرا زندہ ہو تو مرنے والے کی قیمت زندہ کی گردن پر آ جائے گی اور اگر وہ قیمت ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کی موت کے ساتھ ہی قیمت ختم ہو جائے گی۔

۱۲۔ اگر ایک آزاد اور غلام ٹکرا کر مر جائیں تو آزاد کی آدھی دیت غلام کے ذمہ آئے گی، اور غلام کی آدھی قیمت آزاد کے ترکہ سے دی جائے گی اور اگر ایک مر جائے اور دوسرا زندہ ہو تو زندہ مرنے والے کی دیت یا قیمت کا ضامن ہوگا۔

۱۳۔ اگر کوئی کسی دوسرے کی تیر اندازی کی آواز سے ڈر کر مر جائے تو تیر اندازی کرنے والے پر دیت نہیں آئے گی، کیوں کہ وہ ڈر کر مرا ہے اور حدیث میں یہی ہے۔

۱۴۔ اگر دودھ پلانے والی عورت اپنے بچے کے علاوہ کسی دوسرے کے بچے کو دودھ پلاتی ہے اور وہ سونے میں پہلو تبدیل کرتے ہوئے بچہ پر آجائے اور بچہ مر جائے تو اس کی دیت عورت کے اپنے مال سے دی جائے گی اگر وہ فخر و مباحات کے لئے دودھ پلا رہی ہے اور اگر وہ احسان یا اجرت کے لئے دودھ پلا رہی ہے تو بچے کی دیت اس عورت کے اقربا کے مال سے دی جائے گی۔

۱۵۔ اگر ایک لڑکی دوسری لڑکی پر سوار ہو اور ایک تیسری لڑکی دوسری لڑکی کے ساتھ کوئی ایسا فعل انجام دے کہ وہ غیر فطری طور پر اچانک اچھل پڑے اور سوار ہونے والی اوپر سے گر کر مر جائے تو ایک قول ہے کہ بھڑکانے والی اور اٹھانے والی دونوں لڑکیوں پر آدھی آدھی دیت ہوگی۔ اور ایک قول ہے کہ دیت تین حصوں میں تینوں پر تقسیم ہوگی، شرارت کرنے والی اور اٹھانے والی ایک ایک حصہ دے گی اور تیسرا حصہ ساقط ہو جائے گا بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ ساری دیت شرارت کرنے والی پر ہوگی کیوں کہ اس نے اٹھانے والی کے ساتھ ایسا فعل انجام دیا ہے کہ وہ غیر ارادی طور پر اچھلی ہے اور سوار لڑکی گری ہے ورنہ اگر وہ یہ فعل انجام نہ دیتی تو عام دیت اچھلنے والی پر ہوتی جس نے اس کو اٹھایا تھا۔

۱۶۔ حدیث میں ہے کہ ایک مرد ایک عورت کے گھر میں چوری کرنے کے لئے داخل ہوا جب اس نے سامان جمع کر لیا تو اس کے نفس نے اس کو اپنا تابع بنا لیا اور اس نے عورت کے ساتھ زبردستی مجامعت کی اتنے میں عورت کا بیٹا جاگ گیا تو چور نے اپنے کلہاڑے سے اس کو قتل کر دیا جب وہ

فارغ ہوا اور چاہا سامان لے کر باہر جائے تو عورت نے کلہاڑے سے وار کر کے اس کو قتل کر دیا۔ صبح اس کے ورثا اس کے خون کا مطالبہ کیا۔ تو امام نے فرمایا کہ چور کے سرپرست جو اس کے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں لڑکے کی دیت دیں اور چور کے مال سے چار ہزار درہم عورت پر ظلم کا ہرجانہ دیں کیوں کہ وہ زانی ہے اور رسول پاک نے فرمایا ہے جو غیر کی عورت پر ظلم کرے اور اس سے برائی کرے اور عورت اس کو قتل کر دے تو اس پر نہ دیت ہے نہ قصاص۔

وہ دیات جو جنایت کار کے مال سے دی جاتی ہیں

۱۔ اگر کوئی اپنے بچہ کو کسی معلم کے پاس بھیجے کہ وہ اسے تیراکی سکھائے اور بچہ غرق ہو جائے تو معلم کے مال سے اس کی دیت دی جائے گی کیوں کہ یہ قتل شبہ عمد ہے ایک قول ہے کہ اگر معلم نے کوتاہی نہ کی ہو تو وہ دیت کا ضامن نہیں ہوگا۔

۲۔ اگر ایک شخص کسی کے بچے کو ساتھ لے کہ وہ اسے تیراکی سکھائے گا اور بچہ غرق ہو جائے تو وہ دیت اپنے مال سے دے گا خواہ کوتاہی کی ہو یا نہ اور مجنون کا بھی یہی حکم ہے۔

۳۔ ایک بالغ عاقل کو تیراکی سکھانے والا اس کے غرق ہونے کی صورت میں دیت کا ذمہ دار نہیں ہوگا کیوں کہ بالغ و عاقل اپنے آپ پر مکمل تسلط رکھتا ہے۔

۴۔ جو شخص کسی کی ملکیت میں مالک کی اجازت کے بغیر پتھر رکھے اور اس کے سبب جنایت حاصل ہو یا وہ پتھر کو مباح راہ میں فضول رکھے یا کسی خاص مصلحت کے تحت ہو یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے رکھے اور اس کے ذریعہ نقصان اور جنایت وقوع پذیر ہو جائے تو اس کی ضمانت اس کے مال سے ہوگی۔

۵۔ ایک شخص کی دیوار ٹیڑھی ہے اور وہ شخص دیوار کے ٹیڑھی ہونے کے علم کے بعد اور گرنے سے پہلے اس کو درست کرتا ہے یا اس کو غیر کی ملکیت کی طرف ٹیڑھی کر کے بناتا ہے بغیر مالک کی اجازت کے یا راستے کی طرف ٹیڑھی کر کے بناتا ہے یا بغیر بنیاد کے بناتا ہے یا بنیاد ایسی ہے جو صلاحیت نہیں رکھتی کہ اس پر تعمیر ہو اور وہ گر جائے تو ہر شئی جو اس کے گرنے کے سبب ضائع ہو اس کا وہ ضامن ہوگا۔

۶۔ اگر کسی گھر کا میزاب (پرنالہ) راستے میں اس طرح لگا ہوا ہو جیسے عموماً لگا رہتا ہے اور وہ گر جائے تو اس سے جو ضائع ہوگا مالک اس کا ضامن نہیں ہوگا ایک قول ہے کہ ضامن ہوگا کیونکہ وہ ضیاع کا موجب ہے اگرچہ اس کے راستے میں اتارنے کی اجازت ہے جیسے ڈاکٹر، ادب سکھانے والا یا حیوانوں کا ڈاکٹر وغیرہ ایک قول ہے کہ مالک ہر صورت میں ضامن ہوگا خواہ وہ عادتاً راستے میں اتارا جاتا ہو یا نہ۔

۷۔ اگر کوئی شخص اپنی ملکیت میں اپنی ضرورت کے مطابق ہوا کے نہ ہونے کے وقت یا ہوا کے معتدل ہونے کے وقت آگ روشن کرے اور پھر وہ آندھی کی وجہ سے دوسروں کے مال تک پہنچ جائے تو آگ روشن کرنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے تیز ہوا میں ایسی صورت میں روشن کی ہے کہ وہ غیر کی ملک تک سرایت کر جائے یا روشن کرتے وقت ہوا کم تھی لیکن اگر اس کی ضرورت سے زیادہ تھی تو اس کے سبب جو چیز ضائع ہوگی اس کا ضامن ہوگا۔ ایک قول ہے کہ اگر یہ دونوں سبب اکٹھے ہو جائیں یعنی ہوا تیز ہو اور آگ ضرورت سے زیادہ ہو تو اس صورت میں ضامن ہوگا بعض دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ اگر اس کو آگ کے دوسرے تک سرایت کر جانے کا گمان ہو تو ضامن ہوگا خواہ آگ ضرورت کے مطابق ہو یا زیادہ ہو۔ ہوا خواہ رکی ہوئی ہو یا تیز چل رہی ہو۔

۸۔ جو شخص اپنے حیوان کو دوسرے حیوان کے پاس لائے اور اس سے دوسرا حیوان ضائع ہو جائے اگر وہ حیوان کی حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے ہو تو وہ حیوان کے ضیاع کا ضامن ہوگا اور اگر کوتاہی نہ کی ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ ایک قول ہے کہ حیوان کا مالک دوسرے حیوان کے مر جانے کی صورت میں ضامن ہوگا خواہ اس نے کوتاہی کی ہو یا نہ۔

۹۔ اگر ایک جانور کسی جگہ موجود ہو اور دوسرا جانور اس کے پاس آجائے اور جانور کو مار دے تو اس جانور کے مالک کو کسی چیز کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر دو کشتیاں آپس میں ٹکرا جائیں اور ان میں جو شئی بھی ہو وہ ضائع ہو جائے خواہ جان ہو یا مال، اگر یہ تصادم مالکوں نے عمداً کیا ہو اور چلا بھی وہ خود رہے ہوں تو دونوں پر ہر شئی کی ضمانت ہوگی اور قصاص ہوگا اور اگر عمداً نہیں کیا لیکن کوتاہی کی ہے تو تمام مال کے نصف کے ضامن ہوں گے اور دیت کا بھی نصف دینا ہوگا۔

۱۱۔ گھوڑے پر سوار شخص کے ہاتھ یا سر سے اگر کوئی شئی تلف ہو جائے تو اس کی ضمانت سوار پر ہوگی اور اگر کوئی شئی پاؤں سے تلف ہو تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

۱۲۔ گھوڑے کو ہانکنے والا ہر اس شئی کا ضامن ہوگا جو اس کے ہانکنے سے تلف ہوگی خواہ ہاتھ سے ہو یا پاؤں سے یا سر سے۔

۱۲۔ دو سوار ایک شئی کے ضائع کرنے کی صورت میں ضمان میں برابر کے شریک ہوں گے کیوں کہ وہ دونوں اکٹھے معیوب کرنے یا نقصان پہنچانے میں شریک ہیں لیکن اگر ان میں سے ایک کمزور ہو مرض یا بچپنے یا بڑھاپے کی وجہ سے تو ضمانت صرف قوی پر ہوگی کیوں کہ وہی ضیاع کا موجب ہے۔

۱۴۔ جب گھوڑے کو ہانکنے والا یا کھینچنے والا خود مالک ہو اور حیوان اس صورت میں تلف ہو جائے تو اس کی ضمان مالک پر ہو گی نہ کہ سوار پر اور اگر گھوڑا بھڑکنے کی وجہ سے سوار تلف ہو جائے تو مالک اس کا بھی ضامن ہو گا لیکن اگر گھوڑے کے بھڑکنے کا سبب خود سوار ہو تو خود سوار اپنی جان کا ذمہ دار ہو گا مالک نہیں۔

جب مباشر اور سبب ایک کام میں شریک ہوں اس کا حکم

۱۔ جب مباشر اور سبب ایک کام میں شریک ہوں۔ اگر مباشر سبب کا عالم ہو تو مباشر ضامن ہو گا اور سبب ضامن نہیں ہو گا اور اگر سبب سے جاہل ہو تو ضمان سبب پر ہو گی پس سبب جیسے کوئی شخص کسی کی ملکیت میں کنواں کھودے اور مباشر جو شخص کسی کو اس میں پھینکے۔

۲۔ جب ایک شئی کے ضیاع میں دو سبب کارفرما ہوں تو ان میں سے جو پہلے ہو اس پر ضمان آئے گی مثلاً ایک شخص راستے میں پتھر رکھتا ہے اور دوسرا اس کے ساتھ ہی کنواں کھودے اور ایک شخص پتھر سے ٹھوکر کھا کر کنویں میں گر جائے اور ہلاک ہو جائے تو ضمان پتھر رکھنے والے پر ہو گی، کیونکہ یہ سبب مقدم ہے خواہ اس نے پتھر پہلے رکھا ہو یا بعد میں۔

۳۔ ایک نے کسی کی ملکیت میں کنواں کھودا اور کسی دوسرے نے اس میں چھری کھڑی کر دی اور ایک انسان اس میں گرا تو اس کو چھری لگی اور وہ مرگیا اس صورت میں اس کا ضامن کنواں کھودنے والا ہو گا نہ کہ چھری نصب کرنے والا۔ لیکن کوئی شخص اگر اپنی زمین میں کنواں کھودتا ہے اور کوئی دوسرا اس میں چھری گاڑ دیتا ہے تو اس صورت میں اگر کوئی شخص اس میں گرے اور اس کو چھری لگے اور مر جائے تو ضامن چھری گاڑنے والا ہو گا۔ لیکن کنواں اگر دونوں میں سے کسی کی زمین پر نہ ہو تو

دونوں ضامن ہوں گے ۔

۴ ۔ ہر وہ شئی جس کو انسان راستے میں بنا سکتا ہے اس کے سبب کسی کے ھلاک ہونے سے ضامن نہیں ہوگا ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اپنی ملک میں کوئی شئی بنائے یا مباح مکان میں کوئی شئی بنائے ۔ لیکن اگر ایسا راستہ ہے جس میں وہ کسی شئی کے تصرف کا حق نہیں رکھتا ہے اس میں کوئی شئی بنائے یا رکھے اور وہ موجب ہلاکت ونقصان ہو تو یہاں ضامن ہوگا جیسے پتھر رکھتا یا گڑھا کھودتا ہے اس میں فرق نہیں کہ ایسا کام کرنے والا بھولے سے کرے یا غفلت وغیرہ سے کرے ۔

۵ ۔ ایک شخص اگر کسی کے گھر میں داخل ہو اور اس کا کتا اسے کاٹ لے پس اگر وہ صاحب خانہ کی اجازت سے اندر جا رہا ہے تو وہ ضامن ہوگا اور اگر بغیر اجازت جا رہا ہے اس وقت وہ ضامن نہیں ہوگا ۔

۶ ۔ ہانکنے والے سے اگر کوئی ہلاک ہو جائے تو اس کی ضمان اس کے مال سے ہوگی کیونکہ یہ شبہ عمد ہے لیکن اگر عمداً تلف کرے تو اس کا قصاص ہوگا ۔

۷ ۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کہے کہ اپنا سامان سمندر میں ڈال دو تاکہ کشتی تک پہنچ جائے اور وہ شخص سمندر میں ڈال دے تو کہنے والا ضامن نہیں ہوگا اگر یہ کہے کہ اپنا سامان سمندر میں ڈال دو میں اس کا ضامن ہوں تو وہ ضیاع کی صورت میں ضامن ہوگا خوف کے دفع کرنے کی وجہ سے اگر خوف نہ ہو تو بھی کہنے والے پر ضمان نہیں ہوگی ۔

اسی طرح اگر کہے کہ اپنا کپڑا پھاڑ دو میں اس کا ضامن ہوں اور وہ کپڑا پھاڑے تو بھی وہ ضامن نہیں ہوگا کیوں کہ یہ ان امور میں سے ہے جن کی ضمانت واجب نہیں ہے

اور نہ ہی ان میں ضمانت کی ضرورت ہے تاکہ ضمانت جائز ہو سکے کیوں کہ یہاں مباشر سبب سے اقویٰ ہے۔

۸۔ اگر کوئی شخص شیر کی کچھار کو کھودے اور اس میں شیر ہو اور وہ شخص اس کچھار میں گرتے ہوئے دوسرے کو پکڑے اور دوسرا تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو اور شیر ان سب کو پھاڑ کھائے تو امیر المومنین علیہ السلام نے اس کا فیصلہ یوں فرمایا ہے کہ پہلا شیر کا پھاڑا ہوا ہے اس کے اہل دوسرے شخص کی دیت کا ⅓ اس کو ادا کریں گے اور دوسرا تیسرے کے ورثہ کو ⅔ دیت دے گا اور تیسرا چوتھے کے ورثہ کو پوری دیت دے گا۔

۹۔ ایک شخص دوسرے کو کنویں میں کھینچتا ہے اور وہ کنویں میں کھینچنے والے پر گر جائے اور کھینچنے والا مر جائے تو گرنے والا پر دیت نہیں ہوگی کیوں کہ وہ خود اپنے فعل سے مرا ہے۔ اور اگر دونوں مر جائیں تو کھینچنے والے پر اس شخص کی دیت ہوگی نہ کہ اس کے برعکس۔

دیات کی مقدار اور دیت نفس

دیت ان اموال کو کہتے ہیں جن کو دینا ——— آزاد آدمی پر یا جان کے علاوہ جنابت کے وقت واجب ہوتا ہے۔ خواہ وہ مقدار معین ہو یا نہ ہو اور اس کے شرعی ہونے پر کتاب وسنت اور اجماع قطعی سے ——— دلیل موجود ہے اور نفس پر عمداً جنایت کی صورت میں صلح کے ساتھ چھ چیزیں ہیں علی البدلیت۔

(۱) ایک سو بڑے اونٹ (۲) دو سو گائے (۳) ہزار بکری (۴) ہزار حلہ اور ہر حلہ دو یمنی چادریں ہے (۵) ہزار دینار اور اس کی مقدار سونے کا ایک ہزار مثقال شرعی، مثقال شرعی کی مقدار گزر چکی ہے

کہ وہ ۴ مثقال صیرفی ہے (۶) دس ہزار درہم چاندی کے ۔ جانی کو ان چھ میں کسی ایک کے ادا کرنے میں اختیار ہے جب مقتول کا ولی دیت پر صلح کرلے ۔

فروعات :

۱۔ جنایت کار کو ایک سال میں اپنے مال سے دیت کا ادا کرنا واجب ہے بلا تاخیر مگر جب مستحق راضی ہو تو تاخیر کر سکتا ہے ۔

عمد شبہ خطا اور خطاء محض کی دیت

۲۔ عمد شبہ خطا کی دیت عمد کی دیت جیسی ہے لیکن اونٹوں کے سن میں فرق ہے اور سن کے اعتبار سے اونٹ کی تین قسمیں دیت شبہ خطا میں دی جاسکتی ہے ۔

(۱) ۳۴ ثنیہ : وہ ناقہ جو چھٹے یا ساتویں میں داخل ہو ـــــ اور نر کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو ۔

(۲) ۳۳ بنت لبون وہ ناقہ جو تین سال یا اس سے زیادہ ہو ۔

(۳) ۳۳ حقہ : وہ ناقہ جو چوتھے یا پانچویں سال میں داخل ہو گیا ہو ۔

۴۔ خطاء محض کی دیت سو اونٹ ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں ۔

(۱) بیس بنت مخاض : وہ ناقہ جو دو سال کی ہو (۲) بیس ابن لبون : وہ ناقہ جو تیسرے سال میں ہو (۳) تیس بنت لبون (۴) تیس حقہ ۔ یا گزشتہ دیگر پانچ قسموں سے کوئی ایک جو قتل عمد عند الصلح کی دیت ہیں ۔

قتل خطا کی دیت عاقلہ کے مال سے دی جاتی ہے تین سال کے اندر اس کے واجب ہونے

کے وقت ابتدا کی جاتی ہے نہ کہ جب حاکم فیصلہ کرے اس سال سے تین سال شمار ہوں گے اس میں فرق نہیں ہے کہ دیت کامل ہو جیسے آزاد مسلمان مرد کی دیت یا ناقص ہو جیسے آزاد مسلمان عورت کی دیت یا اعضا کی دیت ۔

۴ ۔ جب کوئی قاتل ان مہینوں میں قتل کرے جن میں جنگ وجدال حرام ہے یا حرم مبارک مکہ میں قتل کرے تو اس کی سزا میں سختی کی جائے گی ۔

عورت، حرام زادہ، ذمی، ذمیہ اور غلام کی دیت

۱۔ مسلمان آزاد عورت کی دیت مرد کی دیت میں ذکر کی گئی اشیاء کا نصف ہے علی البدلیت قتل عمد میں جب دیت پر صلح ہو جائے یا قتل شبہ عمد یا قتل خطا محض میں اور زخموں کی دیت میں نصف ہو جاتی ہے جب وہ مرد کی دیت کے ⅓ تجاوز کر جائے لیکن اگر مرد کی دیت کے برابر ہو یا کم تو عورت کی دیت بھی مرد کی دیت کے برابر ہو گی ۔

۲۔ خنثیٰ کی دیت مرد کی دیت کا ¾ ہے قتل عمد، شبہ عمد اور قتل خطا میں ۔

۳ ۔ حرام زادے کی دیت جب وہ اسلام کا اظہار کرے کامل مسلمان والی ہے اسی کے مثل ہے اگر اس کو مسلمان نے قیدی بنایا ہو ۔ اور ہمارا نظریہ ہے کہ وہ اس وقت مسلمان کے تابع ہو گا۔ ایک قول ہے کہ مطلقاً اس کی دیت مسلمان والی دیت ہے اور بعض دوسرے علماء کا فتوی ہے کہ اس کی دیت ذمی والی دیت ہے ۔

۴ ۔ ذمی مرد کی دیت آٹھ سو درہم ہے ـــــ خواہ یہودی ہو یا نصرانی یا مجوسی اور ذمی عورت کی دیت ۴ سو درہم ہے جو کہ ذمی مرد کی دیت کا نصف ہے ۔

۵ - ذمیوں کے علاوہ کسی کافر کی دیت نہیں ہے -

۶ - غلام کی دیت اس کی قیمت ہے لیکن اگر قیمت آزاد مرد کی دیت سے زیادہ ہو تو پھر دیت دی جائے گی اور یہ دیت آزاد جنایت کار کے مال سے پوری کی جائے گی اگر جنایت عمد یا شبہ عمد ہو اور اگر جنایت خطاء ہو تو اس وقت یہ عاقلہ سے دی جائے گی۔

۷ - غلام کے اعضاء کی دیت آزاد کی دیت پر قیاس کی جائے گی پس غلام میں پوری قیمت ہوگی ان اعضاء میں جن کے لئے آزاد میں پوری دیت ہوتی ہے جیسے ذکر اور زبان اور جن میں نصف دیت ہوتی ہے جیسے ایک ہاتھ وغیرہ تو وہاں غلام کی آدھی قیمت ہوگی اسی طرح وہ اعضاء جن کی دیت معین ہے آزاد میں غلام میں قیمت ہوگی خواہ وہ اعضاء ہو یا زخم

۸ - آزاد کے لئے جہاں دیت معین نہیں وہاں ارش ثابت ہوگا اور یہاں ارش کی تعیین میں غلام اصل ہوگا جیسا کہ دیت میں آزاد اصل ہے -

۹ - جو شخص کسی دوسرے کے غلام پر جنایت کرے کہ جس کی آزاد میں دیت معین ہے جیسے زبان یا ناک کاٹنا تو غلام کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ قیمت عضو لے یا غلام جنایت کار کے سپرد کر دے -

۱۰ - جو شخص غلام پر عمداً یا شبہ عمد جنایت کرے ایسے حصے پر کہ جس کی قیمت ہے ان میں سے کہ آزاد میں اس حصے کی دیت ہے جیسے زبان یا ذکر وغیرہ کا کاٹنا تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس حصے کی قیمت لے یا غلام کو جانی کے ہاتھ دے کر قیمت وصول کرے یا معیب پر ہی راضی ہو جائے بغیر قیمت کے تاکہ ثمن اور مثمن ایک جگہ جمع ہو جائیں -

۱۱ - جب کوئی غلام کسی آزاد پر جنایت کا مرتکب ہو خطاءً تو اس کا مالک ضامن نہیں ہوگا

لیکن مولا کو اختیار ہے کہ وہ مغروب کے ہاتھ غلام دے دے یا جنایت کا ارش معین کردے، اسی طرح اگر غلام کی جنایت اس کی قیمت سے کم ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے وہ جنایت کا ارش دے یا غلام کو جس پر جنایت کی ہے اس کے حوالے کردے تاکہ وہ جنایت کی مقدار کے برابر اس کو اپنا غلام بنالے۔

اعضاء کی دیت اور اس کی مقدار

اس کی دو قسمیں ہیں

۱۔ اعیان اور وہ اکیس[۲۱] ہیں۔ ۲۔ منافع

بالوں کی دیت

پہلی قسم بالوں کی دیت میں ہے۔

۱۔ پورے سر کے بالوں کی دیت ہزار دینار ہے اگر دوبارہ نہ نکلے اور اگر نکل آئے تو ارش ہے مرد کے ہوں یا عورت کے، چھوٹے بچے کے ہوں یا بڑے کے، گھنے ہوں بکھرے ہوئے۔

۲۔ داڑھی کے بالوں کی دیت ہزار دینار ہے اگر نہ نکلے اور اگر نکل آئے تو ارش ہے۔ ایک قول ہے کہ اگر نہ نکلے تو پوری دیت کا ⅓ حصہ ہوگا۔

۳۔ عورت کے بالوں کی دیت پانچ سو دینار ہے اگر دوبارہ نہ نکلے اور اگر نکل آئے تو مہر مثل ہوگا اور عورت کی داڑھی کے بالوں میں ارش ہے خواہ نکلے یا نہ نکلے۔

۴۔ خنثیٰ کی داڑھی کے بالوں میں ارش ہے خواہ نکلے یا نہ نکلے۔

۵۔ دونوں ابروؤں کے بالوں کی آدھی دیت پانچ سو دینار ہے اگر وہ نہ نکلے اور دونوں

ابرو میں ½ دیت ہے جو دو سو پچاس دینار ہوتا ہے۔ایک قول ہے کہ دونوں ابرؤں میں پوری دیت ثابت ہے اگر وہ دوبارہ نہ نکلے اور اگر وہ نکل آئے تو ارش ہے اور ابرو کے کچھ حصہ میں پیائش کی مناسبت سے دیت ہوگی لہذا تناسب کے حساب کے ساتھ دیت لی جائے گی جیسا کہ باقی اعضاء میں ہے کہ اگر نصف اس عضو کا کٹے تو اس عضو کی دیت کا نصف اگر ½ کٹے تو دیت بھی ½ ہوگی اسی طرح ¼ کٹے تو دیت بھی ¼ ہوگی۔

۶۔ چاروں پلکوں کے بالوں میں پوری دیت ہوگی اگر وہ دوبارہ نہ نکلے ایک قول کے مطابق اور اگر دوبارہ نکل آئے تو ارش ہوگا ایک قول ہے کہ دونوں پلکوں میں ارش ہے اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے ان میں نصف دیت ہے ابرو کی طرح۔

۷۔ جن بالوں کی دیت معین نہیں ہے ان میں ارش ہوگا جیسے پنڈلی، بازو، پیٹ اور ران وغیرہ کے بال۔

قسم دوم وسوم

دونوں آنکھوں اور دونوں پپوٹوں کی دیت

دونوں آنکھوں میں پوری دیت ہے اور ایک آنکھ کی آدھی دیت ہے اس میں فرق نہیں کہ آنکھ صحیح ہو یا چندھیائی ہو بھینگی ہو یا پھولی ہوئی کہ اس کا ڈھیلا باہر نکلا ہوا ہو یا بڑھا ہوا ہو ایک قول ہے کہ چندھیائی ہوئی آنکھ میں کل دیت کا ⅓ ہے اور آنکھ کے بعض حصوں میں آنکھ کی دیت کے حساب سے دیت ہوگی۔

چار پپوٹوں میں پوری دیت ہوگی ایک قول ہے ہر پپوٹے کی دیت معین ہے اور بعض علماء

کا قول ہے اوپر والے پپوٹے کی دیت کل دیت کا ۲/۳ ہے اور نچلے پپوٹوں میں ۱/۳ اور بعض نے کہا ہے کہ اوپر کے پپوٹے کی دیت ۱/۲ اور نچلے پپوٹوں کی ۱/۲ ہے ۔ اور بعض حصوں کی دیت اصل دیت کے حساب سے ہوگی مثلاً اگر چوتھائی پپوٹا کٹا ہے تو دیت ۱/۴ ہے اور اگر پپوٹا ۱/۲ خراب ہوا ہے تو دیت بھی ۱/۲ ہوگی ۔

فروعات :

۱۔ جو شخص آنکھوں کو پپوٹوں کے ساتھ نکال دے تو اس پر دو دیتیں ہوں گی ۔

۲۔ کانے شخص کی صحیح آنکھ پر جنایت کی پوری دیت ہوگی جب کہ کانا پن اس میں پیدائشی طور پر ہو یا ایسی جنایت کی وجہ سے جس سے دیت کا استحقاق نہ ہوا ہو جیسے کوئی حیوان کسی کی آنکھ کو پھوڑ دے ۔ اور اگر کانا پن کسی ایسی جنایت کی وجہ سے ہو کہ جس سے دیت کا استحقاق ہو گیا ہو اور اس نے دیت وصول نہ کی ہو اس صورت میں اگر کوئی صحیح آنکھ پر جنایت کرے تو اس کی آدھی دیت ہوگی ۔

۳۔ بھینگی آنکھ دھنسانے کی دیت ۱/۲ ہے ایک قول ہے کہ ۱/۳ ہے اس میں فرق نہیں کہ بھینگا پن پیدائشی ہو یا کسی اور جنایت کے ذریعہ پیدا ہوا ہو ۔

چوتھی قسم

ناک کی دیت

۱۔ پوری ناک کاٹنے میں یا اس کے نچلے کونے کو کاٹنے سے پوری دیت واجب ہوتی ہے

۲۔ ناک کو توڑنے یا خراب کرنے کی پوری دیت ہے ۔

۳۔ اگر کوئی ناک توڑ دے اور پھر ناک کا ٹوٹا ہوا کنارہ ٹھیک ہو جائے اور اپنی جگہ پر آجائے جیسے وہ پہلے تھا تو اس کی سو دینار دیت ہے اور اگر ٹھیک نہ ہو لیکن عیب جاتا رہے تو سو دینار اور اضافی جریمہ ہوگا جس کو حاکم شرعی مقرر کرے گا اور یہ معین نہیں ہے ۔

۴۔ ناک کو بے کار کرنے کی دیت کل دیت کا ۲/۳ ہے اور نتھنوں کے بیچ کے گوشت کو کاٹنے کی آدھی دیت ہے اور ایک قول ہے کہ ۱/۳ ہے

۵۔ اگر کوئی شخص ناک کے نچلے حصے کے ساتھ ہونٹوں سے ملا ہوا کچھ گوشت بھی کاٹ دے تو اس پر پوری دیت ہوگی اور ہونٹوں کے گوشت کے بدلے اضافی جریمہ ہوگا کہ جس کی مقدار معین نہیں ہے صرف حاکم معین کرتا ہے ۔

کان اور ہونٹوں کی دیت

پانچویں قسم کان کی دیت ہے ۔

۱۔ دونوں کان کو اکٹھا کاٹنے کی پوری دیت ہے اور ہر ایک کان کی آدھی دیت ہے ۔

۲۔ کان کے کچھ حصہ کو کترنے کی دیت کان کے حساب سے ہوگی مثلاً اگر آدھا کان کاٹا ہے تو اس کان کی دیت کا ۱/۲ دیت ہے اور اگر چوتھائی کان کاٹا ہے تو کان کی دیت کا ۱/۴ حصہ دیت واجب ہوگی ۔

۳۔ جو شخص کسی کے کان کی لو کاٹ دے تو اس پر ۱/۳ دیت واجب ہوگی ۔

۴۔ کان کو چھیدنے میں ۱/۴ ایک کان کی دیت ہے ۔

چھٹی قسم : لبوں کی دیت ہے ۔

۱۔ دونوں ہونٹوں کو کاٹنے کی پوری دیت ہو گی۔ لیکن صرف ایک ہونٹ کی دیت میں ایک قول ہے کہ اوپر والے ہونٹ کی دیت $\frac{1}{3}$ ہے اور نچلے کی $\frac{2}{3}$ ہے۔ بعض نے کہا ہے اوپر والے ہونٹ کی $\frac{1}{2}$ دیت ہے اور نچلے ہونٹ کی دیت $\frac{2}{3}$ ہے اور ایک قول ہے کہ ہر ایک ہونٹ کی دیت $\frac{1}{2}$ ہے۔

۲۔ ہونٹ کے کچھ حصہ کی دیت پیمائش کے لحاظ سے ———————— ہو گی مثلاً اگر آدھا ہونٹ کٹا ہو تو ایک ہونٹ کی دیت کا $\frac{1}{2}$ ہو گا اور $\frac{1}{3}$ ہونٹ کٹا ہو تو ہونٹ کی دیت کا $\frac{1}{3}$ حصہ ہو گا۔

اسی طرح لعاب سے جتنی جگہ خشک ہو نچلے ہونٹ کی لمبائی کے ساتھ یہ اس کی چوڑائی کی حد ہے اور جو اوپر والے ہونٹ کے لعاب سے خشک جگہ سے نتھنوں اور ان کے درمیان کے پردے سے متصل لمبائی کے ساتھ ہو یہ اس کی اونچائی کی حد ہے۔

۳۔ اگر جنایت ایسی ہو کہ جس کے ذریعہ ہونٹ سکڑ جائے اور دانتوں پر پورا نہ آئے اور اس سے استفادہ نہ کر سکتا ہو تو اس کی دیت میں ایک قول ہے کہ پوری دیت ہے اور ایک قول ہے کہ صرف جرمانہ ہے۔

۴۔ اگر جنایت ہونٹوں کے ڈھیلے اور شل ہونے کا موجب ہو کہ وہ ایسی شکل اختیار کر جائے کہ وہ ہنسنے یا دانت نکالتے وقت وہ دانتوں سے جدا نہ ہوں اس کی دیت میں ایک قول ہے کہ پوری دیت ہے اور ایک قول ہے کہ $\frac{2}{3}$ دیت ہے

۵۔ جب ایک جنایت کار ہونٹ کو نرم و شل ہونے کے بعد کاٹ دے تو اگر وہ صحیح ہو جائے اور جڑ جائے تو $\frac{1}{5}$ دیت ہو گی اور اگر وہ نہ جڑے تو $\frac{1}{3}$ دیت ہو گی۔

۶۔ جب جنایت کار کسی کے ہونٹوں میں سے ایک ہونٹ کو پھاڑ دے تو اگر وہ صحیح ہو جائے تو ⅕ دیت ہو گی اور اگر صحیح نہ ہو تو ⅓ دیت ہو گی ۔

زبان کی دیت

ساتویں قسم زبان کی دیت میں ہے

۱۔ صحیح پوری زبان کو کاٹنے کی پوری دیت ہے ۔ جب کہ عین اور نطق کی صلاحیت دونوں کو ختم کر دے ۔ اسی طرح وہ جنایت جو تمام حروف کو ادا کرنے کی صلاحیت کو ختم کر دے اس کی بھی پوری دیت ہے ۔

حروف تہجی کے بارے میں ایک قول ہے کہ اٹھائیس ہے اور ایک قول ہے کہ انتیس ہے

۲۔ گونگے کی زبان کو کاٹنے کی دیت پوری دیت کا ⅓ ہے اور اس کے حصوں کا حساب پیمائش کے ذریعہ ہو گا جتنی مقدار میں زبان کٹی ہے اتنی مقدار میں دیت وصول کی جائے گی ۔

۳۔ صحیح زبان کے بعض حصوں کو کاٹا جائے تو اس کا حساب حروف تہجی کے ذریعہ ہو گا کہ پوری دیت کو پورے حروف تہجی پر تقسیم کر دیا جائے گا اور ہر حرف کے حصے میں جو دیت آئے گی اس کی ادائیگی کی صلاحیت کے زائل کرنے پر وہ دیت واجب ہو گی مثلاً اگر جنایت سے پانچ حروف کے بولنے کی صلاحیت ختم ہوئی ہے اور کل دیت ہزار دینار ہے جیسا کہ آزاد مسلمان مرد میں یا پانچ سو دینار ہے جیسا کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت ہے یا آٹھ سو دینار ہے جیسا کہ ذمی مرد کی دیت اور اس کی نصف ذمی عورت کی دیت ہے ، یا غلام کی قیمت میں تو اس دیت کو مذکورہ حروف پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر ضائع ہونے والے حروف کی دیت کا حصہ اس کو ملے گا اس

میں فرق نہیں کہ ان حروف کو صرف زبان سے ادا کیا جاتا ہو جیسے ثا، دال، ذال، جیم، را، سین، شین، صاد، ضاد، طا، ظا، فا، کاف، لام، نون۔ خواہ خفیفہ ہوں جیسے کاف، لام، میم، نون، واو، ھا، یا، یا وہ حروف ثقیلہ ہوں جیسے قاف، صاد، ضاد، عین، غین وغیرہ۔

۴۔ اگر زبان کا کاٹنا نطق کی سرعت کا موجب بن جائے جو کہ عیب متصور ہو یا پہلے سریع النطق ہے لیکن کٹنے سے اور زیادہ ہو گئی ہو یا پہلے بھاری تھی کٹنے سے اور بھاری ہو گئی یا خود جنایت کی وجہ سے زبان میں ثقل آجائے تو اس میں جریمہ ہوگا۔ اسی طرح اگر جنایت کی وجہ سے ناقص حروف ادا کرنے لگے یا غلط کو صحیح کے ساتھ خلط ملط کرنے لگے تو بھی جریمہ ہوگا نہ کہ کامل دیت۔

۵۔ زبان کی دیت کے وجوب میں زبان صحیح کی مقدار کا کٹنا معتبر نہیں ہے بلکہ حروف کی ادائیگی کی صلاحیت کا زائل ہونا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی کی زبان کا چوتھائی حصہ کاٹ دیتا ہے لیکن اس سے آدھے حروف کی ادائیگی کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے تو آدھی دیت واجب ہوگی نہ کہ چوتھائی۔

۶۔ جب ایک شخص کی جنایت سے بولنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی اور دوسرا شخص اسی زبان کو کاٹ دے تو اس پر پوری دیت ہو گی اور دوسرے پر ⅓۔

۷۔ جو شخص کسی بچے کی زبان کاٹ دے تو اس پر پوری دیت ہو گی۔

۸۔ اگر ایک بچہ بولنے کی عمر تک پہنچ گیا ہے مگر نہیں بولتا جب کہ اس کی عمر کے بچے بولتے ہیں اور کوئی شخص ایسے بچے کی زبان کاٹ دے تو اس پر ⅓ دیت ہو گی۔

۹۔ ایک شخص کسی پر جنایت کرتا ہے کہ اس سے اس کے بولنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور اس سے پوری دیت وصول کر لی جاتی ہے اور پھر نطق کی صلاحیت لوٹ آتی ہے تو جنایت کار کو دیت واپس کر دی جائے گی یا نہ اس میں دو قول ہے۔

دانتوں کی دیت

آٹھویں قسم دانتوں کی دیت میں ہے

۱۔ تمام دانتوں کے توڑنے کی دیت پوری ہے اور دانت کلاً ۳۲ ہیں ۔

۲۔ اگلے بارہ دانت جو سامنے ہے ثنایا علیا و ثنایا سفلی ، دو رباعۂ علیا دو رباعۂ سفلی دو نابین بالائی اور دو نچلی ان کی دیت چھ سو دینار ہے اور ہر ایک دانت کی دیت پچاس دینار ہے اور پچھلے سولہ دانتوں اور جو کہ ان بارہ دانتوں کے پیچھے ہر طرف چار چار داڑھیں ہیں اور چار ہنسنے والے دانت ہیں ان کی دیت چار سو دینار ہے اور ہر ایک کا حصہ ۲۸ دینار ہے ، اور پیدائشی طور پر دانت کے سفید ، سیاہ یا زرد ہونے کا کوئی فرق نہیں ہے ۔

۳۔ جب جنایت کے ذریعہ دانت اکھڑنے کے بجائے صرف سیاہ ہو جائے تو جنایت کار پر اس دانت کی دیت کا ⅔ ہوگا ایک قول ہے کہ جریمہ ہوگا ۔

۴۔ جنایت سے سیاہ ہونے والے دانت کو گرانے کی دیت بھی اصل دانت کی دیت کا ⅓ ہے ۔

۵۔ اگر جنایت کی وجہ سے دانت دھنس جائے یا دو دانتوں میں دراڑ پڑ جائے لیکن گرے نہیں تو اس میں جریمہ ہے اور ایک قول ہے کہ دانت کی دیت کا ⅓ ہے ۔

۶۔ دانت میں دیت دانت کے جڑ سے اکھڑنے کی صورت میں ثابت ہو گی ۔

۷۔ اگر کوئی شخص مسوڑہ سے باہر کے دانت کو توڑے اور کوئی اس دانت کو جڑ سے نکال دے تو پہلے شخص پر دانت کو توڑنے کی دیت ہو گی دوسرے شخص پر جریمہ ۔

۸۔ وہ بچہ جس کے دانت تبدیل نہیں ہوئے اگر اس کے دانت کو کوئی توڑ دے یا جڑ

ے نکال دے تو اس میں اتنی مدت انتظار کیا جائے گا کہ جس میں دانت دوبارہ نکل آتا ہے اگر دانت دوبارہ نکل آئے تو توڑنے والے پر ارش ہوگا اور اگر دوبارہ نہ نکلے تو اس پر اس گرے ہوئے دانت کی دیت ہوگی جو دودھ چھڑانے سے پہلے گر گیا ہو۔

گردن کی دیت

نویں قسم گردن کی دیت میں ہے۔

۱۔ جب جنایت گردن کو اس طرح توڑے کہ اس کو ٹیڑھا کر دے تو اس میں پوری دیت ہوگی اسی کے مثل اگر جنایت کی وجہ سے گردن سے کھانا وغیرہ نہ کھا سکے۔

۲۔ جب گردن کا ٹیڑھا پن ختم ہو جائے اور کھانا کھانے پر قادر ہو جائے تو اس وقت جنایت کار پر مجروح کرنے کے وقت کا ارش ہوگا۔

۳۔ اگر گردن کھانا کو ادھر ادھر کرنے میں یا ٹھہرانے میں مشکل محسوس کرے جنایت کی وجہ سے تو اس وقت ایک قول کے مطابق جریمہ ہے اور ایک قول کے مطابق ارش ہے۔

جبڑوں کی دیت

دسویں قسم جبڑوں کی دیت میں ہے

۱۔ لحیتین : وہ دو ہڈیاں جس کے جبڑا پر داڑھی اگتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے ملنے کی جگہ ٹھڈی ہے اور ان میں ہر ایک کان کے ساتھ ملتا ہے، چہرے کے دونوں جانب اور ان پر دانت اگتے ہیں۔ اگر ایک شخص جبڑوں کو بغیر دانتوں کے توڑے (جیسے بوڑھوں

کے جبڑے کہ ان پر دانت نہیں ہوتے یا بچوں کے جبڑے دانت نکلنے سے پہلے) تو اس پر پوری دیت ہوگی آزاد ہونے کی صورت میں مرد ہو یا عورت اور غلام، ذمی مرد و عورت میں ان کی دیت کے حساب سے پوری دیت ہوگی۔

۲۔ اگر کوئی شخص جبڑوں کو دانتوں سمیت اکھاڑ دے تو اس پر دو دیتیں ہوں گی

۳۔ صرف ایک جبڑے کی آدھی دیت ہے اور دانتوں کے ساتھ اگر اکھاڑے تو دانتوں کا علیحدہ حساب ہوگا۔

۴۔ جب جبڑوں پر جنایت ان کے چہرے کے ساتھ ایسے طریقہ پر ملنے کا موجب ہو کہ ان کو حرکت دینا مشکل ہو تو ایسی جنایت پر ارش ہوگا۔

ہاتھوں کی دیت

گیارہویں قسم ہاتھوں کی دیت میں ہے۔

۱۔ دونوں ہاتھوں پر جنایت کی صورت میں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور ایک ہاتھ کی آدھی دیت ہے اور ہاتھ سے مراد یہاں پر کلائی کے جوڑ تک ہے۔

۲۔ جب ایک ظالم ایک ہاتھ کو انگلیوں سمیت کاٹ دے ایک ہاتھ کی تمام انگلیوں پر آدھی دیت واجب ہے۔

۳۔ اگر ایک جنایت کار صرف انگلیوں کو کاٹ دے اس پر بھی آدھی دیت واجب ہے جو کہ پانچ سو دینا ہے۔

۴۔ اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ کو کاٹ دے اور اس کے ساتھ کلائی کا بھی کچھ حصہ ہو تو ہاتھ

کی دیت ہو گی اور کلائی کے بدلے جریمہ ہو گا ایک قول ہے پیمائش کے حساب سے زائد کی بھی دیت ہو گی کیوں کہ وہ بازو کا حصہ ہے اور اس کے لئے دیت معین ہے ۔

۵ ۔ جب ایک شخص کسی کے ہاتھ کو کہنی سے یا کندھے سے کاٹ دے تو اس پر ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہی ہو گی کیوں کہ ید کا اطلاق ہتھیلی سے بازو اور انگلیوں تک ہوتا ہے ۔

۶۔ اگر ایک شخص کسی زائد ہاتھ والے کا ہاتھ کاٹ دیتا ہے تو اس پر جریمہ ہو گا اور زائد ہاتھ کو اصلی ہاتھ سے حرکت قوی کے نہ ہونے اور گرفت کے کمزور ہونے اور اس کے پیدائشی ناقص ہونے سے معلوم ہو گا اور اگر اس کے ساتھ اصلی ہاتھ بھی کاٹ دے تو ہاتھ کی دیت بھی ہو گی ۔

۷ ۔ جب ایک شخص کا اصلی ہاتھ زائد ہاتھ سے مشخص نہ ہو سکے اور جنایت کار دونوں کو کاٹ دے تو کاٹنے والے پر جریمہ ہو گا ایک قول ہے کہ ہاتھ کی آدھی دیت اور آدھا جریمہ ہو گا یا دیت کا نصف ہو گا بعض نے کہا ہے کہ زائد کا ارش ہو گا ۔

۸ ۔ جب ایک شخص کا ہاتھ زائد ہو اور اس کو اصلی ہاتھ سے امتیاز نہ کیا جا سکتا ہو اور زائد اور اصلی ہاتھ کو دو شخص علیحدہ علیحدہ کاٹ دیں تو دونوں پر جریمہ ہو گا یا ایک شخص وقفے سے دونوں ہاتھوں کو کاٹ دے جب کہ وہ پہلے کا جریمہ دے چکا ہو تو دوسرے ہاتھ کا بھی اس پر جریمہ ہو گا ۔

۹۔ کہنی سے نیچے دونوں ہاتھوں کو کاٹنے کی پوری دیت ہے جب کہ دونوں مشخص ہوں اور کہنی سے اوپر دونوں بازؤں کو کاٹنے کی بھی پوری دیت ہے اور ان میں سے ہر ایک کی آدھی دیت ہے

انگلیوں کی دیت

بارہویں قسم انگلیوں کی دیت میں ہے ۔

۱۔ جب ایک جنایت کار دس انگلیوں کو کاٹ دے تو اس پر پوری دیت ہوگی اور پاؤں کی انگلیوں کا بھی یہی حکم ہے۔

۲۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہر ایک انگلی کی دیت کل دیت کا ۱/۱۰ ہے یعنی سو دینار، ایک قول ہے کہ انگوٹھے کی دیت ۱/۳ اور باقی انگلیوں کی دیت ۲/۳ ہے اور اس ۲/۳ حصہ میں باقی انگلیاں برابر ہیں

۳۔ دیت سے انگلی کی ہر گرہ کا حصہ انگلی کی دیت کا ۱/۳ حصہ اور انگوٹھے کی گرہ کا حصہ انگوٹھے کی دیت کا نصف ہے۔

۴۔ زائد انگلی کی دیت اصلی انگلی کی دیت کا ۱/۳ حصہ ہے اور زائد انگلی کو اصلی انگلی سے حرکت طبعیہ کے کمزور ہونے یا اصل انگلی سے چھوٹی ہونے یا اس کے طبعی جہت سے دوسری طرف مائل ہونے سے ممتاز کیا جاتا ہے۔

۵۔ ہر ایک انگلی کو شل کرنے کی دیت انگلی کی پوری دیت کا ۲/۳ حصہ ہے شل ہونے والا انگوٹھا ہو یا کوئی دوسری انگلی خواہ ہاتھ سے ہو خواہ پاؤں سے۔

۶۔ انگلی کو شل کرنے کے بعد کاٹنے کی دیت پوری انگلی کی دیت ہے اسی طرح اگر پیدائشی طور پر شل انگلی کو کاٹے تو اس کی دیت پوری انگلی کی دیت کا ۱/۳ ہے

کمر کی دیت

تیرھویں قسم کمر کی دیت میں ہے۔

۱۔ جو کسی کی کمر توڑ دے کہ وہ ٹھیک نہ ہو سکے تو اس پر پوری دیت ہے۔ اسی طرح اگر ضرب لگنے سے پیٹھ ٹیڑھی ہو جائے یا اس طرح ہو جائے کہ بیٹھنا ممکن نہ ہو تو بھی پوری دیت ہوگی۔

۲۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی کمر توڑ دیتا ہے اور وہ صحیح ہوجائے یا کبڑاپن ختم ہوجائے اور وہ بیٹھنے پر قادر ہوجاتا ہے تو اس صورت میں کمر توڑنے والے پر ½ دیت ہوگی۔

۳۔ جب کسی شخص کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی جائے اور پھر وہ بغیر کسی عیب کے صحیح ہوجائے تو توڑنے والے پر ⅓ دینا ر ہے اور اگر وہ عیب دار ہی رہے اور ٹھیک نہ ہو تو پوری دیت ہے۔

۴۔ جب ایک شخص کی کمر توڑ دے کہ اس کی منی زائل ہو اور چل نہ سکے تو اس توڑنے والے پر دو دیتیں ہوں گی ا کمر توڑنے کی ۲ جماع کی صلاحیت کے فوت ہونے کی۔

ریڑھ کی ہڈی میں موجود حرام مغز اور پستانوں کی دیت

چودھویں قسم حرام مغز کی دیت میں ہے

۱۔ حرام مغز پر جنایت کی صورت میں جب کہ جنایت کے سبب وہ کٹ جائے پوری دیت ہزار دینار ہوگی اگرچہ زندگی باقی رہے۔

۲۔ اگر کوئی جنایت کار حرام مغز کا کچھ حصہ کاٹ دے تو اس کی دیت پیمائش کے ذریعہ حساب کی جائے گی مثلاً اگر آدھا حرام مغز کاٹا ہے تو دیت آدھی ہوگی اور اگر ایک چوتھائی کاٹا ہے تو دیت بھی ایک چوتھائی ہوگی۔

پندرھویں قسم پستانوں کی دیت میں ہے

۱۔ جو شخص عورت کے دونوں پستانوں کو کاٹ دے تو اس پر عورت کی پوری دیت ہے اور ہر ایک میں عورت کی دیت کا ½ حصہ ہوگا اس میں دایاں اور بایاں پستان برابر ہیں۔

۲۔ اگر جنایت کار پستانوں کے دودھ میں بیماری کا سبب بنے کسی طرح بھی ہو تو

اس پر جرمانہ ہوگا اسی طرح اگر دودھ کا پستان کے نیپل NIPPLE سے اترنا مشکل ہو جائے تب بھی جرمانہ ہوگا۔

۳۔ جب ایک شخص عورت کے پستانوں کے صرف نیپل NIPPLE کو کاٹے تو اس میں صرف جرمانہ ہے ایک قول ہے کہ اس پر عورت کی پوری دیت ہے۔

۴۔ جب ایک شخص عورتوں کے پستانوں کے ساتھ کچھ حصہ سینے کے گوشت کا بھی کاٹ دے تو اس پر پستانوں کی دیت ہوگی اور سینہ کے گوشت کا جرمانہ علیحدہ ہوگا۔

۵۔ جب ایک شخص عورت کے پستانوں کو کاٹے اور زخم سینے کے اندر تک چلا جائے تو اس پر پستانوں کی دیت ہوگی زائد جلد کاٹنے کا جرمانہ اور زخم جائفہ کی دیت جو کہ کل دیت کا ⅓ حصہ ہے ایک اونٹ کے اضافے کے ساتھ۔

۶۔ مرد کے پستانوں کے نیپل NIPPLE کو کاٹنے پر جرمانہ ہوگا کیوں کہ ان کی دیت معین نہیں ہے ایک قول ہے کہ پوری دیت ہے اور بعض لوگوں کا نظریہ ہے ⅛ دیت ہے۔

ذکر (آلہ تناسل) کی دیت

سولہویں قسم ذکر کی دیت میں ہے۔

۱۔ اگر کوئی شخص کسی کے آلہ تناسل کو جڑ سے کاٹ دے یا حشفہ یا اس سے کچھ زیادہ کو کاٹ دے تو اس پر پوری دیت ہوگی اس میں فرق نہیں کہ وہ بوڑھے کا ہو یا جوان کا یا چھوٹے بچے کا اور اس میں بھی فرق نہیں کہ وہ کٹنے کے بعد جماع کے قابل رہے یا نہ رہے خواہ اس کے خصیے مسلے ہوئے ہوں یا نہ۔ اس طرح کہ وہ اسے ناکارہ ہونے تک پہنچائے درصورتیکہ اس

کے خصیے ملے ہوئے ہوں ۔

۲۔ اگر کوئی شخص کسی کے حشفہ کا کچھ حصہ کاٹ دیتا ہے تو اس پر حشفہ کی دیت کٹنے کے لحاظ سے ہوگی نہ کہ اس کا حساب پورے ذکر سے کیا جائے گا مثلاً اگر آدھا حشفہ کاٹا ہے تو آدھی دیت ہوگی اور اگر ۱/۳ کاٹا ہے تو دیت بھی حشفہ کی دیت کا ۱/۳ ہوگی ۔

۳۔ اگر جنایت آلہ کے مجریٰ (یعنی جس سے پیشاب یا منی وغیرہ بہتی ہے) کو چھید دے تو اس پر جریمہ ہوگا.

۴۔ جب ایک شخص کسی کا حشفہ کاٹ دے اور دوسرا شخص یا وہی بعد میں باقی آلہ کو کاٹ دے تو پہلے پر پوری دیت ہوگی اور دوسرے پر عیب کا جرمانہ ہوگا ۔

۵۔ کسی نامرد کے ذکر کا کچھ حصہ کاٹ دینے کی دیت ۱/۳ ہے ایک قول ہے کہ اس میں صحیح کی طرح پوری دیت ہوگی ۔

۶۔ جو شخص کسی نامرد کے ذکر کے کچھ حصہ کو کاٹ دے تو اس کی دیت اصل ذکر عنین (نامرد) کے حساب سے ہوگی نہ خصوصی طور پر حشفہ کے حساب سے ۔

خصیوں اور عورت کی شرمگاہ کے دونوں کناروں کی دیت

سترھویں قسم خصیوں کی دیت میں ہے ۔

۱۔ دونوں خصیوں کو اکٹھا نکالنے کی جنایت میں پوری دیت ہے اور ہر ایک میں آدھی دیت ہے ایک قول ہے کہ دائیں خصیہ کی ۲/۳ اور بائیں کی ۱/۳ دیت ہے ۔

۲۔ دونوں خصیوں کو جنابت کے ذریعہ پھیلانے کی دیت چارسو دینار ہے ۔

۳۔ اگر خصیتین پر جنایت کی وجہ سے مظلوم کی دونوں ٹانگوں کے درمیان فاصلہ حد

سے زیادہ بڑھ جائے اور پاؤں پیچھے سے ایک دوسرے سے دور اور آگے سے قریب ہو جائیں اور اس کی رانوں کے فاصلے بڑھ جائیں یا پنڈلیوں کے درمیان فاصلہ بڑھ جائے کہ وہ چلنے پر قادر نہ رہے تو جنایت کار پر آٹھ سو دینار دیت ہو گی اسی طرح اگر وہ چل سکے مگر بے فائدہ ہو۔

اٹھارہویں قسم

عورت کی شرمگاہ کے کناروں کی دیت میں ہے۔

۱۔ عورت کی شرمگاہ کے دونوں کناروں پر اکٹھا جنایت کی صورت میں عورت کی پوری دیت واجب ہو گی اور ایک کی آدھی دیت ہو گی خواہ شرمگاہ صحیح سالم ہو یا ہڈی دار ہو، کنواری کی ہو یا شادی شدہ کی، چھوٹی بچی کی ہو یا عورت کی۔

۲۔ عورت کے زانوں پر جنایت کرنے کی دیت معین نہیں ہے بلکہ جرمانہ ہے خواہ ان کو تنہا کاٹے یا فرج اور زانوں دونوں کو کاٹے۔

۳۔ جو شخص کسی بچی پر اس کے بلوغ سے پہلے جنایت کرے اس کا افضا کرنے کے ساتھ ساتھ یعنی اس کے پیشاب اور حیض کے مقامات کو ایک کر دے اور ایک قول ہے کہ حیض اور پاخانہ کے مقام کو ایک کر دے تو اس پر پوری دیت ہو گی اس میں فرق نہیں کہ جنایت کار خاوند ہو یا اجنبی اور اگر اجنبی ایسی جنایت لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد کرے تو صرف اس پر دیت ہو گی اور اگر خاوند اپنی بالغ بیوی سے یہ کرے تو اس پر دیت نہیں ہو گی۔ پہلی صورت میں خاوند دیت بھی دے گا اور حق مہر بھی دے گا اور جب تک وہ لڑکی زندہ ہے اور خاوند بھی زندہ ہے اس کو خرچ دے گا اور اگر جنایت کار خاوند کے علاوہ کوئی اور ہو تو اگر اس نے کو مجبور کر کے ایسا کیا ہو تو اس پر دیت اور مہر دونوں ہو گی اور اگر لڑکی نے با رضا و رغبت کیا ہو اور لڑکی آزاد ہو تو اس کا مہر

نہیں کیوں کہ وہ خود زنا کار ہے لیکن مرد پر دیت اور حد ہوگی ۔

۴۔ جو شخص کنواری لڑکی کو مجبور کر کے اس کا افضا کر دے تو اس پر کنوارے پن کو ختم کرنے کا ارش ہوگا اور حق مہر و دیت اس وقت اس لڑکی کو لونڈی فرض کر کے کنواری ہونے کی قیمت اور پھر کنوارپن کے زائل ہونے کے وقت کی قیمت معلوم کرے جو درمیانی فرق ہوگا وہ ارش ہوگا۔ اور اگر لونڈی ہے تو جنائت کرنے والے پر بکارت کا ارش ہوگا خواہ اطاعت کی ہو لونڈی نے یا مجبور ہو اور یہ تمام افضاء کرنے والے کے مال سے وصول کیا جائے گا ۔

۵۔ جو شخص انگلی کے ذریعہ کسی کنواری لڑکی کا پردہ بکارت پھاڑ دیتا ہے اور افضا بھی کر دیتا ہے یہاں تک کہ لڑکی کا مثانہ پھٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ پیشاب نہیں روک پاتی تو ایسا کرنے والے پر پوری دیت ہوگی ایک قول ہے کہ ½ دیت ہوگی

دونوں سرین اور دونوں پاؤں کی دیت

انیسویں قسم :

سرین کی دیت میں ہے ۔

۱۔ دونوں سرین کو اکٹھا کاٹنے کی پوری دیت ہے آزاد مرد میں اور ہر ایک کی علیحدہ دیت آدھی ہے اور آزاد عورت میں اسی طرح اس کے دونوں سرین کی دیت اس کی پوری دیت ہے اور ایک کی دیت عورت کی آدھی دیت ہے ۔

۲۔ جو شخص کسی ذمی مرد کے سرین کو کاٹے یا جنایت کرے تو اس کی دیت آٹھ سو دینار ہے اور ذمیہ کے سرین کی دیت ذمی کی دیت کا آدھا ہے اور غلام اور لونڈی میں قیمت ہے ۔

۲۔ جو شخص سرین کے کچھ حصہ پر جنایت کرے اس کی دیت ضائع ہونے والے سرین کے لحاظ سے پیمائش کے ساتھ ہوگی مثلاً اگر آدھا سرین کٹا ہے تو سرین کی آدھی دیت ہو اور اگر ایک تہائی کٹا ہے تو دیت بھی سرین کی ⅓ دیت کے برابر ہوگی۔

بیسویں قسم

دونوں پاؤں کی دیت میں ہے۔

۱۔ آزاد مرد کے دونوں پاؤں کو کاٹنے کی پوری دیت ہے اور ہر ایک پاؤں کی آدھی دیت ہے اور دائیں اور بائیں کا کوئی فرق نہیں ہے اور عورت کے دونوں پاؤں میں اس کی پوری دیت ہے اور اس کے ایک میں اس کی آدھی دیت ہے اور پاؤں کی مقدار پنڈلی کے جوڑ تک ہے اگرچہ انگلیوں پر مشتمل ہے

۲۔ جو شخص دونوں پاؤں کی صرف انگلیاں کاٹے تو اس پر پوری دیت ہے اور ہر انگلی کی دیت کل دیت کا ⅒ ہے جو کہ ایک سو دینار بنتا ہے اور انگوٹھے وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں ہے ایک قول ہے کہ پاؤں کے انگوٹھوں کا بھی وہی حکم ہے جو پہلے ہاتھ کے انگوٹھوں میں گزر چکا ہے۔

۳۔ ہر انگلی کی دیت اس کے تین پوروں پر تقسیم ہوتی ہے سوائے انگوٹھے کے اس کی دیت دو پوروں پر تقسیم ہوتی ہے۔

۴۔ صرف دونوں پنڈلیوں کو کاٹنے کی پوری دیت ہے اور ہر ایک پنڈلی کی آدھی دیت ہے

۵۔ صرف دونوں رانوں کو کاٹنے کی پوری دیت ہے اور ہر ایک ران کی آدھی دیت ہے۔

پسلیوں اور سرین کی ہڈی کی دیت اور ہر اس عضو کی ہڈی کی دیت جس عضو کے لئے دیت مقرر ہے

اکیسویں قسم

پسلیوں کی دیت میں ہے۔

۱۔ دل کی طرف کی یعنی بائیں طرف کی ہر پسلی کو توڑنے کی دیت ۲۵ پچیس دینار ہے اور بازو سے ملی ہوئی ہر پسلی کو توڑنے کی دیت دس دینار ہے اور اگر پسلی صرف دھنس جائے تو اس کی دیت ساڑھے سات دینار ہے اور اگر پسلی اپنی جگہ سے کھسک جائے تو دیت پانچ دینار ہے اور وہ زخم جس سے ہڈی نظر آنے لگے اس کی دیت ہڈی کو توڑنے کی دیت کا $\frac{1}{4}$ ہے

۲۔ جو شخص کسی کی سرین کی ہڈی توڑ دے کہ جس پر بیٹھا جاتا ہے اور ایسے توڑے کہ وہ پاخانہ کرنے اور روکنے پر قادر نہ رہے تو اس پر پوری دیت آئے گی۔

۳۔ جو شخص کسی شخص کے خصیہ اور دبر کے حلقہ کے درمیان ضرب لگائے اور مضروب اپنے پیشاب، پاخانہ کو نہ روک سکتا ہو تو مارنے والے پر پوری دیت ہوگی۔

۴۔ ہر وہ عضو جس کی دیت معین ہے اس کی ہڈی کو توڑنے کی دیت عضو کی دیت کا $\frac{1}{5}$ ہے اور پھر اگر ہڈی بغیر عیب کے صحیح و سالم ہو جائے تو ہڈی توڑنے کی دیت کا $\frac{4}{5}$ حصہ ہوگا اور ہڈی کو چھیل دینے والے زخم میں ہڈی کو توڑنے کی دیت کا $\frac{1}{4}$ حصہ ہے، کسی عضو کی ہڈی کو دلنے اور پیس دینے کی دیت اس عضو کی دیت کا $\frac{1}{3}$ ہے اور ہڈی کو درمیان سے اس طرح توڑ دینا کہ اس سے کام نہ کیا جا سکے اس عضو کی دیت کا $\frac{2}{3}$ ہے اور ہڈی بغیر عیب کے صحیح ہو جائے تو توڑنے کی دیت کا $\frac{4}{5}$ حصہ دیت ہوگی۔

ہنسلی کی دونوں ہڈیوں کی دیت اور پیٹ کو روندنے

کی دیت :

بائیسویں قسم

ہنسلی کی دونوں ہڈیوں اور پیٹ کو روندنے کی دیت میں ہے ۔

۱۔ ہنسلی کی دونوں ہڈیوں کو توڑنے کی دیت اسّی دینار ہے اور ایک ہڈی کی دیت چالیس دینار ہے جب ہڈیاں بغیر عیب کے جڑ جائیں اور اگر جڑ جائیں لیکن عیب دار ہوں تو دیت کے ساتھ جرمانہ بھی ہوگا ۔

۲۔ جو شخص کسی کے پیٹ کو روندے یہاں تک کہ پیشاب ، پاخانہ نکل جائے تو روندنے والے کے پیٹ کو قصاص کے طور پر اتنا روندا جائے کہ اس سے حدث صادر ہو جائے ، ایک قول ہے کہ اس عمل کے ساتھ روندنے والے پر دیت ہوگی اور بعض دوسرے نے اس میں روندنے کے ساتھ صرف جرمانہ کو واجب قرار دیا ہے ۔

منافع کی دیت

منافع کی دیت کی آٹھ قسمیں ہیں

(۱) عقل (۲) سمع (۳) بصر (۴) سونگھنا (۵) چکھنا (۶) منی نکلنے کا متعذر ہونا (۷) سلسل بول یعنی پیشاب نہ رکنا (۸) آواز کا جاتا رہنا ۔

عقل کے زائل کرنے کی دیت

۱۔ جو شخص کسی پر ظلم کرے کہ اس کی عقل زائل ہو جائے تو اس پر پوری دیت واجب ہوگی ۔

۲۔ جب ایک جنایت کار کے ظلم سے کسی کی عقل کا کچھ حصہ زائل ہو جائے تو اس پر جرمانہ ہوگا۔ ایک قول ہے کہ دیت ہوگی اور دیت کی مقدار زمانے کے لحاظ سے ہوگی مثلاً اگر وہ ایک دن مجنون اور ایک دن سالم رہتا ہے تو اس پر آدھی دیت ہوگی اور اگر وہ دو دن مجنون اور ایک دن سالم رہتا ہے تو دیت ⅔ ہوگی اسی طرح اگر وہ ایک دن مجنون اور دو دن صحیح سالم رہتا ہے تو دیت ⅓ ہوگی

۳۔ عقل کو زائل کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیوں کہ قصاص موجب تجاوز ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص کسی کا سر پھاڑ دے یا ہاتھ کاٹ دے جس سے مضروب کی عقل زائل ہو جائے تو مارنے والے پر دو دیتیں ہوں گی۔ ایک قول ہے کہ اگر ایک دفعہ مارنے سے عقل زائل ہو تو صرف ایک دیت ہوگی

۵۔ جنایت کے ذریعہ زائل شدہ عقل اگر واپس لوٹ آئے اور عقل کے زائل کرنے والے سے دیت بھی لی جا چکی ہو تو دیت اس کو واپس نہیں کی جائے گی جب کہ ماہرین نے عقل کے پوری طرح زائل ہونے کا فیصلہ دیا ہو لیکن اگر وہ عقل کے پوری طرح زائل ہونے میں مشکوک ہوں تو اس وقت صرف جرمانہ لیا جائے گا اور دیت واپس کر دی جائے گی۔

قوت سماعت کے زائل کرنے کی دیت

۱۔ جنایت کی وجہ سے دونوں کانوں کی سماعت زائل ہو تو اس میں پوری دیت ہے جب ماہرین اس کے نہ لوٹنے کی گواہی دیں۔ اور اگر وہ معین مدت تک اس کے لوٹنے کا فیصلہ کریں تو اتنی مدت انتظار کیا جائے گا اگر اس مدت میں لوٹ آئے تو ارش لیا جائے گا اگر نہ لوٹے تو پوری دیت ہوگی۔

۲۔ ایک کان کی قوت سماعت کو ختم کرنے کی آدھی دیت ہے۔

۳۔ جب ایک جنایت کار مضروب کے اس دعویٰ کا انکار کرے کہ اس کی جنایت سے مضروب کی

قوت سماعت ختم ہوگئی ہے یا اس کے سچا ہونے کے متعلق ـــــ نفی کرے اور مضروب اپنے سچا ہونے کا دعویٰ کرے تو مضروب کا آسمانی بجلی کڑکنے کے وقت یا خطرناک آواز کے ذریعہ امتحان کیا جائے گا جب کہ مضروب غافل ہو اگر اس کا دعویٰ سچا ہوا تو جنایت کار پر دیت ہوگی ورنہ جنایت کار قسم دے گا اور فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔

۴۔ جو شخص کسی کی جنایت کی وجہ سے اپنے ایک کان کی سماعت کی کمی کا دعویٰ کرے تو اس کے صحیح کان کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے گا اس طرح کہ ناقص کان کو اچھی طرح بند کر دیا جائے گا پھر بھیانک طریقہ سے چیخا جائے گا یا اس کے پیچھے گھنٹی بجائی جائے گی اگر وہ کہے کہ مجھے سنائی نہیں دیا ہے تو دوبارہ دوسری طرف سے چیخ ماری جائے گی اگر دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں برابر ہوں یعنی اس کو سنائی نہ دیا ہو تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہوگا۔

پھر صحیح کان کو بند کیا جائے گا اور خراب کو کھول دیا جائے گا اور پہلے کی طرح دونوں جہتوں سے اسکا بھی امتحان کیا جائے گا اگر وہ کہے کہ مجھے سنائی نہیں دیا تو دوبارہ امتحان کیا جائے گا چاروں طرف سے اگر تمام جہات کی مسافت سننے میں برابر ہوئی تو بھی وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔

پھر صحیح اور خراب کان میں مسافت کو معیار بنایا جائے گا اور پیمائش کی جائے گی اور ان دونوں میں جو تفاوت ہوگا اسی حساب سے دیت وصول کی جائے گی مثلاً اگر نقص ایک چوتھائی ہے تو دیت بھی اس کان کی دیت کا ¼ ہوگی۔

۵۔ قوت سماع کی آزمائش ہوا کے رکنے کے وقت معتدل جگہ کی جائے گی۔

۶۔ قوت سماع کو ختم کرنا کانوں کے کاٹنے کے ساتھ اس سے دو دیتیں ہوں گی

۷۔ اگر جنایت دونوں کانوں کی سماعت کی کمی کا موجب ہو جائے تو اس ناقص سماعت

والے کی سماعت کا مقابلہ اس کے ہم سنوں سے کیا جائے گا مختلف جہات میں اور پھر صحیح اور عیب دار کے درمیان جو فرق ہے وہ معین کیا جائے گا۔

نظر کو ضائع کرنے کی دیت

۱۔ دونوں آنکھوں کی اکٹھے نظر زائل کرنے کی پوری دیت ہے اور ایک آنکھ کی نظر ضائع کرنے کی آدھی دیت ہے۔

۲۔ اگر جنایت کار مضروب کی نظر کو جنایت کے ساتھ ختم ہونے کا انکار کرے اور دو عادل ماہرین چشم گواہی دیں کہ نظر جنایت کے ساتھ گئی ہے تو جانی پر قصاص ہوگا اگر جنایت عمداً کی ہو مگر یہ کہ وہ دیت پر صلح کریں یا ایک عادل گواہ اور دو عورتیں ہوں جنایت خطا یا شبہ خطا واقع ہوئی ہو تو دعویٰ صحیح ہوگا۔ پس اگر دو ماہرین گواہ کہیں کہ نظر لوٹنے کی امید نہیں ہے تو جانی پر دیت ہوگی اسی طرح اگر وہ کہیں کہ لوٹنے کی امید ہے لیکن وقت معین نہ کریں یا وقت معین کریں اور وہ گزر جائے اور نظر نہ لوٹے تو بھی دیت ہے اسی طرح اگر وہ مدت معین ہونے سے پہلے مر جائے تب بھی جنایت کار پر دیت ہوگی یا کوئی دوسرا اصل سے اس کی آنکھ نکال دے تب بھی پہلے جنایت کار پر نظر زائل کرنے کی دیت ہوگی۔

۳۔ جو شخص اپنی آنکھ پر جنایت کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس ماہرین میں سے کوئی شاہد نہ ہو اور جنایت ایسی ہو کہ جس سے بصارت کے زوال کا احتمال دیا جا سکتا ہو تو مضروب قسامہ کے ساتھ حلف اٹھائے گا جب آنکھ باقی ہو تو اس کے زوال کی دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ جب مضروب جنایت کے ذریعہ اپنی ایک آنکھ کی بصارت کم ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کی

دوسری آنکھ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا اور وہی طریقہ استعمال کیا جائے گا جو سماعت کے امتحان کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور اگر وہ دونوں آنکھوں کی بصارت کی کمی کا دعویٰ کرے تو اس کے ہم سنوں کی بصارت سے اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔

۵۔ آنکھوں کی بصارت کا مقابلہ مختلف اطراف والی جگہ اور ابر آلود دن میں نہیں کیا جائے گا۔

قوت شامہ کی دیت

۱۔ دونوں نتھنوں سے قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) کو ختم کرنے والی جنایت پر پوری دیت ہے اور ایک نتھنے سے قوت شامہ کو ختم کرنے کی آدھی دیت ہے۔

۲۔ جب ماہرین قوت شامہ کے جنایت کے ذریعہ زائل ہونے کے بعد دوبارہ پلٹنے سے مایوسی کا اظہار کریں جنایت کار سے دیت وصول کرنے کے بعد تو پھر قوت شامہ کے لوٹ آنے کے بعد دیت واپس نہیں کی جائے گی۔

۳۔ جب جنایت کار مضروب کے اس دعویٰ کا انکار کرے کہ اس کی سونگھنے کی حس جنایت کے ذریعہ ختم ہوئی ہے تو اس کی آزمائش کی جائے گی خوشبو اور بدبو کو اس کے پیچھے سے لاکر جب کہ وہ غافل ہو اگر اس کا بدبو سے نفرت کرنا معلوم ہو جائے اور خوشبو سے لطف اندوز ہونا معلوم ہو جائے تو مضروب اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا اور اگر اس کا حال واضح نہ ہو پائے تو وہ پچاس قسمیں کھائے گا۔ اور اس کے لئے دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ جب ایک شخص کسی کی ناک کو کاٹ دے اور اس کے ذریعہ اس کی سونگھنے کی حس بھی جاتی رہے تو کاٹنے والے پر دو دیتیں ہوں گی۔

ذائقہ کی دیت

۱۔ جو کسی دوسرے پر جنایت کرے اور اس مضروب کی قوت ذائقہ ختم ہو جائے تو جنایتکار پر دیت ہو گی ایک قول ہے کہ صرف جرمانہ ہو گا۔

۲۔ جو شخص جنایت کے ذریعہ حسِ ذائقہ کو ختم ہونے کا دعوی کرے اور ضرب و جنایت ایسی ہو کہ جس سے ذائقہ کے ختم ہونے کا امکان ہو تو مدعی سے اتنی قسمیں لی جائیں گی جو حد قسامہ کو پہنچ جائیں۔ کیونکہ حسِ ذائقہ کے زوال پر گواہی متعذر ہے ایک قول ہے کہ کسی کڑوی شئی سے حسِ ذائقہ کی آزمائش کی جائے گی اگر اس کی طبیعت اس سے متنفر ہو تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو گا اگر نفرت نہ کرے تو پھر قسموں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۳۔ اگر کوئی شخص قوت ذائقہ کی کمی کا دعوی کرے جنایت کے سبب تو اس سے قسم لی جائے گی پھر وہ فیصلہ کیا جائے گا جو جھگڑے کو ختم کر دے۔

۴۔ جب ایک شخص کسی کے جبڑوں کی جڑ پر جنایت کرے جس سے مضروب کھانے سے محروم ہو جائے تو ایک قول ہے کہ ایسے جنایت کار پر دیت ہو گی اور ایک قول ہے کہ جرمانہ ہو گا۔

منی کے انزال سے متعذر کرنے کی دیت

۱۔ جنایت کی وجہ سے اگر کوئی وقت جماع منی کے انزال سے معذور ہو جائے تو جنایت کار پر پوری دیت ہو گی۔

۲۔ جب ایک شخص ایسی جنایت کرے جس سے مرد کی طرف سے عورت کو حاملہ کرنے کی صلاحیت

اور عورت کی طرف سے حاملہ ہونے کی صلاحیت ختم ہو جائے تو ایسے جنایت کار پر مرد کی پوری دیت ہوگی اور عورت کی بھی پوری دیت ہوگی۔

سلس بول اور آواز کے ختم کرنے کی دیت

۱۔ جب ایک شخص کسی پر اس طرح جنایت کرے کہ اس کے پیشاب روکنے کی طاقت ختم ہو جائے اور پیشاب قطرہ قطرہ کر کے بہتا رہے تو ایسے جنایت کار پر پوری دیت ہوگی ایک قول ہے کہ اگر یہ حالت رات تک رہے تو پوری دیت ہوگی اور صرف زوال تک رہے تو ⅔ تک ہوگی اور اگر وقت چاشت تک رہے تو ⅓ دیت ہوگی۔

۲۔ اگر مضروب کہ جو ضرب کی وجہ سے سلسل بول کا مریض ہو گیا تھا ٹھیک ہو جائے تو جنایت کار پر صرف جرمانہ ہوگا۔

آواز کو ختم کرنے کی دیت

۱۔ جب ایک شخص کسی پر جنایت کرے اور اس کی آواز ختم ہو جائے اور زبان اپنے اعتدال پر باقی رہے اور منہ کے اندر حرکت کی قدرت رکھتی ہو تو جنایت کار پر پوری دیت ہوگی۔

۲۔ جب ایک شخص ایسی جنایت کرے جس سے زبان کی حرکت اور آواز دونوں جاتی رہے تو ایسے جنایت کی پوری دیت ہوگی اور زبان کو شل کرنے کی ⅔ دیت بھی جانی پر ہے۔

سر کے زخموں اور عام زخموں کی دیت۔

شجاج : وہ زخم جو چہرے اور سر پر ہو اور

ان دو کے علاوہ جہاں بھی زخم آئے اس کو جرح کہتے ہیں ۔ شجاج یعنی سر یا چہرہ کے زخموں کی نو قسمیں ہیں۔

۱۔ الحارصہ ۔ وہ زخم جو جلد کو تھوڑا سا پھاڑ دے اس کی دیت ایک اونٹ ہے ۔

۲۔ الدامیہ ۔ وہ زخم جو جلد سے خون بہا دے اور گوشت میں تھوڑا سا اتر جائے اور خون بہنے لگے اس کی دیت دو اونٹ ہے ۔

۳۔ الباضعہ ۔ وہ زخم جو گوشت کو کافی مقدار میں چیر دے اس زخم کو متلاحمہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ زخم گوشت کو چیر دیتا ہے اور ہڈی تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی ہڈی کے اس پردے تک پہنچتا ہے جو ہڈی کے اوپر ہوتا ہے ۔

۴۔ سمحاق ۔ اس باریک جلد کو کہتے ہیں جو ———— سر کی ہڈی کے اوپر ہوتی ہے اور اس کی دیت تین اونٹ ہے ۔

۴۔ سمحاق ۔ اس زخم کو کہتے ہیں جو اس باریک جلد تک پہنچ جائے جو سر کی ہڈی کے اوپر ہوتی ہے اور اس باریک جلد کو نہ چھیلے اس کی دیت چار اونٹ ہے ۔

۵۔ الموضحہ ۔ وہ زخم جس سے ہڈی کی سفیدی ظاہر ہو جائے اور ہڈی کے اوپر کا باریک پردہ چھل جائے اس کی دیت پانچ اونٹ ہے ۔

۶۔ الہاشمہ ۔ وہ ضرب جو ہڈی کو توڑ دے اس کی دیت دس اونٹ ہے ۔ اس دیت کے اونٹوں کو چار قسموں پر تقسیم کیا جائے گا اور دیت چار قسم کے اونٹوں کی صورت میں وصول کی جائے گی اگر یہ زخم خطاء محض کی وجہ سے ہو جیسے اصل دیت کے اونٹ چار حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں خطاء محض کی دیت میں اور شبہ عمد ہو تو دیت کے اونٹوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ۔

۷۔ المنقلہ ۔ وہ زخم ہے جو ہڈی کو اس کی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دے یا ہڈی کو گرا دے اس کی

دیت پندرہ اونٹ ہوگا ۔

۸ ۔ الماموہ ۔ وہ ضرب جو کھوپڑی پر لگے اور اس میں شگاف نہ ڈالے اس میں ۳۳ اونٹ کی دیت ہوگی

۹ ۔ الدامغہ ۔ وہ ضرب جو دماغ کی ہڈی کو توڑ دے اگر اس ضرب سے انسان مرجائے تو پوری دیت ہوگی اور اگر زندہ رہے تو ایک قول ہے کہ ماموہ کی دیت اور جرمانہ ہوگا ۔

بقیہ زخموں کی دیت

۱ ۔ جائفہ ۔ وہ زخم جو بدن کے اندر تک چلا جائے خواہ کسی حصہ میں ہی ہو اس کی دیت ⅓ ہے ایک اونٹ کے اضافہ کے ساتھ

۲ ۔ جب ایک شخص کسی دوسرے کے عضو کو زخمی کرتا ہے اور پھر اس کو زخم جائفہ لگاتا ہے تو اس عضو کے زخم کی دیت ہوگی اور پھر جائفہ کی اگر زخم ظاہر بظاہر ہو یا اندر ہو اس طرح کہ ان میں ایک جزو کاٹ دے تو اس کا جرمانہ ہوگا ۔

۳ ۔ اگر ایک شخص کسی کو زخم جائفہ لگاتا ہے اور پھر اس کو ٹانکا لگا دیا جاتا ہے اور کوئی اور شخص پھر سے اس ٹانکے کو کھول دیتا ہے اور کھولنا جنابت کی وجہ سے نہ ہو تو اس پر تعزیر ہوگی اور ایک قول ہے کہ ارش ہوگا ۔

۴ ۔ جب کوئی شخص کسی کے جائفہ زخم کو کچھ تبدیل ہونے کے بعد کھول دے تو اس پر جرمانہ ہوگا ۔

۵ ۔ جب ایک شخص کسی کے جائفہ زخم کو مکمل طور پر مندمل ہونے کے بعد کھولے تو یہ نیا جائفہ زخم ہوگا اور اس میں دیت ہوگی ۔

۶۔ النافذہ۔ اس زخم کو کہتے ہیں جو ناک کے دونوں نتھنوں میں اکٹھا سوراخ کرے اس کی دیت کل دیت کا $\frac{1}{3}$ ہے اور اگر ٹھیک ہو جائے تو $\frac{1}{5}$ ہے۔

۷۔ نافذہ اگر ایک نتھنے میں لگے تو اس کی دیت $\frac{1}{10}$ ہے اور اگر ٹھیک ہو جائے تو اسی $\frac{1}{10}$ کا $\frac{1}{5}$ حصہ دیت ہو گی۔

۸۔ ہونٹھوں کو پھاڑنے کی دیت جب ان سے دانت ظاہر ہونے لگیں اس کی دیت کا $\frac{1}{3}$ اور اگر زخم مندمل ہو جائے تو $\frac{1}{5}$ ہے۔

۹۔ اگر ایک ہونٹ کو پھاڑے تو اس ہونٹ کی دیت کا $\frac{1}{3}$ حصہ دیت ہو گی اگر مندمل نہ ہو اور اگر زخم مندمل ہو جائے تو $\frac{1}{5}$ دیت ہو گی۔

۱۰۔ جو شخص کسی کے چہرے پر مارتا ہے جس سے اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے تو اس کی دیت ڈیڑھ $1\frac{1}{2}$ دینار ہے اور جب نیل پڑ جائے تو اس کی دیت تین دینار ہے اور اگر سیاہ ہو جائے تو اس کی دیت چھ دینار ہے ایک قول ہے کہ ان تینوں جنایتوں میں ضرب (مار) کے اثر کا دائمی ہونا شرط ہے ورنہ مارنے والے پر ارش ہو گا۔

۱۱۔ بدن پر ضرب لگانے کی دیت جب ضرب کی جگہ سرخ ہو جائے چہرے کی دیت سے آدھی دیت ہو گی یعنی $\frac{3}{4}$ دینار اور اسی طرح نیل پڑنے کی صورت میں چہرے کے نیل کی آدھی دیت اور سیاہ ہونے کی صورت میں چہرے کے سیاہ ہونے کی دیت کا $\frac{1}{2}$ دیت ہو گی۔

۱۲۔ چہرہ اور سر کا زخم دیت میں برابر ہیں جیسا کہ بدن میں عضو کی دیت کی نسبت سر کی طرف ہوتی ہے (یعنی عضو کی دیت سر کی دیت کے تناسب سے قائم کی جاتی ہے)

۱۴۔ بعض علما نے فرمایا ہے کہ نافذہ زخم اگر مرد کے اعضا میں لگے تو اس کی دیت ایک تہائی دینار ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ حکم اس عضو کے ساتھ خاص ہے جس میں پوری دیت ہے جیسا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صرف مرد کے ساتھ خاص ہے بعض دوسرے علما کا کہنا ہے کہ اس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔

ارش اور حکومت (جرمانہ) کے معنی

ارش اور حکومت سے ایک ہی شئی مراد ہے اور وہ ہے قیمت کا وہ فرق جو ایک صحیح شئی اور عیب دار شئی کے درمیان ہے اس اشیا میں کہ جن کے لئے دیت معین نہیں ہے۔

جنین کی دیت

۱۔ جب جنین اپنی ماں کے شکم میں کامل ہو جائے اور اس میں روح داخل نہ ہوئی ہو اس پر جنایت کی دیت ۱۰۰ دینار ہے جب وہ حکم مسلم میں ہو اس میں فرق نہیں کہ جنین مذکر ہو یا مؤنث یا خنثیٰ۔

۲۔ جب جنین کافر ذمی کا ہو تو اس کی دیت اس کے باپ کی دیت کا دسواں حصہ یعنی ۸۰ دینار ہے۔

۳۔ غلام جنین پر جنایت میں اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ ہو گا اس میں فرق نہیں کہ جنین مذکر ہو یا مونث

۴۔ جب جنین ایک سے زیادہ ہو تو ہر ایک کی علیحدہ دیت ہو گی۔

۵۔ جو شخص جنین پر روح کے داخل ہونے سے پہلے جنایت کرے اس پر کفارہ نہیں ہے۔ کیوں کہ قتل کا اطلاق نہیں ہوتا ہے لیکن دیت کے ساتھ ساتھ اس پر تعزیر ہو گی۔

۶۔ جب ایک جنین پر روح کے داخل ہونے کے بعد جنایت کی جائے تو جنایت کار پر پوری دیت ہو گی اگر جنین آزاد مسلمان کا بچہ ہو اور بچی کی نصف دیت ہو گی جب جنین آزاد مسلمان ہو اور کفارہ بھی واجب ہو گا

جب اس نے خود جنین پر جنایت کی ہو ۔

۷ ۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جنین پر اس کی خلقت کے پورا ہونے سے پہلے جنایت کی صورت میں دیت ایک غلام یا کنیز ہو گی جب کہ ان کی قیمت آزاد مرد مسلمان کی دیت کے دسویں حصے کو پہنچ گئی ہو یعنی ایک سو دینار قیمت ہو گئی ہو ۔

مشہور نے جو دیت کی تقسیم کی ہے ۔

۱ ۔ نطفہ کو ساقط کرنے کی دیت بیس دینار ہے ۔

۲ ۔ علقہ (خون کا لوتھڑا) کی دیت چالیس دینار ہے ۔

۳ ۔ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) کی دیت ساٹھ دینار ہے ۔

۴ ۔ جنین میں جب ہڈی بن جائے اور اس پر گوشت چڑھ جائے اس کی دیت اسی دینار ہے

اس جنین کی دیت جو مذکر و مونث میں مشتبہ ہو گیا ہو اور جنین کے بعض حصوں کی دیت اور میت پر جنایت کی دیت ۔

۱ ۔ جب جنین مذکر یا مونث ہونے میں مشتبہ ہو جائے تو اس کی دیت مذکر کی دیت کا نصف اور مونث کی دیت کا نصف ہو گی ۔

۲ ۔ اگر جنین کے اعضاء پر جنایت ہو یا اس کو زخمی کیا جائے تو اس کی دیت جنین کی دیت کی نسبت سے ہو گی ۔

۳ ۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مرد اگر اپنی آزاد بیوی سے مجامعت کرتے ہوئے اپنی منی کو اختیار کے ساتھ اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر باہر گرا دے تو اس پر دس دینار دینا واجب ہے ۔

۴۔ جنین کی دیت جنایت کار کے مال سے ہو گی جب جنایت عمداً ہو اور اگر جنایت خطاءِ محض ہو یا شبہ عمد ہو تو جنایت کار کے عاقلہ پر ہو گی اور یہ دیت جنین کے ورثہ کے لئے ہو گی۔

۵۔ جو شخص مسلمان آزاد کی میت پر جنایت کرے اور اس کا سر کاٹ دے تو اس پر سو دینار دیت ہو گی اس میں عورت یا مرد، بچہ یا بڑے کا کوئی فرق نہیں ہے اور یہ دیت خود میت کے لئے ہو گی نہ کہ میت کے وارثوں کے لئے۔ لہٰذا اس کو قربۃ الی اللہ خرچ کیا جائے گا۔ ایک قول ہے کہ یہ بیت المال میں جائے گی اور دیت کے ساتھ ساتھ جنایت کار پر تعزیر بھی ہو گی۔

۶۔ میت کے سر یا چہرے میں زخم اور دوسرے اعضا میں زخم لگانے کی دیت کا حساب سر کاٹنے کی دیت کے حساب سے ہو گا پس ایک ہاتھ کاٹنے کی دیت پچاس دینار ہو گی اور ایک انگلی کی دیت دس دینار ہو گی اور ایک عضو یا زخم کی دیت معین نہیں ہے تو پھر اس میں ارش ہو گا۔

جانوروں پر جنایت کے بارے میں اور ان کی قسمیں

مضروب حیوان کی تین قسمیں ہیں:

اول۔ جن کا گوشت عموماً کھایا جاتا ہے جیسے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ

دوم۔ وہ حیوان جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا لیکن وہ تذکیہ کو قبول کرتا ہے جیسے شیر، بندر، بھیڑیا وغیرہ

سوم۔ وہ جانور جو تذکیہ کو قبول نہیں کرتے ہیں جیسے شکاری کتا، باغ کی رکھوالی والا کتا، جانوروں کی رکھوالی والا کتا۔

پہلی قسم: حلال گوشت سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

۱۔ جو شخص کسی کے جانور کو ذبح کرے بغیر مالک کے اذن کے تو اس پر ذبح کی وجہ سے منافع میں

کی کا ارش ہو گا یعنی اس جانور کی زندہ ہونے کی اور مذبوحہ ہونے کی قیمت لگائی جائے گی اور جو فرق ہوگا وہ اس کے مالک کو مذبوحہ جانور کے ساتھ ملے گا جب کہ ذبح کرنے سے اس کی قیمت مطلقاً منتفی نہ ہوئی ہو مثلاً وہ ایسی جگہ ذبح کیا گیا جہاں اس کے خریدنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے ورنہ اس جنایت کار پر جانور کی پوری قیمت ہوگی ۔

۲۔ جو شخص کسی کے جانور کو بغیر ذبح کئے ضائع کر دے تو اس جنایت کار پر جانور کے ضائع کرنے کے دن کی قیمت ہو گی اگر اس جانور کی اصلاً قیمت باقی نہ رہی ہو اور اگر جانور میں کوئی شئی قابل نفع ہے جیسے اون، بال وغیرہ تو یہ مالک کی ہو گی ـــــ اور ان کی قیمت کو منہا کر کے جانی سے قیمت وصول کی جائے گی ۔

۳۔ جو شخص کسی کے حیوان کے کسی عضو کو کاٹ دے یا کسی ہڈی کو توڑ دے تو جنایت کار پر اس کا ارش ہوگا جانور کے مالک کے لئے ۔ یعنی قیمت کا وہ فرق جو صحیح اور عیب دار جانور کے درمیان ہے ۔

۴۔ تلف شدہ جانور کا مالک جنایت کار کو جانور لینے اور اس کی قیمت دینے پر مجبور نہیں کرسکتا ہے

۵ ۔ جنایت کار پر صرف اس کی ضمانت ہے جس کو اس نے تلف کیا ہے اور وہ ہے اس جانور کے بعض منافع ایک قول ہے کہ مجبور کر سکتا ہے ۔

اس جانور کی دیت کا حکم جو قابل تزکیہ ہے لیکن حرام گوشت ہے ۔

۱۔ جو شخص کسی کے جانور کو تذکیہ و ذبح کے ذریعہ تلف کر دے کہ جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو جنایت کار پر کمی کا ارش ہوگا کیوں کہ اس مذبوحہ کے لئے قیمت ہے ۔

۲۔ اگر کوئی شخص کسی کے حرام گوشت لیکن قابل تزکیہ جانور پر جنایت کرے کہ اس کے اعضا میں سے کسی ایک عضو کو کاٹ دے یا اس کی ہڈی کو توڑ دے اور وہ زندہ رہے تو اس جنایت کار پر اس کی

کمی کا ارش ہو گا جیسا کہ حلال گوشت جانور میں گزر چکا ہے ۔

ان جانوروں کا حکم جو حرام گوشت ہیں اور تزکیہ کو قبول نہیں کرتے ہیں

۱. جو شخص کسی کے شکاری کتے کو ضائع کر دے اس کے بدلے چالیس دینار دے گا ایک قول ہے کہ کتے کی قیمت دے گا ۔

۲ ۔ جو شخص کسی کے بھیڑوں کی حفاظت کرنے والے کتے کو ضائع کر دے تو وہ اس کے بدلے کتے کے مالک کو ایک بھیڑ دے ایک قول ہے کہ بیس دینار دے گا ۔

۳ ۔ جو شخص کسی کے باغ کی حفاظت کرنے والے کتے کو ضائع کر دے یا گھر کی حفاظت کرنے والے کتے کو ضائع کر دے تو جنایت کار اس کے مالک کو بیس دینار دے گا اور مشہور یہی ہے ایک قول ہے کتے کی قیمت دے گا ۔

۴ ۔ جو شخص کسی کے کھیت کی حفاظت کرنے والے کتے کو مار دے تو وہ ایک قفیز گندم دے (قفیز ایک معلوم وزن ہے)۔

۵ ۔ جو شخص ان کتوں کے علاوہ کسی اور کتے کو مار ڈالے تو اس کی ضمانت نہیں ہے ۔

۶ ۔ جو شخص مذکورہ بالا کتوں میں سے کسی ایک کتے کو غصب کرے اور اس کو تلف و ضائع کر دے تو اس غاصب پر کتے کی بازار کی قیمت ہو گی ۔

اس کا حکم جس کو مسلمان ضائع کرے اور وہ ان اشیا میں سے ہو جو ذمی کے یہاں حلال ہیں اور حیوان کے کسی شی کو ضائع کرنے کا حکم

۱ ۔ جو شخص کسی ذمی کے سور کو مار ڈالے جب کہ ذمی اسے چھپا کر رکھتا ہو تو اس پر سور کی قیمت ادا کرنا واجب ہے اس کو حلال سمجھنے والے کے لئے اور اگر سور کو عیب دار بنا دے یا زخمی کر دے تو ارش

دینا ہوگا۔

۲۔ جب مسلمان کافر ذمی کی چھپائی ہوئی شراب کو ضائع کر دے یا پوشیدہ رکھے ہوئے آلاتِ لہو ولعب کو توڑ دے تو مسلمان پر اس کی ضمانت ہوگی لیکن اگر کوئی شخص ایسی شئی کو تلف کر دے جب کہ وہ مسلمان کی ملکیت ہو خواہ پوشیدہ ہو یا ظاہر بظاہر تو ضمانت و غرامت کچھ بھی نہیں ہوگا خواہ ضائع کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی۔

۳۔ جس شخص کا حیوان کسی پر رات میں جنایت کرے نہ کہ دن میں تو حیوان کے مالک پر شئی کو ضائع کرنے کے دن کی قیمت وضمانت ہوگی اور یہ مشہور قول ہے ایک قول ہے کہ اگر حیوان کی جنایت مالک کی کوتاہی کی وجہ سے ہو تو مالک ضامن ہوگا خواہ دن ہو یا رات اور اگر مالک کی کوتاہی کے بغیر ہو تو مالک ضامن نہیں ہوگا خواہ دن ہو یا رات۔

قتل کا کفارہ اور عاقلہ کے معنی

۱۔ قتل کے کفارہ کی دو قسمیں ہیں جو قتل کی دو قسموں کے لئے ہیں

(۱) کفارہ جمع (تمام کفارہ اکٹھا) یہ قتل عمد میں واجب ہوتا ہے۔

(۲) ترتیب وار کفارہ یعنی مرتبۃ یہ قتل خطا یا خطا شبہ عمد میں واجب ہوتا ہے جب قتل خود کرے نہ کہ قتل کا سبب ہو۔

کفارہ جمع کے وجوب کے مقامات

۱۔ مقتول مسلمان ہو خواہ مرد یا عورت، آزاد ہو یا غلام

۲۔ مقتول مسلمان کے حکم میں ہو جیسے بچہ اور مجنون جس کے والدین میں سے ایک مسلمان ہو۔

۳۔ مقتول غلام ہو اور قاتل اس کا آقا ہو۔

عاقلہ جو قاتل کی طرف سے قتل خطا کی دیت دیتے ہیں وہ قاتل کے پدری رشتہ دار ہوں جیسے بھائی، چچا اور ان کی اولاد۔

۱۔ عاقلہ کی ترتیب وراثت کی ترتیب جیسی ہے۔

۲۔ عاقلہ میں معتبر نہیں ہے کہ وہ بالفعل وارث ہو کیونکہ اس سے اقرب موجود ہے ایک قول ہے کہ عاقلہ مختص ہے اس کے ساتھ جو قاتل کی دیت کے وارث ہوں۔

۳۔ علما میں مشہور یہ ہے کہ باپ، دادا اگرچہ پشت در پشت چلے جائیں اور اولاد اگرچہ نسل در نسل چلی جائے یہ عاقلہ میں داخل نہیں ہیں ایک قول ہے کہ داخل ہے۔

۴۔ جب قاتل کا کوئی قرابت دار نہ ہو تو دیت قاتل کو آزاد کرنے والے پر ہوگی اور اگر آزاد کرنے والا بھی نہ ہو تو دیت اس کے خاندان پر وراثت کی ترتیب سے ہوگی اور اگر خاندان بھی نہ ہو تو اس کے ضامن جریرہ پر ہوگی اور اگر وہ بھی نہ ہو تو امامؑ دیت بیت المال سے دیں گے

۵۔ عورت، بچہ، مجنون، فقیر عاقلہ میں داخل نہیں ہوں گے مقتول کے سرپرستوں کے دیت کے مطالبہ کے وقت جب دیت دینے کا وقت آجائے اگرچہ یہ لوگ قاتل کی دیت کے وارث ہیں۔

۶۔ قاتل عاقلہ کے ساتھ دیت میں سے کسی شئ کا ضامن نہیں ہوگا قتل خطاء محض میں خواہ پوری دیت ہو۔

دیت کی تقسیم کا حکم

۱۔ دیت کی مقدار کا عاقلہ پر تقسیم کرنے میں دو قول ہیں۔

اول ۔ مالدار پر آدھا دینار اور فقیر و تنگ دست پر ¼ دینار ہوگا ۔

دوم ۔ دیت کو امام علیہ السلام یا نائب امام عام ہو یا خاص عاقلہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے تقسیم کریں گے کہ ان میں سے کوئی تنگ دست نہ ہو جائے ۔

۲۔ عاقلہ میں قریبی اور دور کے رشتہ داروں میں جمع کے بارے میں دو قول ہیں ۔

اول ۔ قریبی و دور والے عاقلہ ایک ہی حکم رکھتے ہیں ۔

دوم ۔ یہی دوسرا قول مشہور ہے کہ دیت کو عاقلہ پر تقسیم کرنے میں ترتیب ہے یعنی پہلے قاتل سے قریب ترین رشتہ داروں پر دیت تقسیم ہوگی اگر پوری نہ ہو تو پھر اس سے بعد والوں پر اور اگر پھر بھی پوری نہ ہو تو اس کے بعد والوں پر اسی طرح جہاں تک بھی جائے یہاں تک کہ اگر پھر بھی پوری نہ ہو تو قاتل کو آزاد کرانے والے پر ہوگی پھر قاتل کے پورے خاندان پر اور پھر امام علیہ السلام پر ہوگی ۔

۳۔ اگر بعض عاقلہ موجود نہ ہوں جو موجود ہیں صرف انہیں سے دیت وصول نہیں ہوگی ۔

۴۔ قتل خطا کی دیت مقتول کی موت کے وقت کی دیت ہوگی اور اعضاء کی دیت میں جنایت کے وقت کو ملحوظ رکھا جائے گا اور جنایت کی سرایت کی دیت کا حساب زخم کے بھر جانے کے وقت سے ہوگا ۔

۵۔ مقتول کے سرپرست قاتل کے عاقلہ سے تب مطالبہ کریں گے جب وہ اچھی حالت میں ہوں اور سال بھی گزر جائے اگر قاتل کے عاقلہ میں کوئی مر جائے تو دیت اس سے ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کے ترکہ میں سے لی جائے گی ۔

۶۔ جب قاتل کے عاقلہ نہ ہوں یا دیت دینے سے عاجز ہوں تو دیت قاتل پر ہوگی اور اگر قاتل کے پاس بھی مال نہ ہو تو دیت امام علیہ السلام پر ہوگی ایک قول ہے کہ اگر قاتل کے عاقلہ تنگ دست ہوں تو دیت امام علیہ السلام دیں گے نہ قاتل ۔

۷۔ اگر قاتل کافر ذمی ہو تو وہ خود دیت دے گا اس کے خاندان والے نہیں دیں گے اور اگر وہ تنگ دست ہو تو دیت امام علیہ السلام اس کی طرف سے دیں گے کیوں کہ یہ ان میں سے ہے جو امامؑ کو جزیہ دیتا ہے۔

۸۔ جب باپ بیٹے کو خطاءً قتل کر دے تو دیت عاقلہ پر ہوگی اور والد اس دیت میں سے وراثت نہیں پائے گا۔ کیوں کہ عاقلہ نے اسی کی جنایت کی سزا برداشت کی ہے پس معقول نہیں ہے کہ دیت پھر اسی کے سپرد کر دی جائے ایک قول ہے کہ وہ دیت سے اپنے حصے کا وارث ہوگا لہٰذا وہ عاقلہ سے اپنا حصہ لے گا اسی طرح بیٹے سے اگر باپ خطاءً قتل ہو جائے۔

۹۔ جب غلام کسی پر جنایت کرے تو دیت اسی کی گردن پر آئے گی اس کے عاقلہ پر نہیں ہوگی لیکن عاقلہ آزاد مرد کی دیت کے ضامن ہوں گے اگر چہ وہ غلام پر خطاءً ہو جیسے کہ اگر وہ خطاءً آزاد پر جنایت کر جاتا۔ ایک قول ہے کہ اگر آزاد مرد کسی غلام پر خطاءً جنایت کر بیٹھے تو اس کے عاقلہ پر دیت نہیں ہوگی کیوں کہ عاقلہ ان دیات کے ضامن ہیں جو آزادوں پر ہوتی ہے۔

۱۰۔ عاقلہ آزاد مسلمان کی جنایت کے ضامن ہوں گے مطلقاً خواہ مظلوم آزاد ہو یا غلام قاتل و جنایتکار بچہ ہو یا مجنون، مکلف ہو یا غیر مکلف جب اس کی جنایت خطاءً ہو۔

خاتمہ: یہ چند امور پر مشتمل ہے۔

اوّل حضرت ابوطالب رسول اللہ پر ایمان رکھتے تھے

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوطالب مسلمان اور رسول اللہ پر ایمان رکھتے تھے وہ اس امت کے

مومن تھے انہوں نے اپنے ایمان کو اسلام کی مصلحت کے لئے چھپائے رکھا تھا جیسا کہ مومن آل فرعون نے امت موسیٰ میں اپنے ایمان کو چھپائے رکھا۔

اس پر کئی دلیلیں ہیں

۱۔ حضرت ابوطالبؑ کی اولاد اپنے باپ کے حالات کو دوسروں سے بہتر طور پر جانتی ہے کیوں کہ وہ گھر کے لوگ ہیں اور گھر والے گھر کی باتوں کو زیادہ جانتے ہیں انہوں نے ہمارے لئے تواتر قطعی کے ساتھ نقل کیا اور نسلاً بعد نسلٍ اس کا سلسلہ رہا جس سے یقین حاصل ہو گیا کہ حضرت ابوطالبؑ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے اور پختہ ایمان، راسخ عقیدہ اور با بصیرت تھے یہاں تک کہ ان کی وفات دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی۔

۲۔ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار ان کے اللہ اور رسول اللہؐ پر ایمان کو ثابت کرتے ہیں وہ رسول اللہؐ کے دین پر باقی تھے اور رسول اللہؐ کی حفاظت میں اپنے کو فنا کر دیا تھا اور ان کے اشعار میں سے ان کا یہ قول ہے ؎

ولقد علمت بان دین محمد　　　من خیر ادیان البریۃ دینا

"بلاشک میں جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین دنیا کے دینوں سے سب سے بہتر ہے۔"

یہ معقول اور ممکن نہیں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ جیسے کامل العقل یہ جملے کہیں اور اس دین کو اپنائیں نہیں اور اس پر عمل پیرا نہ ہوں۔

۳۔ حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کو قرآن کریم صراحۃً بیان کرتا ہے سورۂ انفال آیت ۷۴ میں ارشاد ہوتا ہے: والذین آووا ونصروا اولئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم۔

"وہ لوگ جنہوں نے حفاظت کی اور مدد کی وہی لوگ حقیقی مومن ہیں اوران کے لئے مغفرت اور پاکیزہ رزق ہے۔"

سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی پاکؐ کو پناہ دی اوران کی اس وقت مدد کی جب ان کی قوم نے حضرتؐ کو چھوڑ دیا اوران سے لڑائی اور قطع تعلقات کیا اور حضرت کو جھٹلایا تو صرف حضرت ابوطالبؑ تھے جو اپنی جان سے زیادہ ان کی خود حفاظت کرتے تھے اور اپنے بیٹوں کے ذریعہ حفاظت اور مدد کیا کرتے تھے اس میں کافر اور مومن کسی کو بھی شک نہیں ہے

پس حضرت ابوطالبؑ نے نبی کریم کو پناہ دی اوران کی مدد کی اور ہر وہ جس نے نبی کریمؐ کو پناہ دی اوران کی مدد کی وہ مومن حقیقی ہے تو اس منطقی شکل کا جو نتیجہ ہے اس میں کسی کے لئے شک کی گنجائش نہیں کہ حضرت ابوطالبؑ مومن حقیقی تھے۔ پس آیت دلیل کبریٰ ہے اور دلیل صغریٰ قطعی اور واضح ہے یہاں تک کہ امیہ کے لوگوں کے نزدیک بھی کہ جنہوں نے حضرت ابوطالبؑ کے کفر پر وفات پانے کی حدیث حضرت علیؑ کے بغض کی وجہ سے گھڑی اور اس بات کی طرف متوجہ نہ ہوئے کہ اس من گھڑت حدیث کی تکذیب صحیح احادیث اور قرآن پاک کی صریح آیت سے ہو رہی ہے جیسا کہ ہم نے روشن کر دیا۔ اور پھر ان سے بعد والوں نے آنکھیں بند کر کے نبی کریم کے ناصر و مددگار اور حضرتؐ کے دشمنوں سے عداوت رکھنے والے پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر حضرت نبی کریمؐ کی مدد فرمائی ہے وہ صریح غلطی پر ہے کیوں کہ قرآن کریم نے حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے لہذا حضرت ابوطالبؑ نے صرف رشتہ داری کی بنیاد پر ایسا کیا ہوتا اور عقیدہ و ایمان نہ رکھتے ہوتے تو قرآن پاک ان کے ایمان کا حکم نہ لگاتا اور اس زعم کا فساد اس سے اور واضح

ہو جاتا ہے کہ ابو لہب بھی رشتہ دار تھا اس نے تو رشتہ داری کی بنیاد پر قیام نہ کیا بلکہ وہ تو رسول پاکؐ کو علی الاعلان جھٹلاتا تھا اور حضرتؐ کو اذیت پہنچانے اور حضرتؐ پر ظلم و ستم کرنے کی اپنے تئیں پوری کوشش کرتا تھا اور حضرت پر پتھر پھینکا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اے قبیلہ قریش یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا اور کہا کرتا تھا کہ "تبا رک الھذا دعو تنا"، کہ آپ تباہ ہوں کیا اس کی ہمیں دعوت دیتا ہے" (العیاذ باللہ) یہاں تک کہ اس کی مذمت میں پوری سورہ مبارکہ "تبت یدا ابی لھب و تب"، نازل ہو گئی تو اس کی رشتہ داری کہاں تھی کہ وہ اپنے بھتیجے کو قریش کی ذمہ داریوں سے بچاتا۔

اگر بالفرض صحیح بھی ہو کہ حضرت ابو طالبؑ نے قرابت کی بناء پر حضرت رسول اللہؐ کی حمایت و نصرت کی تو بھی آپ کو دو کرداروں میں فرق نظر نہیں آتا ہے ایک طرف سیرت بولہبی ہے جو حضرت کو جھٹلاتا ہے اور قریش کا دست راست ہے اور حضرتؐ کا دشمن ہے اور آنجنابؐ کو قتل کرنے پر تلا ہوا ہے اور دوسری طرف ابو طالب کی سیرت ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی مدد کی اور حفاظت اور خود اپنی جان پر کھیل کر آنحضرتؐ سے دشمنوں کو دور کیا ہے اور رسول پاکؐ سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا: ؎

واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم حتیٰ اوسد فی التراب دفینا

"خدا کی قسم وہ (مشرکین مکہ) تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن کر دیا جاؤں"،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طالبؑ دین اسلام پر فوت ہوئے ہیں اور اللہ کی وحدانیت کے قائل اور اس کے رسولؐ پر ایمان کامل کے ساتھ دنیا سے رحلت کی ہے۔

۴۔ اہل سنت کے عالم علامہ ابن عبد اللہ نے استیعاب میں صفحہ ۴۴۳ جزء دوم پر اور حافظ حاکم نے مستدرک جلد ۳ میں صفحہ ۵۷۶ پر اور ذہبی نے تلخیص میں حضرت عقیل ابن حضرت ابو طالبؑ کی سوانحِ عمری

میں حکایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے عقیل کے لئے فرمایا کہ اے ابویزید میری تجھ سے دو محبتیں ہیں ایک محبت یہ ہے کہ تو میرا رشتہ دار ہے اور دوسری محبت یہ ہے کہ تو میرے چچا (ابو طالب) کو زیادہ محبوب تھا اس لئے مجھے زیادہ محبوب ہے اور یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ؐ اس شخص کو دوست رکھیں کہ جو اللہ کو دوست نہ رکھنے والا ہو اور اگر یہ صحیح ہو کہ حضرت ابو طالب مومن نہیں تھے تو پھر قرآن کی رو سے حضرت پیغمبر اکرم ؐ کو ان سے محبت نہیں کرنی چاہیئے تھی اور فرمان الٰہی ہے:

"لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون
من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم
او اخوانھم او عشیرتھم" سورۂ مجادلہ آیت ۲۲۔

"تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں اور
اللہ اور اس کے رسول کے مخالف سے محبت کرتے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ
ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے"۔

اس آیہ کریمہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو طالب ؑ پختہ ایمان اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کے نزدیک عظیم مرتبہ کے حامل تھے کیوں کہ رسول پاک ؐ حضرت ابو طالب ؑ کے دوست سے اس لئے دوہری محبت بتلا رہے ہیں کہ حضرت ابو طالب ؑ اللہ اور اس کے رسول ؐ کو دوست رکھتے تھے اور کلمۃ اللہ کی سربلندی اور رسول اللہ ؐ کی دعوت اسلام کے اظہار اور ارکان دین کو مضبوط کرنے کے لئے انہوں نے جانفشانی سے کام لیا

حضرت ابو طالب ؑ کے بارے میں بعض ناعاقبت اندیشوں کا نظریہ

بعض لوگوں کی غفلت انتہا کو پہنچ گئی ہے یہ بنو امیہ سے تعصب کی بنا پر ہم نہیں کہہ رہے ہیں۔ بلکہ

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ سورۂ قصص کی آیت ۵۶

"انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء"

"بہ تحقیق اے رسول ہدایت نہیں دے سکتے اس کو جس کو تم چاہتے ہو لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے"

یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت ابوطالب کی ہدایت میں بہت زیادہ کوشش کی کیوں کہ آنحضرتؐ ابوطالبؑ سے محبت کرتے تھے لیکن اللہ نے فرمادیا کہ تم جس سے محبت کرتے ہو اس کو ہدایت نہیں دے سکتے یعنی ابوطالبؑ کی ہدایت رسولؐ نہیں کرسکتے۔

اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ رسول پاکؐ کی محبت کافر سے نہیں ہو سکتی ورنہ کفر صریح لازم آتا ہے۔

مزید وضاحت لزوم کفر کی یہ ہے کہ آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حضرت رسول پاکؐ حضرت ابوطالبؑ سے محبت کرتے تھے اور ان کو ہدایت کا ارادہ رکھتے تھے کہ وہ مومن بن جائیں پس جب حضرت ابوطالبؑ اس مستدل کی رائے کے مطابق مومن نہیں تھے تو (معاذاللہ) رسول پاکؐ غیر مومن سے محبت کرتے تھے اور مومن کے لئے غیر مومن سے محبت کرنا قرآن کی رو سے ممنوع ہے جب عام مومن قرآن کی رو سے غیر مومن سے محبت نہیں کرسکتا تو سید المومنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ غیر مومن سے محبت کرتے تھے کھلم کھلا کفر ہے کیوں کہ غیر مومن اللہ کا مخالف ہے اور اللہ کے مخالف سے مودت و محبت کی آیہ میں نفی وارد ہوئی ہے "لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ"۔ اور محاد اللہ و رسول اللہ غیر مومن ہے یقیناً پس رسول اللہؐ (معاذاللہ) اس مستدل کی دلیل کی رو سے قرآن کے مخالف ٹھہرے۔

الامر الثانی : رجعت

شیعہ اثنا عشریہ کا ایمان ہے کہ رجعت ہوگی اور ان کا ایمان اللہ کے اس فرمان سے ہے:

"ویوم نحشر من کل امۃ فوجا ممن یکذب بآیاتنا" سورۃ النمل آیۃ ۸۳

"اور وہ دن جب ہم دوبارہ اٹھائیں گے ہر امت کے ایک گروہ کو ان میں سے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں"۔

آیت کا مفہوم واضح ہے کہ یہاں ہر امت کے ایک خاص گروہ کا حشر مراد ہے قیامت کا حشر مراد نہیں ہے ورنہ ایک گروہ کے حشر کا اختصاص لغو ولامعنی ہو جاتا۔ اور لغو کلام اللہ سے محال ہے لہذا کلام اللہ کو حشر قیامت پر حمل کرنا جائز نہیں ہے اسی وجہ سے جب اللہ نے قیامت کے اس حشر کا ارادہ کیا ہے تو اس میں تعیم واطلاق ہے کسی خاص گروہ کی نسبت کلام نہیں فرمایا ہے جیسے سورہ کہف آیۃ ۴۷ میں اللہ کا فرمان ہے:

"وحشرناھم فلم نغادر منھم احدا"۔

"ہم نے ان کو محشور کیا اور ان میں سے کسی ایک سے دھوکا نہیں کیا"۔

پس اس آیۃ اور پہلی آیۃ سے معلوم ہو گیا کہ پہلی آیت میں رجعت مراد ہے اور اسی کے ساتھ خاص ہے اور دوسری آیت میں حشر قیامت مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے قول کی حکایت کرتے ہوئے سورہ غافر آیت ۱۱ میں ارشاد فرمایا ہے

"انہوں نے کہا اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبارہ مردہ کیا اور دوبارہ زندہ کیا اب کیا نجات کا کوئی راستہ ہے"۔

یہ آیت بتلا رہی ہے کہ اللہ نے ان کافروں کو اس دنیا میں مردہ کیا اور پھر زندہ کیا اسی دنیا کی طرف لوٹایا اور پھر قیامت میں ان کو زندہ کرے گا جیسا کہ خود ان کا اعتراف اس حشر کا تقاضا کرتا ہے اور ان کے دوزخ سے نکلنے کے قصد کا بیان ہے۔

پس آیہ صریح ہے کہ دو زندگیاں اور دو موتیں کفار کے لئے تھیں پہلا موت جس کو انہوں نے پہلی زندگی کے بعد چکھا اور دوسری موت وہ جس کو انہوں نے دنیا کی طرف لوٹنے کے بعد چکھا اور دوسری زندگی وہ جس کی طرف وہ قیامت میں لوٹے۔ کیوں کہ موت حقیقتاً اسی پر اطلاق کرتی ہے جو صاحب حیات ہو اور اللہ پر یہ مشکل نہیں ہے کہ اپنی قدرت کاملہ سے محض ایمان خالص رکھنے والے کے ایک گروہ کو دنیا میں لوٹائے اور ایک جماعت محض کفار سے لوٹائے اور پھر کفار سے اس دنیا میں قصاص لے ان کے اس دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد اور ان پر ان حدود اللہ کو قائم کرے جن کو انہوں نے انجام نہیں دیا تھا اور انہیں اپنے حساب سے ساقط کر دیا تھا اور ان کو کفر کے ساتھ تبدیل کر دیا تھا تاکہ وہ ان حدود کا عذاب دنیا میں چکھیں اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور رسوا کنندہ ہے اور قرآن پاک اس کا بار بار ذکر کرتا ہے اور اس کی تاکید اللہ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

"وحرام علی قریۃ اھلکنا ھا انہم لا یرجعون" سورہ انبیاء آیت ۹۵

"اور حرام ہے اس بستی پر کہ جس کو ہم نے ہلاک کر دیا بہ تحقیق وہ نہیں لوٹائے جائیں گے"

آیت کی مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں اللہ نے اس دنیا میں ان کے کفر کی وجہ سے عذاب دیا وہ دوبارہ اس دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے کیوں کہ ان سے عذاب دنیا میں پورا ہو گیا ہے لیکن انہیں قیامت میں لوٹایا جائے گا تاکہ وہ جہنم کا عذاب چکھیں، پس اس دنیا کی طرف لوٹانا صرف

ان لوگوں کے لئے خاص ہے کافر اور ظالم اور دنیا میں فساد مچانے والے ہیں ۔ کہ جنھوں نے دنیا میں قصاص کی اذیت نہیں برداشت کی یہ صحیح نہیں ہے کہ آیۃ کی مراد یہ ہو کہ انہیں قیامت میں نہیں لوٹایا جائے گا کیوں کہ واضح البطلان ہے ۔

الامر الثالث : تقیہ کے شرعی طور پر جائز ہونے میں ہے

وہ تقیہ جس پر شیعہ عمل کرتے ہیں وہ اللہ کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں چند آیتیں قرآن کریم سے اس کے جائز ہونے کی دلیل ہیں ۔

۱ ۔ "فاتقوا اللہ ما استطعتم" اللہ سے ڈرو جتنا ممکن ہو سکے" سورہ تغابن آیہ ۱۶

۲ ۔ "الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان" سورہ نحل آیہ ۱۰۶ ۔

مگر وہ شخص کہ (جس کو مجبور) جس پر زبردستی کی گئی ہو اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو ۔

۳ ۔ "لا یتخذ المومنین الکافرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقاۃ" سورہ آل عمران آیہ ۲۸ ۔

"مومن ، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر یہ کہ تم کافروں سے حقیقۃ بچاؤ کرو ۔

۴ ۔ "وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ" سورہ انعام آیۃ ۱۱۹

"اللہ نے تمہارے لئے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے جو تم پر حرام ہے ماسوائے اس کے جس کی طرف تم مجبور ہو ۔

ان آیات کا مفہوم تقیہ کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے جب تقیہ کی ضرورت پیش آئے اور امارات وعلامات تقیہ موجود ہوں ، مثل ہلاکت وبربادی وغیرہ ہے ۔ عقل سلیم ضرورت کے وقت تقیہ کے واجب کا حکم دیتی ہے بلکہ نفوس بشریہ کو تقیہ کے بجالانے پر مجبور کیا جاتا ہے جب جان ومال کے ضائع ہونے کا خوف محسوس ہو ۔

شیعہ تقیہ پر اپنے قول وفعل میں عمل کرتے ہیں خصوصی طور پر خلافت کے موضوع میں اپنے کو فتنہ ، قتل اور اہانت سے بچانے کے لئے تقیہ پر عمل کرتے ہیں لہذا وہ اپنا مذہب ظاہر نہیں کرتے اور غیروں سے اپنی مخالفت کا بھی اظہار نہیں کرتے ہیں تاکہ ان کی جان محفوظ رہے اور مد مقابل کے انتقام سے بچے رہیں ۔ آپ روزمرہ کے امور میں دیکھیں کہ جب کوئی کمزور ایسی جگہ پھنس جاتا ہے تو تقیہ ہی کی طرف پناہ لیتا ہے اور کوئی شئی اس پر عمل سے مانع بھی نہیں ہے اور اللہ کا فرمان بھی ہے ۔

" وما جعل علیکم فی الدین من حرج " سورہ حج آیۃ ۷۸ ۔

تم پر دین میں عسر وحرج نہیں ہے ۔

بخاری ص۸۱ جز ۱۲ باب المدارۃ مع الناس میں عروہ بن زبیر کتاب الادب میں فرماتے ہیں کہ

" ان عائشۃ اخبرتہ انہ استاذن علی النبی رجل فقال ائذنوا لہ فبئس ابن العشیرۃ او بئس اخو العشیرۃ فلما دخل الآن لہ الکلام فعلت یا رسول اللہ قلت ما قلت ثم النت لہ القول فقال ای عائشۃ ان شر الناس منزل عند اللہ من ترکہ او ودعہ الناس اتقاء فحشہ "

" تحقیق حضرت عائشہ نے اس کو خبر دی کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے گھر میں

داخل ہونے کی اجازت طلب کی حضرت نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو یہ خاندان کا برا آدمی ہے پس جب وہ داخل ہوا تو حضرت نے نرم کلامی شروع کی تو میں نے کہا یا رسول اللہؐ پہلے آپ نے کیا کہا پھر آپ نے نرم کلامی کی تو حضرت نے فرمایا اے عائشہ لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے برا وہ ہے جو کسی کو چھوڑ دے یا اس کو لوگوں کے سپرد کر دے اس کی برائی سے بچتے ہوئے"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اکرمؐ اتنی طاقت اور عظمت کے باوجود ایک شخص کی ایذارسانی سے بچنے کے لئے تقیہ کرتے ہیں تو شیعہ کے بارے میں کیا ارادہ ہے کہ وہ اپنے کو ان اذیت پہنچانے والوں سے نہ بچیں جو ان پر ظلم کرتے ہیں اور اس سے محفوظ نہ رہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کتاب فتح الباری شرح بخاری ص۴۰۳ جز ۱۰ مطبوعہ ۱۳۲۵ھ میں لکھتے ہیں کوئی ایک شخص بھی نہیں کہ جس نے حضرت عائشہ والی روایت میں اشکال کیا ہو کہ رسول اللہؐ کے پاس آنے والا منافق تھا۔ نہ مخرمہ بن نوفل اور نہ عیینہ بن حصین بلکہ یہ دونوں مسلمان تھے مگر مخرمہ بن نوفل تلخ زبان تھا اور اپنی قوم کا سردار تھا اور دوسرے کا اسلام ضعیف تھا

تقیہ نفاق کی قسم نہیں

یہ قول کہ تقیہ نفاق کی ایک قسم ہے صحیح نہیں ہے۔ پہلے اس لئے کہ اگر نفاق ہو تو اس سے نفاق کی نسبت رسول اللہؐ کی طرف بھی دی جائے گی جو حدیث عائشہ میں گزر چکا ہے اور رسولؐ کی طرف نفاق کی نسبت دینا کفر ہے۔

دوم یہ کہ نفاق لغت اور عرف میں ایمان کے اظہار اور دل سے اس کے انکار کے معنی میں

استعمال ہوتا ہے اور تقیہ اس کے بر خلاف ہے اس میں ایمان کا اخفا اور دل سے اس کا اقرار ہوتا ہے جہاں ضرورت ہو گویا تقیہ اور نفاق نقیضین ہیں۔

سوم یہ کہ حافظ سیوطی نے جامع صغیر ص۱۰۱ جزء۱ میں حدیث نقل کی ہے کہ:

"بئس القوم قوم یمشی المومن فیھم بالتقیہ والکتمان"۔

"وہ قوم بری ہے جس میں مومن تقیہ اور ایمان کو چھپائے رہنے پر مجبور ہوں"۔

اور جامع صغیر کے ص۳۲ جزء۲ میں کہنا ہے:

"قال رسول اللہ شر الناس من یخاف لسانہ او یخاف شرہ"۔

لوگوں میں سے برا وہ ہے جس کی زبان سے اور اس کے شر سے ڈرا جاتا ہو"

پس اگر تقیہ پر عمل کرنے والا غیر مومن ہے تو نبی اکرمؐ نے کیسے فرمادیا کہ تقیہ پر عمل کرنے والا مومن ہے اور فرمایا کہ وہ قوم جس میں مومن کو تقیہ اور کتمان کرنا پڑے وہ بری قوم نہیں ہے

الامر الرابع: قبر نبی اکرمؐ اور اہل بیتؑ کی قبور کی زیارت کے مستحب ہونے میں ہے۔

نبی اکرمؐ اور اہل بیتؑ کی قبروں کی زیارت کے مستحب نہ ہو تو کم از کم مستحب اور واجب سے قریب ضرور ہے اس شخص کے لئے جو قدرت رکھتا ہے ساری زندگی میں ایک دفعہ کرنے پر۔

علامہ اہل سنت سمہودی نے اپنی وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ ص۳۹۴ جزء۲ میں بہت سی متواتر حدیثیں نقل کی ہیں جو کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے منقول ہیں۔

۱۔ "قال من زارنی میتاً کانما زارنی حیاً"۔

"جس نے میری رحلت کے بعد زیارت کی گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کی"۔

۲۔ "ومن قصد نی فی مسجدی کنت لہ شہید شفیعاً یوم القیامۃ"۔

"جو میری مسجد کا قصد کرے میں قیامت کے دن کا شاہد اور شفاعت کرنے والا ہوں گا"۔

۳۔ "ومن زار مکۃ قصدنی فی مسجدی کتب لہ حجتان مبرورتان"۔

"جو مکہ کی زیارت کرے اور میری مسجد کا قصد کرے میں اس کے لئے دو حجوں کا ثواب لکھ دوں گا"۔

۴۔ "من زار مکۃ ولم یزرنی فقد جفانی"۔

"جو مکہ کی زیارت کرے اور میری زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے"۔

۵۔ "من زار مکۃ ولم یزرنی فقد شقی"۔

"جس نے مکہ کی زیارت کی اور میری زیارت نہ کی وہ بدبخت ہے"۔

سبکی سے حکایت کیا گیا ہے کہ مردوں کے لئے قبور کی زیارت مستحب ہونے پر اجماع علماء ہے اور عورتوں کے لئے قبور کی زیارت کرنے میں اختلاف ہے اور اہل سنت کے قاضی القضاۃ تقی سبکی نے زیارت کی فضیلت اور اس کے لئے رخت سفر باندھنے کی فضیلت میں ابن تیمیہ کی رد میں ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام اس نے شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام رکھا ہے اور اسی کی مثل حجاز کے مفتی ابن حجر ھیثمی نے اپنے زمانے میں قبور کی زیارت کے مستحب اور جائز ہونے میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام الجوہر المنظم فی زیارۃ قبر المکرم رکھا ہے اور اس میں زیارت کے جائز ہونے اور اس کے لئے سفر کرنے کے جائز ہونے پر علماء کا اجماع ثابت کیا ہے۔

اور اہل بیتؑ سے تواتر کے ساتھ قبور کی زیارت کے مستحب موکد ہونے کی روایتیں منقول

ہیں اور خصوصی طور پر نبی کریمؐ کی قبر اقدس کی اور اہل بیتؑ کی قبور کی زیارت کے مستحب ہونے پر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ یہ مختصر رسالہ ان سب کے نقل کے لئے کافی نہیں ہے ۔

الامر الخامس: مومنین کی قبور کی زیارت میں ہے

مومنین کی قبور کی زیارت میں ثابت ہے کہ نبی کریمؐ نے ان کی زیارت کی ہے۔ مسلم نے ص۳۱۵ و ص۳۲۵ جزء ۲ میں اور ملا سمہودی نے وفاء الوفاء جزء ۲ ص۱۳۶ اور ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ جزء ۱ ص۲۹۹ پر اور سنن نسائی جزء اول ص۲۸۶ پر ان سب نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:

"زوروا القبور فانها تذکرکم الآخرة"

"قبور کی زیارت کرو کہ یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں"

"وانه زار قبر امه فبکی وابکی من حوله"

"رسول پاکؐ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی خود روئے اور اپنے اردگرد کے لوگوں کو رلایا"

"وقالؐ کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکرة الآخرة"

"کیا میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے روکا تھا پس اب تم قبور کی زیارت کیا کرو کہ یہ دنیا سے دور کرتی ہے اور آخرت کو یاد دلاتی ہے ۔

اور ان کے علاوہ بہت سی حدیثیں ہیں جو اہل سنت اور شیعہ کے یہاں تواتر سے موجود ہیں قبور کی زیارت اور اس کے لئے رخت سفر باندھنے کے رجحان اور استحباب پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں ہے

الامر السادس: قبور کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھنے کے مستحب ہونے میں ہے

جب پہلی بحث میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ قبور کی زیارت مستحب ہے تو اس کے لئے رخت سفر باندھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

بخاری شریف کی وہ حدیث کہ:

"لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجد الحرام و مسجد الرسولؐ و مسجد الاقصیٰ"

تین مساجد، مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی طرف جانے کے لئے رخت سفر نہیں باندھا جا سکتا۔

اس میں اگر حصر کو مان بھی لیا جائے تو بھی حصر اضافی ہے یعنی رخت سفر صرف ان تین مساجد کی طرف باندھا جا سکتا ہے دوسری مساجد کے لئے رخت سفر نہیں باندھا جا سکتا۔

اور استثناء مفرغ ہے کہ اس میں مستثنیٰ فیہ محذوف ہے اگر استثناء مفرغ نہ ہو تو اس سے ہر سفر کی حرمت لازم آتی ہے خواہ کسی مکان کے لئے ہو تجارت کے لئے ہو علم کے حصول کے لئے ہو، علماء کی زیارت کے لئے ہو حالاں کہ ایسے سفر کے لئے رخت سفر باندھنا حتماً جائز ہے اور ناجائز ہونا باطل ہے اور اگر کہیں کہ یہ تخصیص کے ذریعہ منع کی دلیل سے خارج ہو جائیں گے تو پھر تخصیص اکثر لازم آئے گی یعنی آپ کو صرف چند ایک کے علاوہ باقی سب سفر جو جائز ہیں

کی تخصیص کرنے پڑے گی جو کہ اہل فن کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے اور علماء اصول خواہ اہل سنت کے ہوں یا شیعہ کے اس تخصیص کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں۔

الامر السابع قبور کو پختہ بنا کے جواز میں ہے

قبور کو پختہ بنانا اور ان کا (زمین سے بلند کر کے) قبہ بنانا یہ مسلمانوں کی سیرت ہے تمام اسلامی ملکوں اور خطوں میں مذاہب کے مختلف ہونے کے باوجود صدر اسلام سے آج تک خواہ علماء کی قبور ہوں یا عام الناس کی شیعہ کی ہو یا اہل سنت کی۔

کون سا شہر آپ دیکھتے ہیں حجاز، عراق، مصر اور شام کہ ان میں قبور پختہ نہیں ہیں اور مزین نہیں ہیں اور یہی چار مذاہب کے امام جن کی طرف اہل سنت احکام اسلامی کے لئے رجوع کرتے ہیں ان میں شافعی مصر میں، ابوحنیفہ بغداد میں، مالک مدینہ میں اور احمد ابن حنبل کی پختہ قبر بغداد میں ہے اور یہی قبور ان کے زمانہ سے آج تک بنی ہوئی ہیں جو بلند قبوں والی ہیں اور یہ ارباب فتویٰ کے زمانے میں بنائی گئی ہیں اور زعماء دین کے زمانوں میں پختہ ہوتی رہی ہیں ان کا انکار کسی ایک نے نہیں کیا اور ان کے گرانے کا فتویٰ کسی نے نہیں دیا ان کے حرام ہونے کا حکم کسی نے نہیں لگایا بلکہ وہ سب خوش ہوتے ہیں اور شکر کرتے ہیں یہ تمام واضح دلیلیں ہیں قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر قبہ بنانے پر۔

جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور صفحہ جلد ۵ میں "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ"، سورہ نور۔ کی تفسیر میں کہا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ نبی کریم اور اہل بیت کے بیوت ان بیوت میں سب سے برگزیدہ ہیں کہ جن کو اللہ نے بلند کرنے اور ان میں ذکر خدا کرنے

کا اذن دیا ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کو پختہ بنائیں اور ان کی تعمیر کریں اور ان کو اللہ کی عبادت اور مناجات کے لئے مخصوص کر دیں ان میں فرق نہیں ہے کہ وہ بیوت ایسے ہوں کہ جن میں انہوں نے اپنی زندگی میں سکونت اختیار کی ہو یا اپنی زندگی کے بعد کیوں کہ آیت مطلق ہے جو ان سب بیوت کو شامل ہے اس لئے کہ جس طرح مومن کا زندگی میں احترام واجب ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی احترام واجب ہے اور اہلبیت نبی تو مومنین کے سردار ہیں۔

الامر الثامن: نبی اکرمؐ اور اہل بیت اطہار کی ضریح کو بوسہ دینے کے جائز ہونے میں ہے۔

رسول اکرمؐ اور اہل بیتؑ نبی کی ضریح کو بوسہ دینا ایسے ہی ہے جیسے کہ مسلمان قرآن مجید کو عظمت وعزت کی بنا پر بوسہ دیتے ہیں اور کتاب کو اس لئے نہیں چومتے کہ وہ جلد، ورق اور سیاہی ہے بلکہ اس لئے چومتے ہیں کہ وہ جلد و کاغذ و سیاہی کلام اللہ ہے جب کہ وہ بوسہ صرف کاغذ جلد یا سیاہی کا ہوتا ہے۔ نبی اکرمؐ اور اہل بیتؑ کی ضریح مقدسہ کا بوسہ اسی طرز کا ہوتا ہے کہ نبی یا اہل بیت ان میں ہیں کہ جن کی تعلیم و تکریم واجب ہے اس لئے نہیں کہ یہ عمدہ لوہا، لکڑی سے بنے ہوئے ہیں اور اسی سے شاعر کا قول ہے ؎

امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا

فما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

میں گزرتا ہوں ان گھروں سے جو لیلیٰ کا گھر ہے میں چومتا ہوں دیوار والوں کو گھر کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا لیکن میرا دل تو گھروں کے رہنے والوں کی محبت میں فریفتہ ہے۔

حافظ سیوطی نے جامع الصغیر میں نبی کریمؐ سے ایک حدیث حسن نقل کی ہے۔

"قال اشهدوا هذا الحجر خيراً فانه يوم القيامة شافع مشفع له لسان وشفتان يشهد لمن استلمه۔"

حضرت نے فرمایا کہ اس پتھر (یعنی حجر اسود) کے پاس حاضر ہو کہ یہ خیر ہے اور یہ قیامت کے دن ایسا شفاعت کرنے والا ہے کہ جس کی شفاعت قبول ہے اس کے زبان اور دو ہونٹ ہیں اس کے لئے گواہی دے گا جس نے اس کو چوما ہو۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ نبی پاکؐ نے ایک پتھر پر حاضر ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کو بوسہ دینے کا حکم دیا ہے درانحالیکہ وہ ایک جامد ہے جو عقل و فکر و نطق نہیں رکھتا بس اگر کسی شئی کو بوسہ دینا اس شئی کو بت بنا دے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جائے تو حجر اسود کو بوسہ دینا بھی اسی طرح ہوا حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے۔

سمہودی نے وفاء الوفا جلد ۲ ص۱۳۵۶ پر نقل کیا ہے، حضرت بلالؓ نے ایک خواب دیکھا اور اس کی بنا پر انہوں نے مدینہ کا قصد کیا وہ نبی کریم کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور گریہ شروع کر دیا اور اپنے رخسار کو قبر پر رکھ دیا ابن حملہ نے ذکر کیا ہے حضرت بلالؓ نے اپنے رخساروں کو قبر پر رکھ دیا اس حال میں کہ عمر ابن خطاب ان پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

امام سبکی کہتے ہیں کہ حضرت بلال کا فعل اس مسئلہ میں قابل اعتماد ہے خصوصاً حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں اور بہت سارے صحابہ کرام کی موجودگی میں۔

نیز اسی وفاء الوفا ص۱۳۵۹ پر نقل کیا ہے کہ امام احمد ابن حنبل نے سند حسن کے ساتھ داؤد بن ابی صالح سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن مروان بن حکم قبر نبی پر آیا تو ایک شخص کو قبر مبارک

پہ رخسار رکھے دیکھا تو مروان نے اس کی گردن پکڑ کر کہا جانتے ہو کیا کر رہے ہو تو اس نے قبر کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں میں رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوا ہوں میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم دین پر نہ رونا جب اس کا سرپرست وہ بنے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو لیکن اس وقت دین پر رونا جب اس کا سرپرست وہ بن جائے جو اس کا اہل نہ ہو۔ اور یہ مرد حضرت ابوایوب انصاریؓ تھے۔

یہ امارات قبر کو بوسہ دینے کو مستحب قرار دیتی ہیں اور شیعہ حضرات کا نبی کریمؐ کی قبر مبارک اور اہل بیتؑ کی قبر کو بوسہ دینا ایسے ہی ہے جیسے حضرت بلالؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے قبر نبیؐ کو بوسہ دیا ہے۔

الامر التاسع: امام حسینؑ اور اہل بیت اطہارؑ پر ماتم کے جائز ہونے میں مابحث

حضرت امام حسینؑ اور ان کے آل پر جو ظلم کئے گئے ہیں ان کے غم میں ماتم کرنا اور مجالس عزا کا انعقاد کرنا جائز ہے تاکہ ان پر دردناک مظالم دنیا کو یاد رہیں وہ مصائب کہ جن کے مقابلہ میں دنیا کی ہر مصیبت ہیچ ہے اور ہر غم اس کے سامنے حقیر ہے۔ خاص طور پر سانحۂ کربلا جو کہ ہر سال نیا ہوتا ہے بلکہ ہر روز ہی عاشورہ کا روز ہے یہ وہ المناک واقعہ ہے کہ جس نے انسانیت کے دل کو درد سے بھر دیا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہا رہی ہیں۔ یہ واقعہ ایسے دردناک مصائب اور عجیب وغریب سوانح کا حامل ہے کہ زمانے کی آنکھ نے اس سے پہلے اور اس کے بعد آج تک ایسا واقعہ نہیں دیکھا اور نہ زمانے کے کان نے ایسا واقعہ سنا ہے۔

پس شیعہ کا ماتم کرنا امام حسینؑ اور ان کی آل پر۔ یہ ان کی عظیم مصیبت پر صرف گریہ وزاری

ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ لوگوں کو ان مصائب کے مقابلہ میں حضرت امام عالی مقام کی بہادری اور جواں مردی کا ذکر کرتے ہیں اور محرمات الٰہیہ اور دین مقدس کی حفاظت کے لئے جس خضوع و خشوع سے حضرت نے اپنے کو پیش کیا اس کی یاد دلاتے ہیں اور ظلم سے مقابلہ کرنے کا درس دیتے ہیں خواہ ظلم کسی رنگ و شکل میں ہو۔

ذکر حسینی کہ جس کا نور چمک رہا ہے اور اس کی ضیاء کو زمانہ کی گردش کم نہ کر سکی اور دشمنوں کی کوششیں اس کے نور کو نہ بجھا سکیں یہ ایک چلتی پھرتی درس گاہ ہے جس میں لوگوں کو دین و حق کے مفادات اور ظلم و جور سے مقابلہ کرنے کا درس دیا جاتا ہے۔

یہ ایک ایسا تذکرہ ہے جس کے ذریعہ حفظ ناموس کی جرأت پیدا ہوتی ہے اور ایک ایسا درس ملتا ہے جس سے محبت و اتحاد اور اخوت و یکجہتی کی روح پروان چڑھتی ہے اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح کا درس ملتا ہے، ذکر حسینی ایک مسلسل جد و جہد کی دعوت دیتا ہے اور ظالموں کے مقابلہ میں قناعت اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے منع کرتا ہے اس ذکر سے ظالم و جابر بادشاہوں کی کرسیوں کی چولیں ہل جاتی ہیں اور قیمتی سے قیمتی چیز کی قربانی کا درس ملتا ہے

اسی ذکر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوتا ہے اس ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ قیادت و سیادت و ریاست کے اہل صرف وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے مقرر کیا ہے وہ اس کی مرضی کے علاوہ قدم نہیں اٹھاتے ہیں اور اس کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اگرچہ اس کے لئے انہیں جان و مال اور ناموس کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے اور وہ کلمۃ اللہ کی سربلندی کو ہر حال میں ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔

مختصراً ذکر حسینی سے جذبۂ حریت پیدا ہوتا ہے جو کسی بھی ظالم و جابر کے سامنے جھکنے سے

روکتا ہے اور اللہ کے حقوق کو پامالی سے بچاتا ہے اور انسان کو انسانیت کا درس دیتا ہے اس لئے تمام مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے محسن حضرت امام حسینؑ اور ان کی پاکیزہ آل کی پیروی کریں جنہوں نے اتنا عظیم انقلاب برپا کیا اور عدالت و انصاف کو ظلم کے مقابلہ میں باقی رکھا اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی اور اپنے خون میں غلطاں ہونے کو ظالموں کی اطاعت سے معزز جانا اور ظلم کا انکار کیا عزت نفس کا تحفظ فرمایا اور صبر و استقامت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور امت محمدیہ کو ظالموں کے چنگل سے نجات دلائی۔

لہذا اگر مسلمان اس زمانہ کے فرعون اور یزیدوں سے نجات اور گلو خلاصی چاہتے ہیں تو ان کے درس پر عمل کریں اور ان کے راستے پر گامزن رہیں۔

ان سب کے بعد شریعت محمدی میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو ایسے عظیم محسن پر آنے والی مصیبتوں کے غم میں آہ و بکا سے روکے۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الفضائل میں محب طبری کی کتاب ذخائر العقبیٰ سے نقل کیا ہے۔

"قال حسین ابن علی (علیہما السلام) من دمعت عیناہ فینا دمعۃ او قطرت عیناہ فینا قطرۃ اعطاہ اللہ الجنۃ"

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا جس کی آنکھیں ہمارے غم میں ایک قطرہ آنسو کا بہائے اللہ تعالیٰ اس پر جنت واجب کر دے گا۔

الامر العاشر: نبی کریمؐ کے امام حسینؑ پر رونے میں ہے۔

امام اہل سنت احمد ابن حنبل نے اپنی کتا مسند احمد بن حنبل ص۸۵ جلد ۱ میں لکھتے ہیں کہ:

"ان النبیؐ بکی علی الحسین حینما اخبرہ جبرئیل بانہ یقتل"۔

"نبی پاکؐ امام حسینؑ پر اس وقت روئے جب جبرئیل نے حضرت کو خبر دی کہ امام حسینؑ قتل کر دیئے جائیں گے"۔

حافظ ترمذی نے سنن ترمذی ص۱۱۸ میں لکھا ہے کہ:

"ان ام سلمیٰ ام المومنین بکت علی الحسین حتیٰ غشی علیھا و ان الجن ناحت علیہ"۔

"ام المومنین ام سلمیٰ امام حسینؑ پر روئیں یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو گئی اور امام حسینؑ پر جناتوں نے نوحہ کیا"۔

نیز سنن ترمذی ص۱۱۵ پر ہے کہ:

"ان ام سلمیٰ رأت النبی فی المنام باکیا والتراب علی راسہ ولحیتہ فسألتہ فقال قتل الحسین آنفا فعین ذالک الیوم فوجد انہ فقد قتل فیہ"۔

حضرت ام سلمیٰ نے نبی پاکؐ کو خواب میں دیکھا روتے ہوئے کہ ان کے سر اور ڈاڑھی خاک آلود تھی تو ام سلمیٰ نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے نبیؐ نے فرمایا کہ ابھی ابھی حسینؑ کو قتل کر دیا گیا ہے"۔

اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر"۔ سورہ احزاب آیت ۲۱۔

"تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ بہترین نمونہ حیات ہیں اس کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کا امیدوار ہے"۔

اور رسول پاکؐ صرف اپنے نور عین اور گل گلاب حضرت امام حسینؑ پر ہی نہیں روئے بلکہ ایک پوری جماعت پر گریہ کناں ہوئے ہیں تاکہ اپنی امت کی اس بات کی طرف راہنمائی کریں کہ احباب ورفقاء پر مصیبت کے وقت رونا مستحب اور راجح ہے۔

بخاری نے صحیح بخاری ص۱۵۲ جلد اول باب یعذب المیت ببعض بکاء اہلہ علیہ اسامہ بن زید سے حدیث نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی بیٹی نے حضرتؐ کو پیغام بھیجا کہ میرا ایک بچہ تھا جو انتقال کر گیا ہے تو حضرتؐ نے فرمایا صبر وضبط سے کام لو تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ آپ اس کے پاس آئیں تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ ابن جبل، ابی ابن کعب اور زید بن ثابت اور کئی دوسرے مرد تھے جب آپ اس کے گھر پہنچے تو بچہ حضرتؐ کی خدمت میں لایا گیا دیکھتے ہی حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے تو سعد نے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے (آپ رو رہے ہیں) تو حضرتؐ نے فرمایا یہ وہ شفقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔ سوائے اس کے اللہ تعالیٰ ان بندوں پر رحمت فرماتا ہے جو دوسروں پر رحمت وشفقت کرتے ہیں۔

جلد اول کے اسی باب میں اور اسی صفحہ پر انس ابن مالک سے روایت کی ہے رسول پاک کی ایک بیٹی تھی جو فوت ہو گئی تھی تو رسول پاکؐ ایک روز اس کی قبر پر بیٹھ گئے تو ان کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے پر تھیں۔

نیز جلد اول ص۱۵۸ "باب من یدخل قبر المرأة" میں ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کی قسم رسول اللہ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ مومن کو اس کے اہل واحباب کے اس پر رونے

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں تمہیں قرآن کافی ہے اور اس میں ہے کہ "لاتزر وازرۃ وزر اخری"۔

باب البکاء عند المریض میں ص۱۵۵ جلد اول میں عبداللہ ابن عمر سے روایت کی ہے کہ تحقیق رسول اللہؐ سعد بن عبادہ کے گھر آئے جب کہ وہ جان کنی کے عالم میں تھے تو حضرتؐ نے پوچھا کہ کیا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے کہا نہیں یارسول اللہؐ تو حضرت رو پڑے اور جب لوگوں نے حضرت کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے تب حضرت نے فرمایا کہ تم نے نہیں سنا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے غمگین ہونے کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا۔

ابن عبداللہ کے کتاب الاستیعاب میں ص۱۸۴ اور ص۲۷۴ جلد اول میں لکھا ہے کہ رسول پاکؐ نے اپنے چچا حمزہ پر گریہ کیا اور لوگوں کو نوحہ و گریہ و زاری کا حکم دیا۔ اور جب رسول پاکؐ کو اپنے چچازاد جعفر طیارؓ کے قتل ہونے کی خبر ملی تو حضرت رونے لگے اور فرمایا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والے روئیں۔

اس سے اور اس جیسے دوسرے موارد سے مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آل رسولؐ پر رونا اور نوحہ خوانی کرنا حسن ہے اور شریعت خاتم میں مستحب ہے۔

الامر الحادی عشر: نبی اکرمؐ اور اہل بیتؑ سے توسل کا جائز ہونا

قرآن پاک میں وسیلہ کا حکم موجود ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ"

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔"

آیۃ کا مفہوم واضح ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ضروری ہے ۔

سمہودی نے کتاب وفاء الوفا جلد دوم ص۴۱۹ میں لکھا ہے کہ استغاثہ اور نبی کریم سے شفاعت طلب کرنا اور ان کے جاہ و منزلت اور برکت کو وسیلہ قرار دینا فعل انبیاء و مرسلین اور سلف صالحین کی سیرت ہے ۔ یہ آپ کی خلقت سے پہلے اور بعد میں بھی ہوا ہے ۔ اس کے بعد بہت سی حدیث اسی موضوع کی ذکر کی ہیں جن کو حاکم، طبرانی، بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری ص۱۲۲ باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا من ابواب الاستقاء من کتاب العیدین ۔ عن انس ان عمر ابن خطاب کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبد المطلب

"فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک نبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون"

انس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب خشک سالی میں عباس بن عبد المطلب کے پاس جاتے اور کہا کرتے اے اللہ ہم تیری طرف وسیلہ لائے اپنے نبی کریم کو تو ہم پر بارش نازل فرما اور ہم نبی کریم کے چچا کا واسطہ دیتے ہیں ہمیں سیراب فرما تو انس کہتے ہیں انہیں سیراب کیا جاتا اور بارش ہو جاتی تھی ۔ وسیلہ جائز ہونے کے لئے حضرت عمر کا یہ عمل ہمارے لئے کافی ہے ۔

الامر الثانی عشر: غیر اللہ سے مدد طلب کرنے اور ان سے استغاثہ کے جائز ہونے میں ہے ۔

قرآن مجید میں غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا جواز موجود ہے بلکہ اس میں غیر اللہ سے مدد کا حکم ہے جیسے سورہ سجدہ آیۃ ۴۵ میں ہے ۔ "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ" صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو

اسی طرح استغاثہ بھی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تحت جائز ہے، سورۂ قصص آیہ ۱۵ میں ارشاد ہوتا ہے

"فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ"

اس نے استغاثہ کیا اس سے جو اس کا پیرو تھا اس پر جو اس کا دشمن تھا

پس استغاثہ اور استعانہ غیر اللہ سے بمعنی مجازی بلا اشکال جائز ہے یعنی بالعرض اور معنی ثانوی کے اعتبار سے جائز ہے اور اولاً بالذات جائز نہیں ہے اور ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا من حیث ھو ھو جائز ہے اور من حیث ھو اللہ ناجائز ہے۔

لہٰذا جس فعل کی نسبت اس کے غیر کی طرف دی ہے اس میں غیر سے استعانت کے جواز میں کوئی ممانعت نہیں ہے، جیسے (فارزقوھم) اور سورہ توبہ آیت ۵۹ میں خداوند عالم فرماتا ہے

"ولو انہم رضوا ما آتاھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ۔

اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے ہیں جو اللہ اور اس کا رسول ان کو دیتا ہے اور کہتے ہیں اللہ ہمیں کافی ہے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے عطا کرتا ہے اور اس کا رسول

"وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ" سورہ توبہ آیہ ۷۴

یہ سب اس کا بدلہ نہیں تھا کہ اللہ نے ان کو غنی کر دیا اور اس کے رسول نے اپنے فضل وکرم سے۔

پس تحقیق کہ رزق پر اللہ کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے باوجود اس کے اللہ نے ان کی نسبت اپنے رسول کی طرف بھی دی ہے جو کہ حتماً مجازی ہے کیوں نبی کریمؐ ایسے ہی غنی نہیں کرتے اور رزق نہیں دیتے جیسے اللہ اور اسی طرح فضل ہے وہ بھی اللہ سے مخصوص ہے لیکن اس کی نسبت بھی نبی کریم کی طرف

دی گئی ہے اور اسی قبیل سے استغاثہ اور استعانہ غیر اللہ سے ہے جیسا کہ اس پر قرآن کریم کی صریح دلیل گزر چکی ہے۔

الامر الثالث عشر: نبیؐ، اہل بیتؑ اور مومنین کی شفاعت کے جواز میں ہے

شفاعت کا مفہوم یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا (شفیع) جس سے شفاعت کر رہا ہے (مشفوع الیہ) سے کسی کی شفاعت (مشفوع لہ) کے لئے سوال کرے۔

پس نبی کریمؐ یا ان کے علاوہ کسی اور کی شفاعت کا معنی ہے دوسروں کے لئے اللہ سے دعا کریں اور اللہ سے ان کی بخشش اور ستر عیوب اور قضاء حاجات کے لئے گزارش کریں۔ پس شفاعت دعا کی ایک قسم کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اللہ پر لازم نہیں ہے کہ وہ قبول کرے اور شفاعت اللہ کے اذن کے بغیر اور دعا اس کے امر کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے۔ نیشاپوری اپنی تفسیر میں "من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا الخ" سورۂ نساء، آیۃ ۸۵ کہ جو شخص کسی کے لئے اچھی دعا کرتا ہے تو اس (دعا کرنے والے) کا بھی اس میں حصہ ہوتا ہے اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مقاتل سے منقول ہے کہ "الشفاعۃ الی اللہ انما ھی الدعاء لمسلم"، کہ اللہ کی طرف شفاعت وہ صرف دعا ہے مسلمان کے لئے اس لئے کہ نبی کریمؐ سے مروی ہے:

"من دعا لاخیہ بظہر الغیب استجیب لہ و قال لہ الملک ولک مثل ذالک فذالک النصیب والدعوۃ علی المسلم بضد ذالک"،

جو شخص اپنے بھائی کے لئے اس کے پس پشت دعا کرتا ہے وہ قبول کی جاتی ہے اور فرشتہ اس کے لئے کہتا ہے کہ اے دعا کرنے والے اس کے مثل تیرے لئے بھی

بھی ـــــــــ حصہ ہے اور اگر مسلمان کے لئے بدعا کرے تو بھی اس بدعا میں حصہ دار ہوگا جس چیز کی بدعا کی ہے اور آیہ غیر اللہ کی شفاعت کے لئے بالکل صریح ہے اور یہ بھی ہے کہ شفاعت حسنہ ہو یا سیۂ شفاعت کرنے والا اس میں شریک ہوگا۔

اور اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے کہ اللہ کے نزدیک ہر مومن کا احترام ہے جس کے سبب شفاعت اور اس کی دعا کی قبولیت ہوتی ہے لہذا دوسرے مومنین کے لئے دعا کی طرح شفاعت بھی کرنا چاہیئے۔

جب مومنین سے التماس دعا کرنا مستحب اور راجح ہے تو ان سے شفاعت کا طلب کرنا بھی جائز ہے چہ جائیکہ انبیاء و صالحین سے ایسی التماس کی جائے اور پھر رسول اللہؐ اور اہل بیت طاہرین تو انبیاء و صالحین سے بھی بالا مقام رکھتے ہیں ۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں سورہ غافر آیت ۸ "الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربہم" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تحقیق یہ آیہ ملائکہ کے لئے منحصر ہے کہ وہ گناہگار کے لئے شفاعت کرتے ہیں جیسا کہ نبی کریمؐ سے شفاعت ہوئی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء سے شفاعت ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے شفاعت و دعا و مغفرت کا انہیں حکم دیا ہے اور فرمایا "واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات" کہ اے نبی تو اپنے لئے اور مومنین و مومنات کے لئے دعا کرو اور حضرت نوحؑ کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

"رب اغفر لی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومناً
وللمومنین والمومنات"

اے اللہ مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور جو میرے گھر میں داخل ہو

ایمان کے ساتھ اور مومنین کو اور مومنات کو بخش دے"۔

یہ اس قول کی وضاحت و صراحت ہے کہ شفاعت دعا سے علیحدہ نہیں ہے اور اللہ سے طلب مغفرت سے بڑھ کر نہیں ہے کہ جس کا اللہ نے خود حکم دیا ہے۔

الامر الرابع عشر: بدا کے معنیٰ میں ہے۔

معنیٰ بداء۔ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر اس چیز کو ظاہر کرنا جو ان کے لئے مخفی ہے اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ پر جو شئی مخفی ہے اسی کا ظاہر ہونا۔ شیعہ اس معنیٰ کے قائل نہیں کہ بداء اللہ کے لئے اس شئی کا ظاہر ہونا ہے جو اس پر پہلے مخفی تھی اس سے اللہ کی طرف جہل کی نسبت لازم آتی ہے جو واضح کفر ہے

بداء کا معنیٰ ہے ایک شئی اللہ کے علم میں پہلے سے ہے اور لوگوں کے لئے ظاہر نہیں ہے پس جب اللہ لوگوں پر اس کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرے تو وہ بداء ہے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۸۱ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل میں ایک مرفوع طویل حدیث نقل کی ہے جو ابو ہریرہ سے ہے اس میں آیا ہے "ثلاثة من بنی اسرائیل ابرص، اقرع و اعمیٰ بدا للہ عز وجل ان یبتلیھم" کہ بنی اسرائیل کے تین فرد تھے ایک سفید داغ والا ایک کوڑھی اور ایک اندھا تو اللہ کو بدا واقع ہوا کہ ان کا امتحان لے۔

اور بدا کے معنیٰ جو شیعہ کرتے ہیں اس دلیل کے طور پر ابو ہریرہ کا یہ قول کافی ہے کیونکہ اہل سنت اہل بیتؑ کی حدیث پر قناعت نہیں کرتے ہیں اور خدا سورۂ رعد آیہ ۳۹ میں ارشاد فرماتا ہے

"یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب"

اس میں محو و اثبات سے بداء مراد ہے۔

شیعوں کا عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے

بعض شیعہ عبدالنبی، عبدالعلی یا عبدالحسن یا عبدالحسین یا عبدالزہرا نام رکھتے ہیں یہ جائز اور صحیح ہے یہ اس لئے کہ وہ اس سے ان کی اطاعت اپنے اوپر غلام کے طریقہ سے فرض سمجھتے ہیں اور عبد کے معنی ہی غیر کی عبادت کرنا ہے جو کسی دوسرے کی اطاعت کرے گا وہ اس کا عبد کہلائے گا اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے ہو گئے ہیں کیوں کہ اگر غیر اللہ کی اطاعت سے یہ لازم آتا ہو تا کہ وہ غیر اللہ کے عبادت گزار ہیں تو بھی نبی کریمؐ کی اطاعت اور اولی الامر کی بعد از نبی بھی غیر اللہ کی عبادت کہلاتی اور ممنوع ہوتی حالانکہ یہ واضح طور پر باطل ہے کیوں کہ قرآن کی رو سے رسول اور اولی الامر کی اطاعت واجب ہے جب یہ باطل ہو گیا تو پھر کسی شخص کا عبدالرسول وغیرہ کے ذریعہ اپنا نام رکھنا جائز ہوا۔

جب شیعہ رسول اللہؐ اور ائمہؑ اور اہل بیتؑ کے اطاعت گزار ہیں ان کے اوامر و نواہی میں جیسے کہ قرآن پاک میں ہے یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الخ اور وہ اولی الامر کے مددگار اور تابع ہیں ان کے معصوم ہونے کی وجہ سے جیسا کہ آیہ اس کا تقاضا کرتی ہے اور ان کے علاوہ اور کوئی بالاجماع معصوم نہیں تو جائز ہے کہ وہ اپنے کو ان کی اطاعت کے لئے وقف کریں اور اپنا نام انہی کے غلام کے طور پر رکھیں، اور ان کا نام رکھنا عبدالرسول وغیرہ کے ساتھ جائز اور صحیح ہے اور قرآن کریم میں اللہ نے کسی کے مطیع کو اس کا غلام کہا ہے جیسے ارشاد الٰہی ہوتا ہے: " ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یومنوا ، ولعبد مومن خیر من مشرک"، سورہ بقرہ آیت ۲۲۱ کہ تم مشرکین سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور یہ مومن عبد مشرک سے بہتر ہے اور

یہاں عبد مومن سے مراد وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کے مومن سید کی اطاعت قرار دی ہے۔
اور سورۂ نساء آیت ۳۲ میں ہے
"وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم"

آیت میں عباد صالحین وہ ہیں جن پر اللہ نے ان کے مومنین آقاؤں کی اطاعت واجب قرار دی ہے، جب عبد کی اضافت ایک ادنیٰ مومن کی طرف ہو سکتی ہے اور جائز ہے کہ عبد فلاں وعبد فلاں کہا جائے اور اس سے نہ شرک و بدعت لازم آتا ہے نہ ہی کفر و ضلالت جیسا کہ بعض دین و قرآن سے جاہل لوگوں کا خیال خام ہے تو جائز ہے ہم کہیں کہ فلاں عبدالرسول فلاں عبدالعلی فلاں عبدالزہرا، عبدالحسن، عبدالحسین ہے۔

ھدیٰ اور ضلال کے معنی جن کی نسبت اللہ کی طرف دی جاتی ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہدیٰ و ضلال کا لفظ جن کی نسبت اللہ کی طرف قرآن کریم میں پائی گئی ہے متشابہات میں ہے جیسا کہ قرآن میں متشابہات کے ہونے پر واضح دلیل موجود ہے سورہ آل عمران آیت ۵ میں ہے
"ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات من ام الکتاب واخر متشابہات الخ"
لہٰذا انسان کو اپنی رائے ان میں نہیں دینی چاہیئے اور آیات کو اپنی رائے کے مطابق بغیر علم کے تاویل نہیں کرنی چاہیئے جیسا کہ رسولؐ کا فرمان ہے:
"ومن قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار"

"جو شخص قرآن میں بغیر علم کے اپنی رائے دے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

اسی طرح رسول اللہؐ سے علم و معرفت حاصل کئے بغیر اپنی رائے سے تمسک کرنا بھی جائز نہیں ہے کیوں کو انہیں پر قرآن نازل ہوا ہے اور وہی اس کے معنی بیان کر سکتے ہیں ہیں جیسا کہ سورۂ نحل آیت ۴۴ میں ہے:

"وانزلنا الیک الذکر لتبین الناس ما نزل الیہم"

اور نازل کیا تم پر ذکر (قرآن) کو تاکہ تم لوگوں کے لئے بیان کرو وہ چیز جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

پس قول صحیح جو عقل و نقل کے موافق ہے یہ ہے کہ ضلال بمعنی اضلال و اغوا یعنی فریب اور گمراہ کرنے کے معنی میں نہیں ہے کیوں کہ یہ شیطان کا کام ہے پس ان کا اللہ جل شانہٗ کی طرف نسبت دینا جائز نہیں ہے اور یہ بھی ھدیٰ و ضلال کے معنی نہیں ہیں کہ اللہ نے انسان میں ان کو خلق کیا ہے کیوں کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ضلال خلق کیا ہے وہ ہدایت نہیں پاسکتا ہے اور جس میں ہدایت کو خلق کیا ہے وہ گمراہ نہیں ہوسکتا یہ چیز ہے باطل اور اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور محسوس و مشاہدہ کے خلاف ہے کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے گمراہ تھے کہ وہ ہدایت پر آگئے اور بہت ہدایت یافتہ تھے جو گمراہی کی طرف چلے گئے پس اگر یہ دونوں انسان میں خلق کئے گئے ہوتے تو جیسے آنکھ، ناک ہونٹ وغیرہ خلق ہوئے ہیں یہ بھی اپنی حالت و کیفیت سے نہ ہٹتے۔

اور ہر وہ جو مخالف محسوس و مشاہدہ ہے وہ باطل ہے اور پھر اگر ایسا ہو بھی کہ اللہ ایک انسان میں ہدایت خلق کر دیتا ہے اور دوسرے میں ضلالت تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے

جو کہ عقلاً باطل ہے اور پھر اللہ بندوں پر حجۃ کا حق نہ رکھتا ہوتا اور یہ اللہ کے فرمان کے خلاف ہے کہ اللہ کے لئے بندوں پر حجت نہ ہو، سورہ انعام آیۃ ۱۴۹ میں ہے

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ھدیٰ لغت عرب میں پانچ معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے

(۱) بمعنی ارشاد و راہنمائی، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ان علینا الھدیٰ" سورہ فصلت آیت ۱۸ ہم پر راہنمائی کرنا لازم ہے۔ "واما ثمود ھدینا ھم فاستحبوا العمیٰ علی الھدیٰ" اور ہم نے ثمود کی ہدایت کی پس انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے مقابلے میں پسند کیا۔

(۲) توفیق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "والذین اھتدوا زادھم ھدیٰ" جو ہدایت چاہتے ہیں ان کی توفیق میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) ثواب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، سورہ محمدؐ آیہ ۴،۵ "والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل آمالھم سیھدیھم" وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کی آرزوئیں اکارت نہیں جائیں گی انھیں اللہ ثواب دے گا۔ سورہ نحل آیت ۹۳ میں اللہ کا فرمان ہے "ویھدی من یشاء" کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ثواب دیتا ہے۔

(۴) فوز اور نجات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سورہ ابراہیم آیت ۲۱ "قالوا لو ھدانا اللہ لھدینا کم" انہوں نے کہا کہ اگر اللہ ہم کو نجات دے تو ہم تمہیں نجات دیں گے اور سورہ بقرہ آیت ۲۶۴ میں ہے "واللہ لا یھدی القوم الکافرین" اور اللہ کافروں ـــــ کو نجات نہیں دیتا

(۵) حکم و تسمیہ کے لئے ہے جیسے سورہ نساء آیت ۸۸ میں ہے "اتریدون ان تھدوا

من اضل اللہ ،، کیا تم چاہتے ہو اس کو ھدایت یافتہ کرنا جس کو اللہ نے گمراہ کیا ۔

اور اسی معنی میں شاعر کا قول ہے ۔

ما زال یہدی قومنا ویضلنا   جھلا وینسبنا الی الکفار

ہمیشہ ہماری قوم ہدایت یافتہ اور ہم کو گمراہ کہتی رہی جہالت کی وجہ سے اور ہمیں کفار کی طرف منسوب کرتی رہی ۔

کلمہ ضلال کے لئے دو لفظ ہیں ایک (ضل) اور دوسرا (اضل) ۔ کلمہ (ضَلَّ) کبھی لازم ہوتا ہے جیسے "ضَلَّ الشیٔ ،، شی گم ہو گئی، ضائع ہو گئی، خراب ہو گئی اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سورہ اسرا آیت ۶۷ "ضل من تدعون الا ایاہ ،، اور سورۂ اعراف آیت ۳۷ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "قالوا ضلوا عنا ،،

اور کبھی کلمۂ ضل متعدی استعمال ہوتا ہے جیسے "ضل الطریق زید ،، زید نے راستہ کھو دیا اور سورۂ بقرہ آیت ۱۰۸ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " فقد ضل سواء السبیل ،، اس نے سیدھے راستے کو کھو دیا ۔

اور کلمہ اضل لغت عرب میں چھ معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

(۱) ضل لازمہ کے معنی میں یعنی ضاع اور بطل کے معنی میں تو وہ ایک معقول کی طرف متعدی ہوتا ہے ــــ جیسے اضلہ یعنی اضاعہ اور اسی سے سورہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالہم ،، وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستے سے ہٹ گئے انہوں نے اپنے اعمال کو ضائع و باطل کر لیا ۔

(۲) مصادفہ و اتفاق اور وجدان کے معنی میں آتا ہے جیسے اضللت ضلالاً میں نے اسے ضائع

پایا جیسے کہ ابخلتہ، یعنی میں نے اس کو بخیل پایا اور اسی سے اللہ کا فرمان ہے۔ سورۂ جاثیہ آیہ ۲۳ میں " و اضلہ اللہ علی علم "، اللہ نے اسے گمراہ پایا۔

اسی طرح اس اضل کو حکم بالضلال وتسمیہ بالضلال کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ نے ان پر گمراہی کا حکم لگایا اس کے اختیار کے ساتھ اور اس اضلہ سے عذاب دینے کا معنی لیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے ان کو عذاب دیا ان کے علم کی وجہ سے اکہ جاننے کے باوجود انہوں نے انکار کیا

(۳) اضل۔ ضل متعدی کے معنی میں ہو اور ہمزہ فرق کے لئے ہو مکان سے جدا ہوتے اور نہ ہونے کے درمیان جیسے ابوزید نے کہا ضل الطریق کہا جاسکتا ہے اور اضلہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ یہاں پر وہ اپنے مکان سے جدا نہیں ہوا ہے اور اضل بعیرہ کہا جاسکتا ہے ضل عن بعیرہ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ یہاں بعیر اپنی جگہ سے جدا ہو گیا ہے لیکن جب اونٹ بندھا ہوا ہو تو اس وقت وہ مثل طریق کے ہوگا کہ اس میں ضل عن بعیرہ کہا جاسکتا ہے

(۴) تسمیہ حکم بالضلال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اضل فلان فلاناً اس نے اس کو گمراہ کیا یا گمراہی کا حکم لگایا۔ اسی سے اللہ کا فرمان ہے "اتریدون ان تہدوا من اضل اللہ" کیا تم ارادہ رکھتے ہو کہ اس کو ہدایت دو جس کو اللہ نے گمراہ کیا ہے اور اسی سے کمیت ابن زید کا شعر اہل بیتؑ کی مدح میں ہے ؎

وطائفۃ قد کفرونی بحبکم   وطائفۃ۔ قالوا مضل ومذنب

ایک گروہ مجھے کافر کہتا ہے تمہاری محبت کی وجہ سے اور ایک گروہ مجھ پر گمراہی کا حکم لگاتا ہے اور مجھے گنہگار کہتا ہے۔

(۵) اضلال وعذاب دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے سورہ بقرہ آیت ۲۶ میں اللہ کا

فرمان ہے "یضل بہ کثیرا "۔ یعنی قرآن کا انکار کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو عذاب ہوگا۔ اور سورہ رعد آیت ۳۳ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد" جس کو اللہ عذاب دے اور ہلاک کرے اس کو نجات دینے والا کوئی نہیں ہے۔ سورہ نحل آیت ۹۳ میں اللہ کا فرمان ہے "یضل من یشاء و یھدی من یشاء"، کہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نجات دیتا ہے۔ یعنی مستحق عذاب کو معصیت پر عذاب دیتا ہے اور مستحق ثواب کو اطاعت پر ثواب دیتا ہے کیوں کہ یہی اس کی منشا ہے۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سورہ القمر آیت ۴۷ "ان المجرمین فی ضلال و سعر"، کہ مجرم لوگ عذاب و سختی میں ہیں۔

(۷) اضلال ضل متعدیہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ہمزہ کو دو مفعولوں کے متعدی کرنے کے لئے لایا جاتا ہے تو اس وقت یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا جیسے اضلہ الطریق اور اسی سے اللہ کا فرمان ہے۔ سورہ احزاب آیت ۶۷ "ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراءنا فاضلونا السبیلا"۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی انہوں نے ہمیں راستہ سے گمراہ کر دیا۔ سورہ زمر آیت ۸ میں ہے "وجعل للہ اندادا لیضل عن سبیلہ" اور یہاں اضلال کے معنی گمراہی ہے۔

قرآن پاک میں یا سنت نبوی میں کوئی روایت نہیں ہے کہ جس میں ضلال کا اس معنی کے ساتھ اللہ کی طرف اسناد ہوتا ہو۔ اور کلام عرب میں وارد نہیں ہوا اضل بمعنی ضلال انسان میں خلق کیا اور نہ کلمہ ھدیٰ بمعنی خلقت ھدایت انسان میں وارد ہوا ہو۔ کیونکہ اگر اللہ لوگوں کو ہدایت سے گمراہ کرتا تو پھر اللہ کا لوگوں پر حجت کرنا باطل ہوتا اور اس پر نبی و رسل و کتب سماویہ

کا بھیجنا باطل ہوتا اور پھر ثواب کی رغبت اور عذاب سے ڈرانے کا کوئی معنی نہ رہتا بلکہ جبر محض ہوتا۔
اور پھر کئی ایک آیات کے معنی باطل و لغو ہو کر رہ جاتے مثلاً سورہ اسرا آیت ۹۴ میں ہے
"وما منع الناس ان یومنوا اذ جاءھم الھدیٰ" کہ اور کیا چیز ہے جس نے لوگوں کو منع کیا کہ
وہ ایمان لائیں جب کہ ان کے پاس ھدایت و رہنمائی آگئی ہے۔
اور سورہ مدثر آیت ۴۹ میں ہے "فالھم عن التذکرۃ معرضین" کہا ہے ان کے لئے
وہ ہدایت سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ اور سورہ حج آیت ۱ میں ہے "یاایھا الناس اتقوا
ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم" اے لوگوں تم اپنے رب سے ڈرو بہ تحقیق زلزلے کی گھڑی بہت
عظیم شئ ہے۔ سورہ نحل آیت ۹ "وعلی اللہ قصد السبیل" (اور اللہ پر راستے کا قصد ہے) اور اللہ
کا فرمان ہے "ان علینا للھدیٰ" بہ تحقیق ہم پر ہدایت کرنا واجب ہے۔ سورہ فصلت آیت ۱۸ میں
ہے "واما ثمود فھدینا ھم" اور ثمود کو ہم نے ———— ہدایت دی۔ سورہ بقرہ آیت ۱۸۵
ھدی للناس وبینات من الھدیٰ" اور اس کے مثل بہت سی آیات ہیں جو دلالت کرتی
ہیں کہ اللہ نے کسی بندے کو گمراہ نہیں کیا اور نہ بہکایا ہے اور مزید برآن کہ اضلال جو بمعنی اغوا و بہکاوا
ہے وہ قرآن مجید میں غیر اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ بہت سی آیات کریمہ میں ہے سورہ طٰہٰ آیہ ۸
"واضل فرعون قومہ وما ھدیٰ" فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور بہکایا۔
سورہ نسا آیت ۱۱۹ "ولاضلنھم ولامنینھم" کہ میں ان کو بہکاؤں گا اور انہیں امیدیں دلاؤں گا۔
سورہ لقمان آیت ۶ "و لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم" کہ وہ اللہ کے راستے سے گمراہ ہو گئے تھے علم نہ ہونے کی وجہ سے
سورہ مائدہ آیت ۷۷ "قد ضلوا من قبل واضلوا کثیراً" وہ گمراہ ہوئے پہلے اور بہت سوں کو گمراہ کر گئے۔
سورہ بقرہ آیت ۶۷ "فاضلونا السبیلا" انہوں نے ہمیں راستہ سے گمراہ کیا۔

سورہ بقرہ آیت ۳۶ " فازلھما الشیطان عنھا "شیطان نے ان دونوں کو پھسلایا جنت سے ۔
سورۂ اعراف آیت ۳۸ " ربنا ھؤلاء اضلونا " اے ہمارے رب یہ وہی ہیں جنہوں نے ہمیں بہکایا ۔
سورۂ فصلت آیت ۲۹ " ربنا ارنا الذین اضلانا من الجن والانس " اے ہمارے رب ہمیں دکھا وہ دونوں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جن و انس میں سے ۔ سورہ توبہ آیت ۱۱۵ " ما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھداھم " اللہ گمراہ نہیں کرتا کسی قوم کو بعد اس کے کہ ان کی ہدایت کر دے ۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جو صراحتا اضلال بمعنی اغوا بہکا دا کی نسبت اللہ کی طرف دینے کو باطل قرار دیتی ہیں ۔

رنج و مرض کے بدلے وعوض

جب شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ حکیم ہے نہ کوئی کام عبث کرتا ہے نہ ہی کوئی چیز بلا فائدہ خلق کرتا ہے بلکہ اس کے تمام کام کسی غرض و غایت اور حکمت کے تحت ہیں جیسے کہ نقصان دہ جراثیم کی خلقت اور مریض کرنے والے حشرات جلانے والی آگ اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں جو اس زندگی میں انسان کو عارض ہوتی ہیں مثلاً مرض دکھ درد وغیرہ جو جراثیم وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کو اللہ نے صرف لوگوں کو ایذا پہنچانے کے لئے خلق نہیں کیا ہے بلکہ ان کی خلقت مصلحت کے تحت ہوئی ہے کہ بسا اوقات وہ مصلحت مخلوقات کے منافع اور خواص کے معلوم نہ ہونے کی بنا پر مخفی ہوتی ہے اور پھر اللہ اس بات پر قادر ہے کہ اس ضرر و تکلیف کا دفاع کرے یا اس کے اثر کو روک دے اور وہ لوگوں کی طرح بندوں کو تکلیف و اذیت پہنچانے کی ضرورت بھی نہیں رکھتا ہے تو پھر یہ ضرر رساں اور تکلیف دہ چیزیں کیوں خلق کی ہیں ۔

سرسری طور پر یہ معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ اللہ نے یہ انتقام اور سزا کا حقدار ہونے کی وجہ سے ایسا کیا کہ سزا دے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۶۵ میں ہے "ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت لھم کونوا قردۃ خاسئین تم خوب جان چکے ہو کہ جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی پس ہم نے کہا تم بندر ہو جاؤ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے یہ سب کچھ امتحان اور آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے اور امتحان لینا دو شرطوں سے جائز ہو سکتا ہے کہ اس کی تمام خلق حسن اور ان کا تمام فعل متقن اور شہوت و میل جنسی سے پاکیزہ ہے اور عبث اور لغو سے مبرا ہے جیسا کہ یہ سب مخلومات میں ہے۔

شرط اول یہ امتحان مصلحت پر مشتمل ہو جس میں پریشان ہونے والے یا اس کے غیر کا فائدہ ہو پس اللہ کا بندہ پر فضل و احسان ہوا۔ اگر اس کے علاوہ ہو تو عبث و بے فائدہ ہوگا اور اللہ ایسا کام نہیں کرتا۔

شرط دوم یہ الم و رنج کے مقابلہ اتنا عوض ہو جو رنجیدہ کے الم و مصیبت سے زیادہ ہو کہ اگر اس پر الم اور وہ عوض پیش کئے جائیں تو وہ اختیار اور رغبت کے ساتھ الم کو قبول کرلے کیوں کہ اگر الم اور اس کا عوض برابر ہو تو کسی ایک کو اختیار کرنا بلا مرجح ہوگا جو کہ عقلاً باطل ہے کیوں کہ اگر مصیبت اور دکھ پہنچانا زندہ کو اور مرض وغیرہ میں مبتلا کرنا بغیر عوض کے اور بغیر گناہ اور فائدہ کے ہو تو واضح ظلم ہے کہ جس کی نسبت اللہ کی طرف دینا جائز نہیں ہے لہذا ہر حال میں صرف ایک شق باقی رہتی ہے کہ یہ امتحان کے طور پر ہے اور اس کے بدلے میں جو عوض ہے وہ الم و مصیبت پر اتنا بھاری ہے کہ انسان اس کے مقابلہ میں الم و مصیبت و مرض کو بہ رضا و رغبت قبول کرلیتا ہے۔

۱۵۔ الامر الخامس عشر: نبی کریم کے لئے عصمت کا واجب ہونا خصوصی طور پر اور دیگر انبیاء کے لئے علی العموم

انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے پس اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا ہے کہ وہ اپنی بقاء کے لئے کھانے پینے پہننے، رہنے کے سامان اور دیگر ضروریات زندگی کا محتاج ہے اور سب کو از خود انجام دینے پر قادر بھی نہیں ہے کیوں کہ کام زیادہ اور مختلف النوع ہیں کہ ان کو سیکھنے میں زندگی گزر جاتی ہے بلکہ وہ دوسرے سے تعاون اور اشتراک عملی سے کام انجام دینے پر مجبور ہے پس ہر ایک جو کام وہ جانتا ہے اس کو دوسروں کے لئے انجام دیتا ہے اور دوسرے جو کام جانتے ہیں وہ اس کے لئے انجام دیتے ہیں تو اس طرح نظام زندگی چل رہا ہے ۔

لیکن انسانی معاشرہ میں ہر شخص دوسرے پر غالب رہنے اور انا و حب نفس کا شکار ہے قوی بسا اوقات کمزور پر ظلم کرتا ہے اور جاہل دوسرے پر تجاوز کرتا ہے یہ امور فتنوں کا سرچشمہ اور خونریزی کا سبب بن جاتے ہیں جس سے اختلال نظام معاشرہ اور انقطاع نسل کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے لہذا معاشرہ کو درہم برہم کرنے اسباب کے سدباب کے لئے کسی ایسے قانون کا ہونا ضروری ہے جس سے سب اپنے معاملات میں رجوع کر سکیں اور اس سے تباہی و فساد کی بیخ کنی ہو اور عدل و انصاف کی ساتھ فیصلہ ہو اور ایسا قانون صرف اور صرف الہامی و آسمانی ہی ہو سکتا ہے کیوں کہ اگر لوگوں کا بنایا ہوا ہو تو اس میں وہ اپنی خواہشات اور طبیعت کے مطابق قوانین وضع کریں گے جو معاشرے کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں ہو سکتے لہذا وہ آسمانی و آفاقی قانون شریعت ہے جب قانون ہے تو اس کے جاری کرنے والے اور رہنما کا ہونا بھی ضروری ہے جو

اس کی حفاظت کرے اور وہ راہنما نبیؐ یا امام ہیں جو نبی کے قائم مقام ہیں لہٰذا ہر کام جسے انسان انجام دے یا ہر بات جو انسان کہے خواہ نبی و امام ہو یا عام آدمی وہ قانون شریعت کی فرماں برداری میں ہونی چاہیئے اور وہ شرعی قانون پانچ حکموں میں منحصر ہے (واجب، مستحب حرام، مکروہ و مباح)۔

اس دور کے بعض نام نہاد فرزندان اسلام جو جدید مدارس کی پیداوار ہیں عصمت نبیؐ اور دیگر انبیاء کی عصمت کا انکار کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ خلفاء کو معصوم مانیں۔ ان کا زعم فاسد ہے کہ انسان خواہ نبی ہو یا امام ایک بشر ہے اور ہر بشر بھولتا ہے اور سہو کرتا ہے غلطی کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے ان کے اس زعم فاسد کی بناء پر ہم لازم سمجھتے ہیں کہ اس عظیم شبہ کا ازالہ کریں جو ان کے دماغوں میں راسخ ہو گئے ہیں جن کے نتیجے میں وہ شریعت اور دین اسلام کے بنیادی قوانین سے دور ہو گئے ہیں اور جن اصول و فروع کے ذریعہ اسلام کی حفاظت کی جاتی ہے اور جن ادلہ احکام کی بناء پر اسلام زندہ ہے ان سے دور ہو گئے ہیں۔ اور وہ اسلام جو بلا کم و کاست نبی پاکؐ پر نازل ہوا تھا اسی طرح نافذ کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

کیوں کہ یہ جدید مدارس استعمار کے بنائے ہوئے اور انہیں نے ان کے دروس کے طرق وضع کئے تھے جب انہوں نے مسلمانوں کے شہروں پر غارت گری کی تھی تو انہوں نے اس طرح مراکز بنائے کہ اگر وہ مر بھی جائیں تب بھی ان کے معین کئے ہوئے اصول باقی رہیں اور اس کے دستور و قوانین کے سامنے دنیا سر تسلیم خم کئے رہے اور اسی مقصد کی خاطر انہوں نے اسلام کے قوانین کو تبدیل کر کے نئے قوانین اس میں داخل کئے اور سامراجی فکر اس میں راسخ کر دی جس کا نتیجہ ہے کہ ان مدارس سے نکلے ہوئے افراد جو کہ استعمار کے ایجنٹ اور اللہ اور اس کے رسول

اور تمام مومنین سے خیانت کرتے ہیں ان میں اسلام ناب محمدی کی بو تک نہیں پائی جاتی بلکہ وہ صرف استعماری اسلام کے کاربند ہیں کہ جو مساجد کی دیواروں اور دعاؤں، اذکار و تصوف کے حدود سے باہر نہیں جھانکتا ہے اور صرف اسی میں وہ اسلام کی معراج اور امت کی حیات سمجھتے ہیں اور اس کے پس پردہ اپنی شہوات اور طمع کے غلام ہیں اور وہ آج تک اس اسلام استعماری سے سر کو پلٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ جس کے ذریعہ وہ خونخوار استعمار اور اس کی اولاد صحیح معنوں میں معاونت کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ایک مسلم طالب علم اس عظیم دین کو نہ سمجھ پائے جو ایک مکمل حیات بخش اور منظم حکومت ہے زندگی کے تمام شعبوں میں اور اسلام کے اس غلط تصور سے جس کو نام نہاد فرزندان اسلام نے استعماری مدارس کے طریقۂ تدریس سے حاصل کیا ہے اور اسی پر قانع ہو گئے ہیں اس سے شعوری طور پر انہوں نے اسلام و مسلمین کی کمر توڑ دی ہے اور انہیں کافروں کا غلام بنا دیا ہے کہ جو ان کی عزت و شرافت سے اس طرح کھیلتے ہیں جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے دین متین میں ہر جگہ شک داخل کر دیا ہے اور اس کو دقیانوس دین قرار دے دیا ہے جو جدید معاشرہ کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتا اور ان کے لئے یہ ترقی سے مانع ہے اور یہ وہ نتیجہ ہے جس کا استعمار کو انتظار تھا اور سب سے زیادہ ڈر استعمار کو جس چیز سے تھا وہ عصمت نبی کا تصور تھا جس کی اس نے اپنے وضع شدہ پروگرام کے تحت نام نہاد مسلمانوں سے نفی کروا دی اور یہ زہر اتنا پھیلا کہ بہت سے دوسرے سادہ لوح مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آگئے اور ہم نے اس فکر کے ابطال کے لئے یہ بحث چھیڑی ہے ۔

عصمت اور اس کا معنیٰ ۔

عصمت عقل میں موجود اس قوت کو کہتے ہیں جو اپنے حامل کو تکلیف

شرعی کی مخالفت سے رو کے باوجودیکہ وہ مخالفت پر قادر ہو اور مخالفت تکلیف پر قدرت کی قید جبر سے بچنے کے لئے لگائی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان ایک بے حس شئی کی طرح ہو کر رہ جاتا ہے کہ جس کو ادھر ادھر حرکت دینا ہے ۔

انبیاؑ کے لئے عصمت واجب و لازم ہے کیوں کہ اللہ نے انہیں اپنے بندوں پر حجت و رہنما بنا کر بھیجا ہے اور اپنی شریعت کا محافظ اور اس کو قائم و نافذ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور انہیں اپنی وحی کا امین قرار دیا ہے ۔

عقل سلیم بعض انسان کے معصوم ہونے کو ممتنع نہیں جانتی خصوصاً جب لوگوں میں استعداد و قابلیت ذاتیہ مختلف ہے لہذا عقل بعض لوگوں کے لئے عصمت کا انکار نہیں کر سکتی جب عقل کی روشنی میں عصمت کچھ لوگوں کے لئے ممکن ہے اور ممتنع نہیں ہے تو پھر ان ہی لوگوں میں انبیاء اور ان کے خلفاؑ جو ان کے قائم مقام ہوتے ہیں شریعت میں زیادتی و کمی سے بچانے کے لئے اور پھر ہمارے پاس عصمت انبیاء پر اور ان کے خلفاء پر عقل و نقل سے دلیل موجود ہے ۔

عصمت انبیاء پر چند عقلی دلیلیں

الاول: وہ علت جس کی وجہ سے ہم زمین پر حجت خدا کے محتاج ہیں وہ مخلوق کا غیر معصوم ہونا ہے، کیوں کہ اگر ساری مخلوق معصوم ہوتی تو احتیاج حجت نہ تھا اور مخلوقات کے غیر معصوم ہونے میں دو رائے نہیں ہے اور اگر نبی یا امام کسی غیر معصوم کو بنا دیا جائے تو پھر بھی یہی علت رکھتا ہوگا اور کسی اور حجت کا محتاج ہوگا تو پھر ہم اس دوسری حجت کے بارے میں کلام کریں گے اگر وہ بھی غیر معصوم ہوا تو پھر اس کے لئے ایک اور حجت کی ضرورت ہوگی اور اسی طرح یا ہم ایک کو معصوم مانیں گے

یا یہ سلسلہ لا متنا ہی ہوگا کہ جو تسلسل ہے اور یہ باطل ہے تو حتماً اس بطلان سے بچنے کے لئے ہیں ایک معصوم حجۃ کا ماننا ضروری ہے ۔

الثانی : جب ہم حجت خدا سے عصمت کی نفی کر دیں تو حجت کے لئے ارتکاب معصیت جائز ہوگا جب وہ معصیت کر سکتا ہے تو ہم پر اس کے معصیت کے فعل میں اتباع واجب ہو گی یا نہیں، اگر اتباع واجب ہو تو ہم پر معصیت کا بجا لانا واجب ہوا جب کہ معصیت کا ترک واجب ہے اور اس سے اجتماع ضدین لازم آتا ہے اور ضدین کی تکلیف محال ہے اور اگر ہم پر اس معصیت کے فعل میں اتباع حجت واجب نہ ہو تو حجت قرار دینے کا معنی ہی نہ رہا (حالانکہ ان کی اتباع واجب ہے) تو یہاں پھر فائدہ جعل منتفی ہو جائے گا اور نبی کو مبعوث کرنا یا امام بنانا عبث ہوگا اور عبث کام قبیح ہے جس کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے ۔

الثالث : اگر حجت معصوم نہ ہو تو اس کے قول پر اعتماد و وثوق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اللہ کی طرف سے کہہ رہا ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ عمداً یا نسیاناً جھوٹ بول دے اور قول حجت کا اللہ کی طرف سے صادر ہونا ضروری ہے اور اللہ کی طرف سے حجت کا مخبر ہونا ضروری ہے اگر حجت اللہ کے فرمان کی خبر کے نہ ہو تو اس کی اطاعت کا واجب ہونا جائز نہ ہوگا جب کہ اس کی اطاعت واجب ہے تو پھر معصوم ہونا بھی ضروری ہے ۔

الرابع : اگر حجت سے معصیت کا ارتکاب جائز ہو تو اس کو ایذا رسانی اور اس سے برائت و بیزاری واجب ہو گی من باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اللہ نے نبی کو ایذا پہنچانے سے منع کیا ہے قرآن مجید سورہ احزاب آیت ۵۷ میں ارشاد ہے :

"ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرہ

واعد لہم عذاباً مہینا،،

،،تحقیق وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت کرتے ہیں ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لئے رسوا کنندہ عذاب ہے،،

جب ان کو ایذا پہنچانا حرام ہوا تو ان سے معصیت کا واقع نہ ہونا واجب ہے لہذا وہ معصوم ہیں۔

الخامس: اگر حجت معصوم نہ ہو تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس کی قدر و منزلت لوگوں کی نظروں میں گر جائے اس کی شہادت رد ہو اور وہ عامۃ الناس سے بھی منزلت کے لحاظ سے پست تر ہو جائے لوگوں کے انکار کرنے اور اس پر تنقید کرنے کی وجہ سے اس کی شہادت اس میں قبول نہیں جو اس کی طرف وحی ہوگا احکام الٰہیہ میں سے اور کوئی بھی اس کی طرح مائل نہیں ہوگا پس اس کے بھیجنے کا فائدہ منتفی ہو جائے گا اور لوگوں پر اللہ کی حجت باطل ہو جائے گی اور یہ اللہ کے فرمان کے خلاف ہے جو سورہ نساء آیت ۱۶۵ میں ہے ،،رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل،، کہ رسل جو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہیں تاکہ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر حجت و عذر باقی نہ رہے رسولوں کے بعد۔ کیوں کہ حجت سے معصیت عام آدمی کی معصیت سے بڑی گردانی جاتی ہے اور حجۃ اللہ پر بحسب آیت لازم ہے اور حجت واجب ہے تو حتماً معصوم ہوگا ورنہ فائدہ منتفی ہو جاتا ہے۔

السادس: اگر حجت خدا سے خطا و نسیان یا سہو و عصیان کا ارتکاب جائز ہو تو وہ شریعت کو کمی یا زیادتی سے نہیں بچا پائے گا اور وحی خدا کا امین نہیں بن پائے گا کیوں کہ جب خطا و سہو کرے گا تو شریعت کو ضائع کرے گا نہ کہ اس کی حفاظت کرے گا اور فرض یہ ہے کہ حجت محافظ شریعت ہے پس ضروری ہے کہ معصوم ہو نیز عاصی فاسق ہے اور فاسق خود اپنے کام میں امین نہیں تو

دوسرے کا امین، کیسے ہو سکتا ہے اور یہ ثابت ہے کہ حجت امین ہے تو حتماً معصوم ہے ۔

قرآن کریم نبیؐ کی عصمت پر دلالت کرتا ہے

دلیل نقلی: ۱ ۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کی عصمت بیان کی ہے سورہ نجم آیت ۳،۴

"وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ"

کہ یہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا ۔ یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا اگر نہ ہوتا تو وہ اپنے نفس کی خواہش سے بولتا جان بوجھ کر یا سہواً یا نسیان کے طور پر اور نفس کی خواہش اللہ کی وحی نہیں ہے ۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ خواہش نفس سے بات نہیں کرتا مطلقاً جیسا کہ تقاضا آیت ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ معصوم ہے

۲ ۔ سورہ اعلیٰ آیت ۶ ۔ "سنقرئک فلا تنسیٰ" ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تو پھر نہیں بھولے گا

اگر رسول پاکؐ بھول جانے ہوتے تو ان کو لاتنسیٰ کی تکلیف دینا غیر مقدور کی تکلیف ہوتی اور یہ عقلاً اور نقلاً باطل ہے کہ اللہ کسی کو غیر مقدور کی تکلیف دے اس کا لازمہ یہ ہوا کہ نبیؐ معصوم ہیں اور بھولتے نہیں ہیں

۳ ۔ سورہ نجم آیت ۲ "ما ضل صاحبکم وما غویٰ" اور قرآن کریم میں ضل بمعنی نسی استعمال ہوا ہے سورہ بقرہ آیت ۲۸۲ "فاستشھدوا شھیدین من رجالکم ...... ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ" یہ کہ تم میں سے ایک بھول جائے تو دوسرا یاد دلا دے ۔ اور غویٰ بمعنی عصیٰ استعمال ہوا ہے سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۱ "فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ"

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ضل بمعنی بھولنا آتا ہے اور غویٰ بمعنی معصیت آتا ہے تو اللہ نے ان دونوں کی نبی پاکؐ سے نفی فرما دی ہے کہ "ما ضل صاحبکم وما غویٰ" کہ تمہارا رسول نہ بھولا ہے اور نہ نافرمان ہوا ہے ۔

جب ضل بمعنی عام کی آیت میں نفی کر دی گئی ہے تو خاص کی نفی خود بخود ہو گئی کیوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ نفی عام سے نفی خاص ہو جاتی ہے اور غویٰ میں بھی اسی طرح ایک بمعنی عام کی نفی کی گئی ہے جو معنی خاص کی نفی کو بھی شامل ہے

وہ جو بعض اخبار میں آیا ہے کہ جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ انبیاءؑ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہ بہت زیادہ سقم رکھتی ہے اول یہ کہ وہ اخبار احاد ہیں جو علم و یقین کا فائدہ نہیں دیتی ہیں ۔ دوم ۔ ان کی سند ضعیف ہے ۔ سوم یہ کہ وہ اپنے مدلول و مطلب پر دلالت نہیں کرتی ہیں اور وہ ادلۂ عقلیہ اور آیات قرآنیہ کا معارضہ نہیں کر سکتی ہیں نیز ان کے مقابلہ میں احادیث متواترہ موجود ہیں جو انبیاءؑ کی عصمت کے قطع و یقین کا فائدہ دیتی ہیں لہٰذا اس درایت کے مقابلہ میں جو بھی روایات ہوں گی انہیں چھوڑنا پڑے گا کیوں کہ روایت درایت کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے یا پھر کوئی تاویل کرنی ہوگی جو منافی درایت نہ ہو اور چھوڑنا بھی ممکن نہ ہو ۔

باقی رہی وہ آیات جن کے ظاہر میں ظلم و نافرمانی ہے گناہ و استغفار وغیرہ کی نسبت انبیاءؑ کی طرف معلوم ہوتی ہے ۔ جیسے اللہ تعالیٰ حضرت یونسؑ کے قصہ کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے :

"وذالنون اذ ذھب مغاضباً ..... فنادیٰ فی الظلمات ان لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین"

اور ذوالنون جب غضبناک حالت میں گیا اور گمان کیا کہ ہم اس پر قادر نہیں ہیں پس اس نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالمین میں سے ہو گیا "

اور حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمان باری تعالیٰ ہے ۔

" قال رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی فغفر لہ "

اس نے کہا میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے پس تو مجھے بخش دے پس اس کو بخش دیا گیا

حضرت آدمؑ کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

"فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ" کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا ۔

اور ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں ان میں حقیقۃً انبیاءؑ کی طرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کوئی دلیل نہیں ہے کیوں کہ ہمیں عقل کی روشنی میں بدیہی طور پر معلوم ہے کہ اللہ نے انبیاء کو صرف مخلوق کی تعلیم و تربیت اور حق تعالیٰ کی طرف راہنمائی کے لئے بھیجا ہے اور ان کے قول و فعل کو شائستہ بنانے کے لئے مبعوث فرمایا ہے تو ضروری ہے کہ ان کے تمام اعمال و اقوال اس ذات کے امر کے تابع ہوں کہ جس نے ان کو پوری مخلوقات پر ترجیح دی ہے اور ان کو چنا ہے اور راز وحی کا امین قرار دیا ہے اور اپنے امر و نہی کا مبلغ بنایا ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر محیط ہے اور اس کی انتہا نہیں ہے اور جہل و نادانی جیسے نقائص سے پاک و پاکیزہ ہے تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ نے ان کی تائید فرمائی ہے وہ جانتا تھا کہ خطا کار و نافرمان نہیں ہیں ورنہ وہ ان کی اقتداء کا کبھی امر نہ فرماتا اور ان کے تابعین کے لئے وعدۂ حور و قصور اور ان کے مخالفین کے لئے عذاب کی تہدید نہ دیتا ۔

لہذا ان کی اتباع کا امر اس بات کی بین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے افعال و اقوال کو صحیح ـــــــ دیکھا ہے تو حتماً ان آیات کے ایسے معانی کرنے پڑیں گے جو ان کی عصمت کے منافی نہ ہوں ۔ کیوں کہ قرائن عقلیہ ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ان آیات کا ظاہری و تحت اللفظی معنی مراد نہیں ہے ۔ جیسے سورہ اسرا کی آیت ۷۲ میں ہے :

"ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا "

کیا یہاں اعمیٰ کا وہی لفظی معنیٰ مراد ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہاں اعمیٰ سے مراد وہ ہے جو حق بین نہیں ہے گرچہ دونوں آنکھیں بحمد اللہ صحیح و سالم رکھتا ہو۔ اس طرح مثلاً "زید اسد" کیا اس کے معنی ہے کہ زید وہی جنگلی درندہ ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ معنی مراد ہے کہ وہ بہادر اور جنگجو ہے کیوں کہ قرائن موجود ہیں جو ان الفاظ کو ان کے ظاہری معنی سے پھیر رہے ہیں اسی طرح وہاں بھی قرائن موجود ہیں جو ان آیات کے ظاہری معنی مراد نہ لینے پر مجبور کرتے ہیں لہٰذا ان آیات میں ظلم و عصیان وغیرہ سے مراد تجاوز از شئی یا وضع شئی فی غیر محلہ ہے جو صرف فعل حرام کے ساتھ مختص نہیں ہے اور ذنب کے معنی کو ترک واجب یا ارتکاب حرام کے ساتھ خاص نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس کا اطلاق مقصر پر بھی ہوتا ہے اور انبیاء ہر گناہ میں اپنے کو مقصر پاتے ہیں (یعنی جتنا بھی خضوع و خشوع و اطاعت و انکساری کرتے ہیں وہ مقام ربوبیت کے مقابلہ میں ہیچ ہے) اسی لئے وہ اپنے کو ظالمین و مذنبین و مستغفرین وغیرہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ معصیت ہے نہ خطا کہ قابل مواخذہ ہو۔

نسیان کی نسبت جن آیات میں انبیاء کی دی گئی ہے وہ تو ادرسہل التاویل ہیں کہ نسیان اعم ہے جو ترک کو بھی شامل ہے مثلاً سورہ کہف کی آیت ۶۳ "ارأیت اذ آوینا الی الصخرہ فانی نسیت الحوت" کا معنی ترک حوت ہے۔ تو پھر سوال یہ بھی ہے کہ وہ ناسی حضرت موسیٰ ہی تھے؟ بلکہ وہ حضرت موسیٰ کے جوان ساتھی تھے جو ناسی حوت تھے جیسا اس سے اگلی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وہ آیات مبارکہ جن میں غفران، یغفر وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں جیسے سورہ فتح میں "انا فتحنا لک فتحاً مبینا لیغفر لک اللہ الخ" اس کا معنی ہے بیشک اللہ ہے کیوں کہ جس میں معصیت واقع نہیں ہوئی اس کے غفران کا معنی ہی نہیں ہے ان دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ انبیاء معصیت نہیں کرتے بلکہ معصوم ہوتے ہیں۔

اس مختصر کو تالیف کرنے کا مقصد

یہ مختصر کتاب " الشیعہ فی عقائدہم واحکامہم " جس کو ہم نے مرتب کر کے قاریان کرام کے سامنے پیش کیا ہے اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ شیعہ کے پاس ایسے احکام و دستورات اور نظام و قوانین ہیں جو انسانی زندگی کو ایسے طریقہ پر منظم کرتے ہیں جس سے معاشرتی و انفرادی مشکلات یکسر حل ہو جاتی ہیں اور آلام دہر و معاشی بدحالی سے نجات ملتی ہے اور دور حاضر کی فرعونی سیاست و قیادت سے گلو خلاصی ہوتی ہے اور یہ اصول انسان کے لئے شریفانہ زندگی کی ضمانت ہیں اور انسان کو ــــ اعلیٰ مراتب پر فائز کرتے ہیں۔ جن کے ذریعہ انسان ہر خوبی و خوشبختی کو پا لیتا ہے اور کافر و غارت گر حکمرانوں سے نجات کا واحد حل ان قوانین واحکام پر خلوص دل سے عمل کرنا ہے۔

وہ غارت گر حکمران کہ جو قہر و قوت کے ذریعہ اپنی فکر کو دوسروں پر تھوپتے ہیں اور ان کے ہاتھ کروروں بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگین ہیں۔ اور یہی مشکل کشا قوانین واصول زندگی تمام شعبوں میں نبی کریم اجرا فرماتے ہیں اور یہ عقلی براہین اور نقلی دلائل سے واضح ہے اور پھر انہیں احکام کو ہم اہل علم اور موثق حضرات اہل تشیع و تسنن نے ہم تک پہنچایا ہے لہذا حضرات تفاصیل چاہتے ہیں تو وہ فریقین کی کتب فقہیہ کی طرف رجوع کریں اور اطراف عالم میں موجود علما کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ صحیح معنوں میں معلوم کر سکیں اور ان پر عمل کرنے کے لئے ان کی حقیقت کو جان لیں ــــ والحمد للہ اولاً و آخراً

یہ نسخہ مؤلف سید امیر محمد بن علامہ الکبیر المجاہد فی سبیل اللہ المغفور لہ السید محمد مہدی الکاظمی قزوینی کے ہاتھ سے اتمام کو پہنچا ہے اللہ ان کے گناہ معاف فرمائے اور ان کے عیوب پر پردہ ڈالے اپنے احسان و کرم کے ساتھ اور اس مختصر کو اس دن کے لئے توشہ قرار دے جو فقر و فاقہ کا دن ہے کہ جس میں مال و اولاد کچھ کام نہیں آئیں گے ماسوائے اس کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم سے حاضر ہوگا یہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ کو مکمل ہوئی۔ اللہم صل علی محمد وآل محمد۔

فہرست

شمارہ نمبر		صفحہ
۱	گفتنی	۱
۲	مقدمہ	۳
۳	حرف مصنف	۷
۴	شیعیت کی اصل اور اس کے معنی	۱۵
۵	حدیث ثقلین	۱۹
۶	مذہب شیعہ کے اصول	۲۴
۷	علیؑ کل ایمان ہیں	۲۵
۸	توحید اور اس کے معنی	۲۸
۹	خدا کے صفات	۳۰
۱۰	افعال اور صفات ذاتی میں فرق	۳۶
۱۱	عدل	۳۸
۱۲	اللہ کا کلام قدیم نہیں ہے	۴۳
۱۳	قضا و قدر	۵۱
۱۴	نبوت	۵۴
۱۵	نبی پڑھنے لکھنے پر قدرت رکھتے ہیں	۵۵
۱۶	امامت	۵۸
۱۷	مجتہدین محافظ شریعت نہیں ہیں	۶۱

شمارہ نمبر		صفحہ
۱۸	امامت اور نبوت	۶۵
۱۹	ائمہؑ اور امامت	۷۱
۲۰	صحاح میں ائمہؑ کے اسماء	۷۷
۲۱	نبیؐ نے امام منتظرؑ کی بشارت دی	۸۳
۲۲	خلافت نبیؐ کے بعد	۸۷
۲۳	خلافت علیؑ کا حق ہے	۹۶
۲۴	حضرت علیؑ کے دس امتیازات	۱۰۸
۲۵	علیؑ اور علماء اہلسنت	۱۱۱
۲۶	ہماری گفتگو کا خلاصہ	۱۱۶
۲۷	ائمہؑ اہل بیتؑ انبیاء سے افضل ہیں	۱۱۸
۲۸	ائمہ اہل بیتؑ اور علم غیب	۱۲۰
۲۹	معاد	۱۲۲
۳۰	اصول عملیہ	۱۲۳
۳۱	اہل سنت کی شیعوں سے پرخاش	۱۲۵
۳۲	اجتہاد، تقلید، احتیاط	۱۳۴
۳۳	فروع دین اور ان کی تعریف	۱۳۵
۳۴	نماز اور اس کے اقسام	۱۵۳
۳۵	نماز جماعت	۱۵۹
۳۶	زکواۃ	۱۸۱
۳۷	خمس	۱۸۵

شمارہ نمبر		صفحہ
۳۸	روزہ	۱۸۸
۳۹	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۱۹۳
۴۰	حج	۱۹۵
۴۱	ودیعت	۲۱۵
۴۲	عاریہ	۲۱۵
۴۳	لقطہ	۲۱۶
۴۴	لقیطہ (لاوارث)	۲۱۶
۴۵	غصب	۲۱۹
۴۶	مردہ زمینوں کا زندہ کرنا	۲۲۰
۴۷	ویران زمینوں کی ملکیت کا اعتبار	۲۲۲
۴۸	مشترک چیزیں چھ ہیں	۲۲۲
۴۹	دین	۲۲۴
۵۰	قرض	۲۲۵
۵۱	قرض میں سات شرائط معتبر ہیں	۲۲۵
۵۲	رہن	۲۲۶
۵۳	رہن میں چھ شرائط معتبر ہیں	۲۲۶
۵۴	شفعہ	۲۲۷
۵۵	حجر	۲۲۸
۵۶	ضمان	۲۲۹
۵۷	حوالہ کے احکام	۲۳۰

شمارہ نمبر		صفحہ
۵۸	کفالت	۲۳۱
۵۹	وکالت	۲۳۲
۶۰	اقرار	۲۳۲
۶۱	ہبہ	۲۳۴
۶۲	وقف کے احکام	۲۳۵
۶۳	صلح کے احکام	۲۳۸
۶۴	احکام وصیت	۲۳۹
۶۵	صدقے کے احکام	۲۴۱
۶۶	سبق و رماہ	۲۴۲
۶۷	قسم کے احکام	۲۴۵
۶۸	نذر کے احکام	۲۴۵
۶۹	عہد	۲۴۶
۷۰	شکار	۲۴۷
۷۱	مچھلی اور ٹڈی کا شکار	۲۴۸
۷۲	ذبح اور نحر کے احکام	۲۴۹
۷۳	گوشت کا حکم	۲۵۰
۷۴	کھانے پینے کی چیزیں	۲۵۱
۷۵	نجس العین چیز	۲۵۳
۷۶	کفّارہ کے احکام	۲۵۴
۷۷	غلام اور اس کی آزادی	۲۵۵

شمارہ نمبر		صفحہ
۷۸	آزادی کے اسباب پانچ ہیں	۲۵۶
۷۹	غلام مدبر و مکاتب	۲۵۶
۸۰	عقد نکاح	۲۵۸
۸۱	ولی کے احکام	۲۵۹
۸۲	حرمت کے اسباب	۲۶۰
۸۳	رضاعت کے ذریعہ حرام ہونے والی عورتیں	۲۶۳
۸۴	لعان کے ذریعہ حرام ہونے والی عورتیں	۲۶۴
۸۵	ظہار و ایلا	۲۶۶
۸۶	کفر کے احکام	۲۶۸
۸۷	متعہ	۲۶۱
۸۸	وہ عیوب جن سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے	۲۷۱
۸۹	کنیز کے نکاح کے احکام	۲۷۲
۹۰	مہر	۲۷۳
۹۱	حقوق کی تقسیم	۲۷۴
۹۲	نافرمان عورت	۲۷۵
۹۳	اولاد کا حکم	۲۷۶
۹۴	اسباب نفقہ	۲۷۷
۹۵	طلاق کے احکام	۲۷۸
۹۶	تین طلاقیں	۲۷۹
۹۷	طلاق کی قسمیں	۲۸۱

صفحہ		شمارہ نمبر
۲۸۲	طلاق عدہ	۹۸
۲۸۳	رجوع اور مریض کی طلاق	۹۹
۲۸۴	عدہ کے احکام	۱۰۰
۲۸۵	متعہ والی عورت کا عدہ	۱۰۱
۲۸۶	طلاق خلع و مبارات	۱۰۲
۲۸۸	میراث	۱۰۳
۲۸۸	قرآن میں منصوص فرائض	۱۰۴
۲۸۹	موانع ارث	۱۰۵
۲۹۰	مرتد کا حکم	۱۰۶
۲۹۲	ولد ملاعنت، زنا، حمل، اور غائب کے احکام	۱۰۷
۲۹۳	ڈوبنے اور دب کر مرنے والے کی میراث	۱۰۸
۲۹۵	پہلے گروہ کی میراث	۱۰۹
۲۹۶	پوتے پوتیوں کی میراث	۱۱۰
۲۹۶	دوسرے گروہ کی میراث	۱۱۱
۲۹۸	دادا دادی کی میراث	۱۱۲
۲۹۸	تیسرے گروہ کی میراث	۱۱۳
۲۹۹	ماموں اور خالہ کی میراث کے احکام	۱۱۴
۳۰۰	چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی اولاد کی میراث	۱۱۵
۳۰۱	زوجہ اور شوہر کی میراث	۱۱۶
۳۰۳	اولیاء کے طبقات	۱۱۷

شمارہ نمبر		صفحہ
۱۱۸	دوسرا گروہ ضمائن جریرہ	۳۰۴
۱۱۹	تیسرا گروہ ولایت امام	۳۰۵
۱۲۰	خلیفۂ دوم عمر نے فرائض میں عول کے بارے میں اشتباہ کیا	۳۰۵
۱۲۱	شیعہ تعصیب کے قائل نہیں ہیں	۳۰۶
۱۲۲	قضاوت	۳۰۹
۱۲۳	قاضی کے صفات	۳۱۱
۱۲۴	حاکم کی ذمہ داریاں	۳۱۴
۱۲۵	فیصلہ کی صورت وکیفیت	۳۱۶
۱۲۶	قسم کی کیفیت	۳۱۹
۱۲۷	منکر کی قسم اور مدعی	۳۲۰
۱۲۸	وارث پر دعوی	۳۲۱
۱۲۹	غلام پر دعوے کے احکام	۳۲۲
۱۳۰	قسم اور شاہد کے احکام	۳۲۲
۱۳۱	تقسیم کے احکام	۳۲۳
۱۳۲	مدعی اور منکر	۳۲۵
۱۳۳	حق تک رسائی	۳۲۶
۱۳۴	بیّنات میں تعارض	۳۲۶
۱۳۵	گواہ کے صفات	۳۲۸
۱۳۶	عدالت	۳۲۸
۱۳۷	کس کی گواہی قبول ہے کس کی نہیں	۳۳۰

شمارہ نمبر		صفحہ
۱۳۸	مدارک شہادت	۳۳۲
۱۳۹	حقوق	۳۳۳
۱۴۰	شہادت واجب ہے	۳۳۴
۱۴۱	شہادت پر شہادت	۳۳۵
۱۴۲	وہ چیزیں جو گواہی کی قبولیت وعدم قبولیت میں معتبر ہیں	۳۳۷
۱۴۳	گواہ کب اپنی گواہی سے منصرف ہو سکتا ہے	۳۳۸
۱۴۴	شاہد فرع کب منصرف ہو سکتا ہے	۳۳۹
۱۴۵	حدود	۳۴۲
۱۴۶	زنا کیسے متحقق ہوتا ہے	۳۴۴
۱۴۷	فروعات	۳۴۵
۱۴۸	زنا کیسے ثابت ہوتا ہے	۳۴۶
۱۴۹	فروعات	۳۴۶
۱۵۰	احصان کے تحقق کی شرائط	۳۴۹
۱۵۱	فروعات مسئلہ	۳۴۹
۱۵۲	زانی پر حد جاری کرنے کی کیفیت	۳۵۳
۱۵۳	حد لواط (اغلام بازی)	۳۵۶
۱۵۴	مساحقہ کی حد	۳۵۸
۱۵۵	دلالی کی حد	۳۶۰
۱۵۶	قذف کی حد	۳۶۰
۱۵۷	نبیؐ کو گالی دینے اور دعوائے نبوت کرنے والے کا حکم	۳۶۳

نمبر شمار		صفحہ
۱۵۸	نبی اکرمؐ کی والدہ ماجدہ پر (معاذاللہ) تہمت لگانے کا حکم تعزیر و بچہ کی تادیب	۳۶۴
۱۵۹	نشہ آور شئی کے استعمال کی حد	۳۶۵
۱۶۰	چوری	۳۶۷
۱۶۱	حد سرقت	۳۷۰
۱۶۲	محارب کی حد	۳۷۲
۱۶۳	حکم مرتد	۳۷۴
۱۶۴	حیوانات اور مردوں کے ساتھ وطی کا حکم	۳۷۵
۱۶۵	میت سے وطی کرنے والے کی حد	۳۷۶
۱۶۶	استمناء کا حکم	۳۷۷
۱۶۷	دفاع کا حکم	۳۷۸
۱۶۸	قصاص	۳۸۰
۱۶۹	ایک شخص کے قتل میں اگر ایک گروہ شریک ہو اس کا حکم اور اعضاء کے قصاص کا حکم	۳۸۳
۱۷۰	ذمی، مجنون اور بچے کی جنایت کا حکم	۳۸۶
۱۷۱	قتل کے ثابت ہونے کا طریقہ اور قسامہ کا معنی	۳۸۷
۱۷۲	وہ شہادت جس سے قصاص اور دیت ثابت ہوتے ہیں	۳۸۹
۱۷۳	اعضاء کی قسامت	۳۹۱
۱۷۴	عضو کا قصاص	۳۹۲
۱۷۵	اعضاء کے وہ زخم جن میں قصاص ثابت ہوتا ہے	۳۹۳
۱۷۶	دیات	۳۹۶
۱۷۷	وہ دیات جو جنایت کار کے مال سے دی جاتی ہیں	۴۰۰

شمارہ نمبر		صفحہ
۱۷۸	جب مباشر اور سبب ایک کام میں شریک ہوں، اور اس کا حکم	۴۰۳
۱۷۹	دیات کی مقدار اور دیت نفس	۴۰۵
۱۸۰	عمد شبہ خطا اور خطاء محض کی دیت	۴۰۶
۱۸۱	عورت، حرام زادہ، ذمّی، ذمیہ اور غلام کی دیت	۴۰۷
۱۸۲	اعضاء کی دیت اور اس کی مقدار	۴۰۹
۱۸۳	بالوں کی دیت	۴۰۹
۱۸۴	دونوں آنکھوں اور دونوں پپوٹوں کی دیت	۴۱۰
۱۸۵	ناک کی دیت	۴۱۱
۱۸۶	کان اور ہونٹوں کی دیت	۴۱۲
۱۸۷	زبان کی دیت	۴۱۴
۱۸۸	دانتوں کی دیت	۴۱۶
۱۸۹	گردن کی دیت	۴۱۷
۱۹۰	جبڑوں کی دیت	۴۱۷
۱۹۱	ہاتھوں کی دیت	۴۱۸
۱۹۲	انگلیوں کی دیت	۴۱۹
۱۹۳	کمر کی دیت	۴۲۰
۱۹۴	ریڑھ کی ہڈی میں موجود حرام مغز اور پستانوں کی دیت	۴۲۱
۱۹۵	ذکر (آلہ تناسل) کی دیت	۴۲۲
۱۹۶	خصیوں اور عورت کی شرمگاہ کے دونوں کناروں کی دیت	۴۲۳
۱۹۷	دونوں سرین اور دونوں پاؤں کی دیت	۴۲۵

نمبر شمار		صفحہ
۱۹۸	پسلیوں اور سرین کی ہڈی کی دیت اور ہر اس عضو کی ہڈی کی دیت جس عضو کے لئے دیت مقرر ہے	۴۲۶
۱۹۹	ہنسلی کی دونوں ہڈیوں کی دیت اور پیٹ کو روندنے کی دیت	۴۲۸
۲۰۰	منافع کی دیت	۴۲۸
۲۰۱	عقل کے زائل کرنے کی دیت	۴۲۸
۲۰۲	قوت سماعت کے زائل کرنے کی دیت	۴۲۹
۲۰۳	نظر کو ضائع کرنے کی دیت	۴۳۱
۲۰۴	قوت شامہ کی دیت	۴۳۲
۲۰۵	ذائقہ کی دیت	۴۳۳
۲۰۶	منی کے انزال سے متعذر کرنے کی دیت	۴۳۳
۲۰۷	سلس بول اور آواز کے ختم کرنے کی دیت	۴۳۴
۲۰۸	آواز کو ختم کرنے کی دیت	۴۳۴
۲۰۹	سر کے زخموں اور عام زخموں کی دیت	۴۳۴
۲۱۰	بقیہ زخموں کی دیت	۴۳۶
۲۱۱	ارش اور حکومت (جرمانہ) کے معنی	۴۳۸
۲۱۲	جنین کی دیت	۴۳۸
۲۱۳	مشہور نے جو دیت کی تقسیم کی ہے	۴۳۹
۲۱۴	اس جنین کی دیت جو مذکر و مونث میں مشتبہ ہو گیا ہو اور جنین کے بعض حصوں کی دیت اور میت پر جنایت کی دیت	۴۳۹
۲۱۵	جانوروں پر جنایت کے بارے میں اور ان کی قسمیں	۴۴۰
۲۱۶	قتل کا کفارہ اور عاقلہ کے معنی	۴۴۳

شمارہ نمبر		صفحہ
۲۱۷	کفارہ جمع کے وجوب کے مقامات	۴۴۳
۲۱۸	دیت کی تقسیم کا حکم	۴۴۴
۲۱۹	خاتمہ	۴۴۶
۲۲۰	اوّل. حضرت ابوطالبؑ رسولؐ اللہ پر ایمان رکھتے تھے	۴۴۶
۲۲۱	اس پر کئی دلیلیں ہیں	۴۴۷
۲۲۲	حضرت ابوطالب کے بارے میں بعض ناعاقبت اندیشوں کا نظریہ	۴۵۰
۲۲۳	۲۔ الامر الثانی: رجعت	۴۵۲
۲۲۴	۳۔ الامر الثالث: تقیہ کے شرعی طور پر جائز ہونے میں ہے	۴۵۴
۲۲۵	تقیہ نفاق کی قسم نہیں	۴۵۶
۲۲۶	۴۔ الامر الرابع: قبر نبیؐ اکرم اور اہل بیتؑ کی قبور کی زیارت مستحب ہونے میں ہے	۴۵۷
۲۲۷	۵۔ الامر الخامس: مومنین کی قبور کی زیارت میں ہے	۴۵۹
۲۲۸	۶۔ الامر السادس: قبور کی زیارت کے لئے رختِ سفر باندھنے کے مستحب ہونے میں ہے	۴۶۰
۲۲۹	۷۔ الامر السابع: قبور کو پختہ بنانے کے جواز میں ہے	۴۶۱
۲۳۰	۸۔ الامر الثامن: نبی اکرم اور اہل بیتؑ اطہار کی ضریح کو بوسہ دینے کے جائز ہونے میں ہے	۴۶۲
۲۳۱	۹۔ الامر التاسع: امام حسینؑ اور اہل بیتؑ اطہار پر ماتم کے جائز ہونے میں ہے	۴۶۴
۲۳۲	۱۰۔ الامر العاشر: نبی کریمؐ کے امام حسینؑ پر رونے میں ہے	۴۶۶
۲۳۳	۱۱۔ الامر الحادی عشر: نبی اکرمؐ اور اہل بیتؑ سے توسل کا جائز ہونا	۴۶۹
۲۳۴	۱۲۔ الامر الثانی عشر: غیر اللہ سے مدد طلب کرنا اور ان سے استغاثہ کے جائز ہونے میں ہے	۴۷۰
۲۳۵	۱۳۔ الامر الثالث عشر: نبیؐ، اہل بیتؑ اور مومنین کی شفاعت کے جواز میں ہے	۴۷۲
۲۳۶	۱۴۔ الامر الرابع عشر: بدا کے معنی میں ہے	۴۷۴

شمار نمبر		صفحہ
٣٣٧	معنی ندا	۴٧۴
٣٣٨	شیعوں کا عبد النبی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے	۴٧۵
٣٣٩	ھدیٰ اور ضلال کے معنی	۴٧٦
٣۴٠	رنج و مرض کے بدلے و عوض	۴٨٣
٣۴١	الامر الخامس عشر: نبی کریم کیلئے عصمت واجب ہونا خصوصی طور پر اور دیگر انبیاء کے لئے علی العموم	۴٨۵
٣۴٢	عصمت اور اس کا معنی	۴٨٧
٣۴٣	عصمت انبیا پر چند عقلی دلیلیں	۴٨٨
٣۴۴	قرآن کریم نبی کی عصمت پر دلالت کرتا ہے	۴٩١
٣۴۵	اس مختصر کو تالیف کرنے کا مقصد	۴٩۵